حدود آرڈیننس میں ترامیم
تحفظ
حقوقِ نسواں بل
حقیقت کیا ہے
ملک کے نامور جیّد علمائے کرام وفقہائے عِظام اور دانشوروں کی آراء کی روشنی میں
تقدیم وترتیب مولانا محمد زاہد اقبال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدود آرڈیننس میں ترامیم

تحفظ حقوقِ نسواں بل

حقیقت کیا ہے؟

ملک کے نامور جید علمائے کرام وفقہائے عظام اور دانشوروں کی آراء کی روشنی میں

تقدیم و ترتیب

مولانا محمد زاہد اقبال ظلہٗ

ناشر

کتاب دوست پبلیکیشنز

اردو بازار لاہور۔فون پی پی: 042-7313392

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

1973ء کے متفقہ آئین کی منظوری، 1974ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے، 1979ء میں حدود آرڈیننس کے نفاذ اور 1984ء میں قانون توہین رسالت بن جانے کے بعد سے عالمی طاغوتی طاقتوں اور امریکہ اور یورپ کے فنڈز سے چلنے والی این جی اوز کے کرتا دھرتا اور جدید دانشوروں اور اسکالروں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ یہ اسلامی قوانین ختم کرا دیے جائیں۔ اس کے لیے انہوں نے آج تک پروپیگنڈہ جاری رکھا اور مختلف حربے استعمال کیے لیکن کامیابی نہ ہوئی لیکن صدر جنرل پرویز مشرف کے اقتدار سنبھالنے کے بعد ان کی ''روشن خیالی اور اعتدال پسندی'' کے پیش نظر انہوں نے اپنی مہم تیز کر دی۔ چنانچہ رواں سال مئی کے مہینے میں پہلے مرحلے میں حدود آرڈیننس کے خلاف طوفان کھڑا کیا گیا آخر کار قومی اسمبلی اور سینیٹ سے ''تحفظ حقوقِ نسواں بل'' منظور کرایا گیا اور صدر نے اس پر دستخط کر کے اسے باقاعدہ قانون کی شکل دے دی۔

حدود آرڈیننس میں ترامیم اور تحفظ حقوق نسواں بل کی حقیقت کیا ہے اور حکومت اور مجلس عمل و علماء کرام میں سے کس کی رائے درست ہے؟ اسے واضح کرنے کے لیے مختلف حضرات کے مضامین اس مجموعے میں شامل کیے گئے ہیں۔

اس مجموعے میں جہاں اس بل کو قرآن و سنت کے منافی قرار دینے والے جید علماء کرام اور دیگر حضرات کے مضامین شامل ہیں وہاں ''جدید دانشور'' طبقے اور حکومتی موقف کی ترجمانی کے لیے بھی چند ایک مضامین بطورِ نمونہ قارئین کے مطالعے کے لیے پیش کر دیے گئے ہیں۔

راقم نے اس مجموعے کے شروع میں مقدمہ میں باطل مغربی نظریات کا پس منظر، سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ اور مستشرقین کی طرف سے اسلامی تعلیمات وہدایات کے خلاف چلائی جانے والی تحریک اور اس حوالے سے این جی اوز اور جدید دانشوروں واسکالروں کے کردار پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ اس کے ساتھ موجودہ حکومت اور میڈیا جس طرح امریکی ویورپی ایجنڈے کی تکمیل کر رہا ہے، اس کا بھی تذکرہ کیا ہے، تاکہ قارئین حدود آرڈیننس کے خلاف چلائی جانے والی مہم اور پس منظر و پیش منظر میں حقیقی کرداروں سے بھی آگاہی حاصل کریں۔

قارئین کرام! نام نہاد تحفظ حقوق نسواں بل کی منظوری کے بعد ہمیں دین اسلام کے تحفظ، امت مسلمہ کے دفاع اور مکمل اسلامی نظام اور خلافت کے احیاء کے حوالے سے عائد فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

محمد زاہد اقبال

١٦ ذی قعدہ ١٤٢٧ھ

جمعۃ المبارک

مُقَدِّمَہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفاتِ جمال وجلال کے ظہور کے لیے اس کائنات کو تخلیق کیا اس میں بسانے کے لیے جن وانس کو پیدا کیا ہے اوران کے لیے کائنات کی بے شمار اور مختلف چیزوں کو مسخر کر دیا۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول وقوانین بھی عطا فرمائے۔ پوری کائنات اور تمام مخلوق کے خالق اللہ وحدہ لاشریک ہیں، اس لیے حکومت و فرمانروائی بھی صرف اسی کا حق ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ (الاعراف : ٥٤)

ترجمہ: خبردار! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ﴾ (یوسف : ٤٠)

ترجمہ: حکومت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں۔

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ثم اخبرهم ان الحكم والتصرف والمشيئة والملك كله لله .

(٥٨٨/٣)

''پھر بتایا کہ حکم، تصرف، مرضی اور بادشاہت وفرمانروائی تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی فرمانروائی اور احکام کے نفاذ کے لیے انسان کو خلیفہ اور نائب بنایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ (البقرة)

ترجمہ: ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ومعنی کونہ (خلیفة) انہ خلیفة اللّٰہ تعالیٰ فی ارضہ وکذا کل نبیّ استخلفھم فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسھم وتنفیذ امرہ فیھم لا لحاجة بہ تعالیٰ۔

یعنی خلیفہ کا معنی یہ ہے کہ وہ (انسان) زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ و نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آبادی، انسانوں کی سیاست (نظم ونسق) کرنے، ان کے نفوس کی تکمیل کرنے اور ان کے اندر اپنے حکم کو نافذ کرنے کے لیے اپنا نائب بنایا ہے، نہ یہ کہ اللہ اس کا محتاج ہے۔"

تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام نے لوگوں کو اسی بات کی دعوت دی کہ تم اپنے خالق و رازق کی معرفت حاصل کرو، اسی کا حکم مانو، اسی کے دیے ہوئے اصولوں اور قوانین کے مطابق زندگی گزارو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی کا انکار کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی تو تمہیں دنیا و آخرت میں نقصانِ عظیم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بات کی دعوت دی اور مدینہ منورہ میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد پورے جزیرہ عرب میں اسے نافذ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے عظامؓ نے اسے وسعت دی۔ چنانچہ صدیوں تک یہ نظامِ خلافت دنیا کے مختلف خطوں میں نافذ العمل رہا اور مسلمانوں سمیت پوری انسانیت اس سے مستفید ہوتی رہی لیکن گزشتہ صدی کے پہلے ربع میں آخری اسلامی سلطنت "خلافتِ عثمانیہ" کا سقوط ہو گیا اور یوں صدیوں بعد پہلی دفعہ یہ موقع آیا کہ پوری دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہ رہا جہاں مکمل اسلامی نظام نافذ ہو۔ اس کے بعد سے آج تک یہ حالت برقرار ہے اور آج بھی مسلمانوں پر اقامتِ خلافت کے اہم فریضے کی ادائیگی کا فرض باقی ہے۔

یورپ میں علمی و سائنسی ترقی ہوئی اور نئے نئے افکار و نظریات سامنے آئے تو عیسائیت پر اس کے منفی اثرات پڑے۔ خصوصاً یورپی دانشوروں اور سائنسدانوں نے عیسائی مذہبی

افکار وتعلیمات کو نشانہ بنانا شروع کیا اور چونکہ تحریف شدہ عیسائیت میں کسی با قاعدہ نظامِ زندگی کا فقدان تھا اس لیے وہ ان نئے افکار ونظریات کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ وحی الٰہی کے انکار اور مادیت پرستی پر مبنی باطل نظریات نے سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا۔ انگلستان کا ''شاندار انقلاب'' (Glorious-ervotition) 1688ء سے اس نظام کی بنیاد پڑی، 18ویں صدی کی ابتداء تک عیسائی نظامِ زندگی (جیسا کیسا بھی تھا) معطل ہو گیا تھا۔ پھر انقلاب امریکہ 1776ء اور انقلابِ فرانس 1789ء سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ اور غلبے کے لیے دو تاریخی سنگ میل ثابت ہوئے۔ سرمایہ دارانہ نظریے اور نظام کو پروان چڑھانے والے تمام مفکرین کا اس نکتے پر اتفاق تھا کہ مذہب کو سیاسی عمل سے الگ ہونا چاہیے۔ یہ مفکرین ریاستی معاملات میں چرچ اور کلیسا کی مداخلت اور اثر ورسوخ کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ انقلاب امریکہ اور انقلاب فرانس کے بعد مذہب (عیسائیت) کو ریاست و سیاست سے بے دخل کر دیا گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اسے سول سوسائٹی (Civil Society) کہتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ معاشرت غلاظت، نجاست اور پلیدگی کی نچلی ترین سطح ہے۔ یہ معاشرت لازمی طور پر مذہبی سوسائٹی کے انہدام کے ذریعے ہی قائم ہوتی ہے۔ یہ سوسائٹی تمام مذہبی اقدار اور اعمال کو لغو اور لایعنی قرار کرتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظریے کے اہم مفکر جان اسٹویرٹ مل (John Steart Mill) (1806 - 1873) نے زنا کو ایک حق قرار دیا ہے اور Human Right کے طور پر پیش کیا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرت میں للّٰہیت، محبت، طہارت، عفت، تقویٰ، غیرت، ایثار اور دیگر خصائل حمیدہ بے وقعت اور بے قدر ہوتے ہیں اور رذائل پروان چڑھتے ہیں۔ چونکہ ہر انسان آزاد ہے اور زنا کو حق تسلیم کیا گیا ہے اس لیے جہاں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہوتا ہے اور سول سوسائٹی قائم ہوتی ہے، وہاں جنسی آزادی کی وجہ سے زنا عام ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی جنسی ہوس

پوری نہیں ہوتی۔

مغرب میں سول سوسائٹی کے قیام کے بعد جس قدر جنسی امراض پیدا ہوئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سول سوسائٹی کے قیام کے بعد مغرب میں خاندان کی تنظیم، معاشرتی تعلقات اور خونی رشتوں کو تہس نہس کر دیا اور آج وہاں خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

آج جہاں اور جس ملک میں سرمایہ داری اور جمہوریت غالب ہے وہاں جنسی ہوسناکی بھی عروج پر ہے۔ آج امریکہ دنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کا علمبردار ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ایف بی آئی کے اعداد وشمار کے مطابق 2003ء میں تقریباً ایک لاکھ امریکی خواتین (زبردستی) زیادتی کا شکار ہوئیں اور اسی ''مہذب و ترقی یافتہ'' ملک کے چار لاکھ بچے ہر سال جنسی جرائم کا شکار ہوتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جنسی آزادیوں کے نتیجے میں مغرب میں زنا بالجبر کی وارداتوں میں کمی کی بجائے اضافہ ہو رہا ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی ہی میں سرمایہ دارانہ نظام کو غلبہ حاصل ہوا اور اسی صدی میں ''تحریک اشتراقیت'' کا ظہور ہوا۔ برطانیہ میں 1779ء اور فرانس میں 1799ء میں اشتراکیت پروان چڑھی۔ تحریک اشتراکیت کے بنیادی ''دینی مقاصد'' یہ تھے:

(الف) قرآن کریم کے صحیح ہونے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، نیز قرآن کریم میں طعن و تشنیع کرنا۔

(ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے صحیح ہونے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، نیز یہ باور کرانا کہ احادیثِ نبویہ کو مسلمانوں نے قرونِ ثلاثہ میں ایجاد کیا ہے۔

(ج) اسلامی فقہ کی وقعت کو کم کرنا اور اسے رومن فقہ باور کرانا۔

(د) اسلام کی اصل یہودیت اور نصرانیت کو قرار دینا۔

اس تحریک کے ''سیاسی مقاصد'' یہ تھے:

(الف) مسلمانوں میں بھائی چارے کی فضا کو ختم کر کے ان میں تفرقہ ڈال کر ان پر

غلبہ حاصل کرنا۔

(ب) استعماری قوتیں اپنے وظیفہ خوار مستشرقین کو نو آبادیاتی ممالک میں ان ممالک کی زبان، آداب اور ادیان کی تحقیق پر مامور کرتے تھے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ ان ممالک کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے کر وہاں کس طرح حکومت کی جاسکتی ہے۔

چند مشہور مستشرقین کے باطل افکار کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

جاج سیل G.Sale کہتا ہے: "قرآن، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی ایجاد و تالیف ہے۔"

شیلڈرن آموسی لکھتا ہے کہ: "شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) دراصل عرب ممالک کے سیاسی احوال کے موافق، مشرقی شہنشاہیت کے رومن قوانین کا نام ہے...... قانونِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف عربی رنگ میں رنگے ہوئے قوانین ہیں۔"

تحریک اشتراق نے بڑے منظم انداز سے اپنا کام کیا اور نہ صرف مغرب میں مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے افراد تیار کیے بلکہ باقاعدہ ادارے بنائے گئے اور مسلم علاقوں میں سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم کے نام پر ادارے بنا کر اور نو آبادیاتی دور میں محکوم مسلمانوں کی نئی نسل کو اپنے ہاں بلا کر انہیں اس کام کو مسلم ممالک میں پھیلانے کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ انیسویں صدی میں اسلامی ممالک میں ہی ایسی فکری تحریکیں اٹھیں اور ایسے نام نہاد مفکرین اور دانشور سامنے آئے جنہوں نے علم و تحقیق کے نام پر اسلام کی بنیادیں ڈھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ استعماری طاقتوں اور مستشرقین نے گٹھ جوڑ کر کے اسلامی نظام کے انہدام کے لیے جدوجہد جاری رکھی جو کہ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط پر منتج ہوئی۔ اسلامی نظام کے خاتمے میں مستشرقین کے کردار کا اندازہ درجِ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

برطانوی نو آبادیات کے وزیر "اومی غو" نے اپنی حکومت کے سربراہ کے نام 9 جنوری 1938ء میں ایک رپورٹ میں لکھا کہ

"جنگ نے ہمیں سکھایا ہے کہ اسلامی اتحاد ہی سب سے بڑا خطرہ ہے، لہٰذا سلطنت

برطانیہ کو اس سے ڈرنا چاہیے اور اس کے خلاف جنگ کرنا چاہیے۔ یہ خطرہ صرف سلطنتِ برطانیہ کے لیے نہیں، فرانس کے لیے بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ خلافت کا خاتمہ ہو گیا ہے ۔میری خواہش یہ ہے کہ وہ دوبارہ واپس نہ آئے۔" (مذاہبِ عالم کا جامع انسائیکلوپیڈیا:33)

مسٹر اومسی غو کی مذموم خواہش پوری ہوئی اور آج تک خلافت کا دوبارہ قیام نہیں ہو سکا ہے کیونکہ "اومسی غو" کے جانشین آج تک مسلسل یہ کوشش جاری رکھے ہوئے ہیں کہ کہیں بھی خلافت کا دوبارہ قیام اور احیا ہو اور نہ اسلامی شریعت و قوانین نافذ ہو چنانچہ آج مسلمان مختلف علاقوں، ملکوں، ریاستوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں، امت کا مفہوم و عملی شکل بے معنی ہو کر رہ گئی ہے اور دنیا کے کسی خطے میں مکمل اسلامی نظام اور شرعی قوانین کا نفاذ نہیں ہے۔

مستشرقین سے تربیت پانے والے نام نہاد مسلم دانشور اور اسکالروں اور مادر در آزاد مغربی تہذیب میں تعلیم حاصل کرنے والے اور مغرب کے رنگ میں رنگے جانے والے سیکولر اور لادین طبقے نے تمام مسلم ممالک میں یہ دین اسلام اور قوانین شریعت کے نفاذ کے خلاف باقاعدہ تحریک کی صورت میں جدوجہد کی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی اسے طبقے کی قیامِ پاکستان سے آج تک یہ کوشش رہی ہے کہ وطنِ عزیز میں قرآن وسنت پر مبنی قوانین کے نفاذ کا راستہ روکا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے معاشرے میں بے دینی پھیلے اور عوام اسلامی تعلیمات و ہدایات سے برگشتہ ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ آج تک آئین مکمل طور پر اسلامی نہیں بن سکا۔ 1973ء کے آئین میں علماء کرام کی جدوجہد کے نتیجے میں اسلامی دفعات شامل کی گئیں، 1974ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور 1979ء میں زناکاری اور فحاشی و عریانی اور دیگر جرائم کی روک تھام کے لیے حدود آرڈیننس جاری کیا گیا۔ جس کے اجراء کے ساتھ ہی امریکہ و یورپ کے فنڈز سے چلنے والی این جی اوز اور نام نہاد دانشوروں اور سکالروں کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس آرڈیننس کو منسوخ کرایا جائے یا کم از کم اس میں من مانی ترامیم کرا کر اسے غیر بنایا

جائے تا کہ امریکی ویورپی ایجنڈے کی تکمیل ہو اور ملک میں زنا اور فحاشی وعریانی کی اجازتِ عام دی جائے، لیکن دینی حلقوں کی شدید مخالفت کی اور دباؤ کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہ کرایا جاسکا۔

عصر حاضر میں میڈیا کو ایک بہت طاقت حاصل ہوگئی ہے اور یہود و ہنود اور نصاریٰ باہم متحد ہوکر اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھرپور طریقے سے استعمال کررہے ہیں۔ صدر پرویز کے اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد میڈیا کو فحاشی وعریانی پھیلانے اور لوگوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی اجازتِ عام دے دی گئی ہے، چنانچہ وہ مغربی ایجنڈے پر بہت تیزی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ رواں سال مئی کے شروع میں جیو ٹی وی نے حدود آرڈیننس پر مباحثہ شروع کرایا اور روزنامہ جنگ کے ذریعے اس کا بھرپور پروپیگنڈہ بھی جاری رکھا چنانچہ 7 مئی 2006ء کے روزنامہ جنگ میں جیو ٹیلی ویژن کی طرف سے یہ اشتہار شائع ہوا:

''ذرا سوچئے! کیونکہ سوچنا گناہ نہیں ہے......''

پھر 8 مئی کو ''ذرا سوچئے'' کے ساتھ یہ لکھا گیا تھا:

''کیونکہ سوچ ہی آدمی کو انسان بناتی ہے۔''

12 مئی کو صفحہ 2، 17 اور 18 پر ''ذرا سوچئے'' کے عنوان کے اشتہار پورے صفحوں پر مختلف جگہوں پر لگائے گئے تھے۔ 14 مئی کی اشاعت میں یوں اشتہار دیا گیا ''ذرا سوچئے جیو کی ایک ایسی کاوش ہے جو ہمیں ان مسائل پر سوچنے کی جرأت دیتی ہے جو ہمیں تقسیم کرتے آئے ہیں۔''

جیو ٹیلی ویژن نیٹ ورک عوام کو جن مسائل پر سوچنے کی جرأت کرنے کی دعوت و ترغیب دے رہا تھا اس کی ابتداء حدود آرڈیننس سے ہوئی ہے، اس کا دوسرا نشانہ غالباً قانون توہین رسالت ہوگا پھر اگلے مرحلے میں کن مسائل پر سوچا جائے گا اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

17 مئی کی اشاعت میں ''ذرا سوچئے'' کے تحت لکھا گیا'' کہا جاتا ہے کہ کچھ قوانین مجرم کا ساتھ دیتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کیا آپ اس معاشرے میں خود کو محفوظ سمجھتے ہیں؟''
اس طرزِ خطاب سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عوام کو کس طرح حدود آرڈیننس کے خلاف اکسایا جا رہا ہے۔

اسی طرح 18 مئی کی اشاعت میں لکھا گیا'' کیا کوئی قانون ایسا ہو سکتا ہے جس کے تحت مظلوم پر یہ ذمہ داری عائد کر دی جائے کہ وہ اپنی بے گناہی خود ہی ثابت کرے؟ سوچئے ...... ہمارے ساتھ یہ برسوں سے ہو رہا ہے۔''

''ہمارے ساتھ یہ برسوں سے ہو رہا ہے'' سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اس مہم کے پیچھے اصل کردار کون ادا کر رہا ہے اور ان کے کیا مقاصد ہیں؟ جیو چینل نے اس پروپیگنڈہ مہم کے ساتھ ''مباحثہ'' اور ''مکالمہ'' کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ روزنامہ جنگ کراچی کی اشاعت 22 مئی میں صفحہ 2 پر اس سوال ''حدود آرڈیننس کو ایک خدائی قانون کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جسے چھوا نہیں جا سکتا۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟'' کے جواب میں مختلف اداروں اور مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کی آراء کو پیش کیا گیا، جن میں سے سرفہرست اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود کی رائے ہے۔ جن کا کہنا تھا ''حدود آرڈیننس ایک قانون ہے، جس طرح دوسرے قوانین ہیں، اس کو آسمانی قانون نہیں کہا جا سکتا۔ یہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے۔ اس لیے اس میں کمی بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں خرابیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس میں Procedure کی کمی بھی ہو سکتی ہے۔ ان سب پر غور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قانون کی طرح اس پر غور کریں۔''

دوسرے نمبر پر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے ہے۔ چونکہ ان کی رائے آئندہ صفحات میں ان کے مفصل مضامین میں آجائے گی اس لیے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تیسرے نمبر پر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی کی رائے ہے۔ جن کا

کہنا تھا" حدود آرڈیننس جو چار قوانین پر مشتمل ہے اس میں ایک سو ایک دفعات ہیں جن میں سے 83 دفعات کا تعلق حدود سے نہیں ہے۔ صرف 18 دفعات ہیں جن کا تعلق حدود سے ہے۔ جو دفعات حدود سے تعلق نہیں رکھتیں۔ ان کا سرے سے کتاب اللہ سے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں اور جو 18 دفعات حدود سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہیں۔ اس لیے یہ سارے کا سارا قانون حدود آرڈیننس انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے جسے ہم نے خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔"

28 ویں نمبر پر ادارہ المورد کے ڈائریکٹر "جاوید احمد غامدی" نے اس طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے" حدود آرڈیننس ایک انسانی قانون ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو سزائیں قرآن مجید میں بیان کی ہیں، انسانوں نے اس کو جس طرح سمجھا ہے، جس طرح ان کی تعبیر کی ہے، اس کے لحاظ سے یہ آرڈیننس بنا دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کوئی مقدس چیز نہیں ہے کہ اس پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی یا اس کی غلطیوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو بات کہی ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بات ہے اور ہمیشہ کے لیے واجب اطاعت ہے لیکن انسان اس کو جس طرح سے سمجھتے ہیں اس کے بارے میں آپ یا کوئی بھی شخص اس کی تنقید کر کے اس کی غلطی واضح کر سکتا ہے اور اس کی روشنی میں قانون میں بھی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔"

جناب غامدی صاحب جس آرڈیننس کے "مقدس" ہونے کی نفی کر رہے ہیں اس کی وضاحت تو آپ آیندہ صفحات میں پڑھ لیں گے البتہ "لیکن انسان اس کو جس طرح سے سمجھتے ہیں اس کے بارے میں آپ یا کوئی بھی شخص اس کی تنقید کر کے اس کی غلطی واضح کر سکتا ہے" کے جملے سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ موصوف اسلامی اصولوں کی روشنی میں بنائے جانے والے قوانین پر "تنقید" کا حق کس کس کو دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس اشتہار کے آخر میں لکھا ہے: "یہ لوگ سوچ رہے ہیں ......اور آپ؟ ذرا سوچیے"

روزنامہ جنگ کراچی کی اشاعت 26 مئی 2006ء میں اس سوال ''حدود آرڈیننس نے زنا اور زنا بالجبر کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دونوں ایک ہی نوعیت کے جرائم ہیں؟'' کے جواب میں 19 حضرات کی رائے پیش کی گئی ہے۔ڈاکٹر فاروق احمد خان کی رائے یہ ہے ''پاکستان میں رائج حدود آرڈیننس کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اس کے اندر زنا بالجبر اور زنا بالرضا کو ایک کیٹگری میں رکھا گیا ہے، اس کے لیے شہادت کا قانون بھی ایک رکھا گیا ہے اور اس کے لیے سزا بھی ایک رکھی گئی ہے۔اسلام کی روح سے، انسانیت کی روح سے، عقل عام کی روح سے اور انسان کے ضمیر کی روح سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔''

اسی طرح جسٹس (ر) ناصر اسلم زاہد کا کہنا تھا:

''میرا یہ کہنا ہے کہ زنا آرڈیننس جو آج کل رائج ہے وہ قرآن کی آیات کے مطابق نہیں بنایا۔قرآن کی آیات کے مطابق صرف زنا بالرضا کو زنا آرڈیننس میں شامل کرنا چاہیے اور زنا بالجبر کو Ordinary قانون یعنی پینل کوڈ کے قانون کے ماتحت یا ریاستی قانون کے مطابق بنانا چاہیے۔''

جاوید احمد غامدی کا کہنا تھا کہ

''حدود آرڈیننس میں زنا اور زنا بالجبر میں فرق روا نہیں رکھا گیا، یہ قرآن مجید کے بھی خلاف ہے، یہ سنت کے بھی خلاف ہے، یہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔رسالت پاک نے اپنی زندگی میں جو فیصلے کیے ہیں ان کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ چیز بالکل ناقابل قبول ہے۔اس وجہ سے یہ اسلام کی بدنامی کا باعث بنا ہے۔اس سے اسلام کا چہرہ مسخ ہوا ہے، اس سے خواتین میں وکلاء میں، ججوں میں ایک اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی ہے، لہٰذا لازماً اس میں فرق کرنا چاہیے۔''

روزنامہ جنگ کراچی کی اشاعت 28 مئی کے اشتہار میں صرف 2 حضرات مفتی منیب

الرحمٰن اور جاوید احمد غامدی کی آراء شائع کی گئیں۔اس طرح 29 مئی کی اشاعت میں بھی صرف انہی دو حضرات کی آراء درج ہیں۔جاوید احمد غامدی کہتے ہیں ''جرم کبھی 90% اور کبھی 95% ثابت نہیں ہوتا۔''

7 جون کی اشاعت کے اشتہار میں حدود آرڈیننس میں قذف سے متعلق دفعات کے حوالے سے سوال کے جواب میں 11 جون کی اشاعت میں 19 حضرات کی آراء پیش کی گئی ہیں۔جاوید احمد غامدی ایک طرف بیٹھے ہیں جبکہ مدمقابل میں مولانا عبدالمالک اور مفتی منیب الرحمٰن بیٹھے ہیں۔جون کو نشرِ مکرر کے طور پر پیش کیے جانے والے پروگرام کی میزبانی کے فرائض جاوید احمد غامدی کے ''لائق شاگرد'' خورشید احمد ندیم نے انجام دیے۔ڈاکٹر طفیل ہاشمی اور جاوید احمد غامدی کا کہنا ہے کہ ''ہم تو مسلسل کہہ رہے ہیں کہ یہ پورا آرڈیننس نہایت ناقص ہے،اس کو ختم کرنا چاہیے۔''

ڈاکٹر طفیل احمد ہاشمی کا کہنا ہے کہ ''کیا یہ آرڈیننس جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر پیش کیا گیا واقعی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون ہے؟''

مفتی منیب الرحمٰن کا کہنا ہے: ''حدود آرڈیننس کے حوالے سے مکمل Repeal (منسوخ) کرانے کا ہم کبھی ساتھ نہیں دیں گے اور پوری قوم اس کو تجوں نہیں کرے گی۔''

اس طرح مولانا عبدالمالک کا بیان ہے کہ ''اگر کسی نے بھی حدود آرڈیننس کو ختم کرنے کے لیے طاقت استعمال کرنا چاہی تو ہم ایسا نہیں کرنے دیں گے۔''

ایک سوچی سمجھی سازش اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حدود آرڈیننس پر شروع کیے جانے والے ''مباحثے'' کے اختتام پر گیارہ مسائل اور ان سے متعلق گیارہ سفارشات اعلان نامہ جاری کیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ یہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مفکرین، دانشوروں اور علماء کی متفقہ سفارشات ہیں اور تعارف میں کہا گیا ہے کہ ''زنا آرڈیننس حدود آرڈیننس کا ایک انتہائی متنازع حصہ ہے جس کا کھلم کھلا غلط استعمال ہوا،اس

قانون کی بہت مذمت کی گئی۔ بیشتر مسلم دانشوروں اور علماء کا کہنا ہے کہ زنا آرڈیننس میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی غلط توضیح وتشریح کی گئی ہے لہٰذا اس کی اصلاح اور اسمیں ترمیم کی جائے تا کہ اسے ہمارے دین کے اصولوں کے مطابق بنایا جا سکے۔"

روزنامہ جنگ کراچی کی 14 جون کی اشاعت میں اس اعلان نامے کو شائع کیا گیا جس کے اختتام پر لکھا گیا "پارلیمنٹ کب سوچے گی؟"

روزنامہ جنگ کی اشاعت 28 جون میں ہی درج ذیل خبر شائع ہوئی:

"اسلامی نظریاتی کونسل نے حدود آرڈیننس پر غور شروع کر دیا ہے یہ غور کونسل کے 161 ویں اجلاس میں کیا گیا جو منگل کے روز (27 جون) چیئر مین کونسل ڈاکٹر محمد خالد مسعود کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ کونسل نے متفقہ قرارداد منظور کرتے ہوئے کہا کہ خواتین کے بارے میں عدل وانصاف کے اصولوں کا تقاضہ ہے کہ انہیں جیل میں نہ رکھا جائے اور قوانین حدود کے تحت جو خواتین جیل میں ہیں، انہیں ضمانت پر رہا کیا جائے۔ کونسل نے سفارش کی ہے کہ قرآن وسنت اور شریعتِ مطہرہ میں مقرر کردہ عقوبات / حدود سزاؤں کے تصور پر مبنی قوانین کی از سر نو تسوید کر کے انہیں تعزیراتِ پاکستان اور ضابطہ فوجداری کا حصہ بنا دیا جائے۔"

روزنامہ جنگ کی 29 جون کی اشاعت میں گزشتہ روز کی اپنے ہی اخبار میں شائع ہونے والی مذکورہ خبر کی کٹنگ "سوچنے کا شکریہ" کے عنوان کے تحت دی گئی ہے اور آخر میں لکھا گیا ہے "سوال یہ اٹھتا ہے: پارلیمنٹ کب سوچے گی؟"

روزنامہ جنگ اور جیو ٹی وی نے جن مقاصد کے تحت حدود آرڈیننس سے متعلق بحث چھیڑی اور اختتام پر اعلان نامہ جاری کر کے پارلیمنٹ سے سوچنے کا سوال کیا، ان کی طرف فوراً پیش رفت شروع کر دی گئی اور "اسلامی نظریاتی کونسل" نے عوام کے اس "سنگین مسئلے" کو حل کرنے کے لیے اپنے اجلاس شروع کر کے حدود آرڈیننس میں ترامیم کے لیے

رپورٹیں مرتب کرنا شروع کردیں۔

میڈیا میں زور وشور کے ساتھ پروپیگنڈہ کرنے کے بعد حکومت نے تحفظ حقوق نسواں کے نام پر حدود آرڈیننس میں ترامیم کا فیصلہ کرلیا۔ اپوزیشن، دینی جماعتوں اور تمام قومی حلقوں نے اس کی مخالفت کی لیکن حکومت نے اصرار جاری رکھا، چنانچہ سلیکٹ کمیٹی کے ذریعے حدود آرڈیننس میں ترامیم کرکے حقوق نسواں بل کا مسودہ تیار کرلیا گیا ہے۔ جسے متحدہ مجلس عمل، مسلم لیگ (ن) اور علماء کرام نے مسترد کردیا، جس کے نتیجے میں مجلس عمل اور حکمران مسلم لیگ کے صدر و چوہدری شجاعت حسین کے درمیان مذاکرات ہوئے علماء کمیٹی بنائی گئی اور حکومت نے یقین دہانی کرائی تھی کہ علماء کمیٹی کی سفارشات کو بل میں شامل کیا جائے گا لیکن علماء کمیٹی کی سفارشات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بل منظور کرالیا گیا۔

موجودہ حکومت نے پاکستان کے اساسی نظریات، نصابِ تعلیم میں شامل قرآنی تعلیمات، دینی مدارس و مساجد کے حوالے سے جو معاندانہ طرزِ عمل اپنا رکھا ہے، عوام اس سے بخوبی واقف ہیں، صدر جنرل پرویز مشرف کی شروع دن سے آج تک یہ کوشش رہی ہے کہ پاکستان کے اساسی نظریات، نصاب تعلیم سے قرآنی تعلیمات کا اخراج اور دینی مدارس کے نصاب و نظام کو بدل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیں جو اسلامی طرزِ زندگی کی بجائے مادر پدر آزاد مغربی تہذیب کی ترجمانی کرے تاکہ یہ امریکہ و یورپ کے ہاں منظورِ نظر رہیں اور ان کی روشن خیالی واعتدال پسندی مستند رہے، علماء کرام اور دینی جماعتوں کی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان کے متفقہ آئین میں جو اسلامی دفعات شامل کی گئیں اور بعد میں بھی اسلامی قوانین کے حوالے سے جو پیش رفت ہوئی ہے، صدر جنرل پرویز مشرف اور ان کی ٹیم انہیں ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے، حقوقِ نسواں کے فریب کن مغربی نعرے سے متاثر طبقے اور غیر ملکی فنڈ زپر چلنے والی اور عالمی طاغوتی طاقتوں کے اسلام دشمن ایجنڈے پر عمل پیرا

این جی اوز ایک عرصے سے یہ کوشش کر رہی تھیں کہ حدود آرڈیننس کو ختم کیا جائے یا کم از کم اس میں ترامیم کی جائیں، صدر پرویز مشرف کے اقتدار سنبھالنے کے بعد ان کے روشن خیالی پر مبنی اقدامات کے پیش نظر انہیں اپنے ایجنڈے پر عملدر آمد کرانے کی راہ ہموار ہوتی نظر آئی تو انہوں نے حدود آرڈیننس کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا۔ جس میں این جی اوز کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

این جی اوز کیا ہے؟ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے انوار ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ ادارے بنیادی طور پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ایجنٹ ہیں، ان کا کام تعمیر نہیں تخریب ہے، ان اداروں نے ملک کو کیا کیا نقصان پہنچایا؟ یہ ادارے اور ان کے پیچھے چھپی ملٹی نیشنل کمپنیاں اس ملک کے عوام کو کس طرح خوراک کے ایک ایک دانے کے لیے ترسا رہی ہیں؟ انہوں نے کس کس طرح درد کی ایک ایک گولی کو بلیک میلنگ کا ذریعہ بنایا؟ ان تمام سوالوں کا جواب حل طلب ہے۔'' (این جی اوز:20)

این جی اوز کے کیا مقاصد ہے؟ درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

''بدیہی طور پر غیر حکومتی تنظیمات (این جی اوز) کا مقصد ہمارے معاشرے کو مغربانہ اور لادینی بنانا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ غیر حکومتی تنظیمیں ہمارے معاشرے کو لادینی بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں...... اسلامی معاشرے کی خصوصیت محبت و رواداری ہے جو رسوم و رواج کی حیثیت سے عوام میں سرایت کر گئی ہے۔ غیر حکومتی تنظیموں کا مقصد ہمارے معاشرے میں پنپنے والی ان روایات کے حامل اداروں کو تباہ کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام محبت کی اکائی خاندان کو سرے سے ہی پسند نہیں کرتا...... تیسری دنیا میں حکومت کی کارکردگی کی ناکامی تنظیموں کی اصل بنیاد ہے۔ عالمی استعمار ان تنظیموں کے باعث حکومتی کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔''

بدنام زمانہ اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی سربراہ عاصمہ جہانگیر نے یہ کمیشن

کیوں قائم کیا؟ انوار ہاشمی صاحب کی زبانی سنیئے:

"اس کے مقاصد اقلیتوں خصوصاً قادیانیوں کو تحفظ فراہم کرنا اور پاکستان میں اسلام کی بنیاد پرستی کی جڑوں کو پہلے ہلانا اور پھر اکھاڑنا تھا۔ اسلامی سزاؤں کو تبدیل کر کے یا پھر ختم کر کے غیر مسلموں کی تعلیم وتبلیغ کے لیے پاکستان میں راہ ہموار کرنا تھا۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں عورتوں کی مغربی طرز پر آزادی اور فری سوسائٹی کے قیام کی کوشش کرنا تھا۔" (این جی اوز: 34)

یاد رہے کہ قانون توہین رسالت کی بنیاد بھی عاصمہ جہانگیر کا طرزِ عمل بنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جولائی 1984ء میں عاصمہ نے اسلام آباد میں ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی شان میں گستاخی کی۔ جس سے حاضرین میں اشتعال پھیل گیا۔ اگلے روز اخبارات میں اس خبر سے کراچی سے لے کر خیبر تک پورے پاکستان کے عوام میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ محترم جناب اسماعیل قریشی ایڈوکیٹ نے قانون توہین رسالت کے لیے تحریک شروع کی اور بالاخر یہ قانون بن گیا۔ اس کی مخالفت میں عاصمہ جہانگیر سپریم کورٹ تک گئی لیکن میاب نہ ہوئی۔ مزید تبصرہ ملاحظہ ہو۔

"اب تو یہاں (پاکستان میں) جرمن چانسلر بھی آتا ہے تو کہتا ہے کہ توہین رسالت کو منسوخ کرو۔ سابق امریکی صدر کلنٹن بھی کہتے تھے کہ اس قانون کو منسوخ کیا جائے۔ عاصمہ کا مشن ہے کہ پاکستان سے اس قانون کو ختم کر دیا جائے۔" (این جی اوز: 35)

عاصمہ گروپ کی اسلامی قوانین اور سزاؤں کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری ہے۔ چنانچہ درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"21 اگست 1995ء کو عاصمہ جہانگیر کی بہن حنا جیلانی نے اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی سزائیں ظلم پر مبنی ہیں۔ ہمیں اسلامی قانون نہیں چاہیے۔ یہ ہم پر ٹھونسا گیا ہے۔ فلم اور تصاویر بیجنگ کانفرنس میں دکھاؤں گی۔ بیرونی طاقتوں کے ذریعے حدود آرڈیننس ختم کرا کے دم لوں گی۔"

آخری جملے سے بالکل واضح ہے کہ امریکہ و یورپ کے ایجنٹ اسلامی قوانین کو کس طاقت کے ذریعے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز مشرف کی آمریت قائم ہونے کے بعد این جی اوز اپنے ایجنڈے کی بتدریج تکمیل کر رہی ہیں۔

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ تحریکِ استشراق نے یورپ سے نکل کر مسلم ممالک تک وسعت اختیار کر لی اور ایسے نام نہاد محقق، دانشور اور اسکالر تیار کیے جنہوں نے تحقیق کے نام پر اسلامی احکام، قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور فقہی اصطلاحات کی ایسی ایسی تعبیر و تشریح بیان کرنا شروع کر دی جو قرآن وسنت کے منافی اور اسلاف کی بیان کردہ، تفسیر و توجیح سے متصادم تھی، البتہ مستشریق کی "تحقیقات" کے مطابق اور استعماری طاقتوں کے مفادات کے موافق تھی۔ چنانچہ مستشرقین اور سامراج نے ان کے باطل افکار و نظریات کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے لیے جہاں بے تحاشہ دولت خرچ کی وہاں ذرائع ابلاغ کو بھی ان کے لیے وقف کر دیا۔ پاکستان میں ان "جدید دانشوروں" اور "سکالروں" میں سے ایک اہم شخصیت "جاوید احمد غامدی" کی ہے۔ جو باقاعدہ ایک فکری کے قائد ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق و تصنیف کے ذریعے ایک حلقے کو متاثر کیا ہے اور اور اسے آگے بڑھانے کے لیے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت بھی تیار کر دی ہے۔ جاوید احمد غامدی نے 1983ء میں "المورد" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تعارف میں لکھا گیا ہے:

"پندرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں یہ ادارہ اس احساس کی بناء پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ وارانہ تعصبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے...... مذہبی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن وسنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے...... المورد کے نام سے یہ ادارہ اسی صورتِ حال کی

اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔" (ماہنامہ اشراق لاہور جولائی 2006)

مذکورہ ادارے کے تحت جو اصلاح کا کام ہو رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جیوٹی وی پر حدود آرڈیننس پر شروع کرائی جانے والی بحث میں سب سے اہم اور بنیادی کردار اس ادارے کے بانی جاوید احمد غامدی کا ہے جو خیر سے وطن عزیز کے ایک اہم ادارے اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی ہیں۔ جناب غامدی کے تمام افکار و نظریات کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں البتہ بطورِ نمونہ چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔ نائن الیون کے بعد امریکہ کے افغانستان پر حملے کے بعد روزنامہ پاکستان کے نمایندے افضال ریحان نے اسی حوالے سے ان کا انٹرویو لیا، جس کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

سوال: کوئی فرد یا گروہ اپنی انفرادی حیثیت میں اگر جہاد کا اعلان کرتا ہے اور سلسلۂ جنگ شروع کر دیتا ہے تو کیا اسے جہاد قرار دیا جائے گا؟

جواب: یہ اقدام جہاد قرار نہیں پائے گا کیونکہ جہاد تو ہوتا ہی منظم حکومت کے تحت ہے۔ جس طرح کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ، قرآن میں چوری کی سزا کا حکم پڑھ کر چوروں کے ہاتھ کاٹنے شروع کر دے، اسی طرح اقتدار کے بغیر کسی فرد کو بندوق اٹھانے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔"

سوال: یہ جہادی کلچر جو ہمارے ہاں ترقی پا رہا ہے، اس کی اسلام میں کس حد تک گنجائش ہے؟

جواب: جس اسلام کو میں جانتا ہوں اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(بشکریہ: www.ghamidi.org)

جناب غامدی صاحب کی زیر سرپرستی ادارہ "المورد" کے ترجمان "ماہنامہ اشراق" میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے اور جن افکار و نظریات کی اشاعت کی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ درج اقتباس سے کیا جا سکتا ہے، مجلس ادارت کے رکن سید منظور الحسن "شذرات" میں لکھتے ہیں:

"حقوق کے تحفظ کے لیے ہم مسلمانوں کا لائحہ عمل مسلم جارحیت ہے۔ گذشتہ تین صدیوں سے ہم اسی پر کاربند ہیں۔ قوم کے مذہبی اور سیاسی پیشواؤں نے اسی کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور عوام الناس پوری دل جمعی سے اس پر عمل پیرا ہیں...... یہ لائحہ عمل اختیار کر کے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ اس کی تفصیل کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے موجودہ حالات میں دیکھی جا سکتی ہے، تین صدیوں کے حوالے سے ہماری یافت و نایافت کی فہرست بندی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے، وہ شکست و تنزل اور غربت و جہالت ہے اور جس سے محروم ہوئے ہیں وہ عظمت و رفعت اور علم و اخلاق ہے۔ مسلح جارحیت کے اس لائحہ عمل کو ہم ہمیشہ جہاد سے تعبیر کیا ہے اور اس طرح اپنے اقدامات کو شرعی عنوان دے کر دنیا کو پیغام دیا ہے کہ اسلامی شریعت جنگ و جدل کی علم بردار ہے...... حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس حالتِ زار کی سب سے بڑی وجہ لائحہ عمل کی غلطی ہے۔ افغانستان اور عراق کے پے در پے سانحوں کے بعد ممکن ہے کہ ہم اس غلطی کا ادراک کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ہمیں مسلح جارحیت کا لائحہ عمل ترک کر کے اخلاقی جارحیت کے نئے لائحہ عمل کو اختیار کرنا چاہیے۔ اس اعترافِ حقیقت کے بعد ہمیں مسلح جدوجہد کی بجائے غیر مسلح طور پر اخلاقی جدوجہد کا آغاز کرنا چاہیے۔"

(ماہنامہ اشراق لاہور جولائی 2006)

موجودہ حکومت کے اقدامات اور پالیسیوں کے پیش نظر جرأت و ہمت اور عزیمت کا راستہ اختیار کرنے اور اسلاف کی تاریخ دہرانے کی شدید ضرورت ہے اور یہ وقت ہم سے تقاضہ کرتا ہے کہ "مصلحتوں" کو ایک طرف رکھ کر دین اسلام کی حفاظت کے لیے ایثار و قربانی کو اپنائیں کیونکہ آج نہ صرف اسلامی تعلیمات کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت کے مراکز یعنی مساجد و مدارس خطرے میں ہیں بلکہ دین اسلام پر حملے کیے جا رہے ہیں جن کا دفاع ہمارا فریضہ ہے۔ اگر آج ہم نے اس فریضے کی ادائیگی سے پہلو تہی اختیار کی اور اسلام

کے دفاع کے لیے اپنا کردار ادا نہ کیا تو پھر نہ تو مساجد و مدارس محفوظ رہیں گے اور نہ اسلامی تعلیمات وقوانین امریکہ ویورپ کے بے دام غلاموں کی دست برد سے بچ سکیں گے۔ نیز دینی جماعتوں اور علماء کرام کے لیے یہ بات بھی قابل غور وفکر ہے کہ آخر آج تک وطن عزیز میں مکمل اسلامی قوانین کا نفاذ کیوں ممکن نہیں ہوا؟ اس کے لیے جو جمہوری انتخابی راستہ اختیار کیا گیا اور آج تک اسی پر چل رہے ہیں کیا یہ منزل تک جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ساٹھ سال کے تجربات کے بعد اب ہمیں باطل مغربی جمہوری سیاست کے جھمیلوں سے نکل کر ایسا انقلابی راستہ اور میدان منتخب کرنا ہوگا، جو قرآن وسنت کے موافق اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہو اور جس پر چل کر اسلامی نظامِ کے قیام کی منزل تک رسائی ہو سکے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اگر آج ہم انہی اصولوں کی روشنی میں انقلابی جدوجہد کریں تو یقیناً ہمیں احیاءِ خلافت میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل کی منظوری اور صدر کے دستخط کرنے کے بعد اس کے باقاعدہ قانون بن جانے میں ہمارے لیے یہی سبق ہے جسے جلد سے جلد سمجھنے اور ماضی کی تلافی کرنے کا سامان کرتے ہوئے ہمیں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ اور اسلامی خلافت کے احیاء کے لیے بھرپور جدوجہد کرنا ہوگی۔ کب اب بھی ہم خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوں گے اور عالمی طاغوتی طاقتیں ہمارے مقتدر طبقے کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل اقدامات کرتے جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اب بھی احیاءِ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوئے تو مستقبل قریب میں اس سے زیادہ المناک ساحات کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہم کچھ بھی نہ کر پائیں گے کہیں افسوس کرتے، لعن طعن کرتے، مردہ باد کے نعرے لگاتے اور سڑکوں پر احتجاج کرتے رہ جائیں گے اور عین ممکن ہے کہ ہمیں اسی قدر محدود کر دیا جائے کہ زبانی احتجاج بھی نہ کر سکیں۔ اس لیے اب ہمیں ہر حال میں باطل نظام جمہوریت کو جڑ سے اکھاڑنے اور

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے تن من دھن کی قربانی دینا ہوگی اور اس کے لیے انقلابِ عظیم برپا کرنا پڑے گا لیکن کیا کیا جائے کہ ہمیں اس کی فرصت ہی نہیں۔

ہم اپنی بات کا اختتام حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (سابق امیر جمعیت علمائے ہند) کے ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران علماء کرام سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمائے:

''ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہیے کہ وہ باسی روٹی، سوکھی روٹی کھائیں، پیدل چل کر دین کے لیے مصیبت اٹھائیں۔ پاکستان کے علماء اس کے لیے تیار نہیں ہیں، آج تم دیوبند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیوبند نہیں، ان کے اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا...... سازشیں ہو رہی ہیں اور آپ کو فرصت نہیں، اے سی سے نکلنے کی، گرمی میں کہاں نکلیں گے آپ اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، چھپر کی ہو، کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، سمجھائیں جماعت کے بارے میں، ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، یہ اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑے جائیں گے، چھوٹ نہیں سکیں گے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، اسلام ہی مٹ جائے گا خدانخواستہ تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا؟ کس کو پڑھاؤ گے؟ اس لیے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لیے محنت کرو، قربانیاں دو۔''

چمن پرویزی کا دیدہ ور

مولانا محمد احمد حافظ

کہتے ہیں کہ انہیں اپنی ذہانت پر بڑا ناز ہے......وہ جدید و قدیم علوم کا سنگم ہیں......تبحرِ علمی میں ان کا کوئی ثانی نہیں......قرونِ اولیٰ میں ہوتے تو ابو حنیفہ، مالک یا احمد بن حنبل ہوتے......لیکن بعد زمانہ نے ان سے یہ اجتہادی منزلت اب بھی نہیں چھینی اور وہ خود کو مذکورہ اکابر امت سے بڑھ کر نہیں تو کم تر بھی نہیں سمجھتے......غیر معمولی ذہانت اور علمی شان کی بناء پر دین و شریعت کے ہر مسئلے پر بے باکانہ اظہار کرتے ہیں۔ چونکہ ایک عرصے تک پاکستان کے سرکاری افسران کے مرکزی تربیتی ادارے میں اسلامی موضوعات پر لیکچرز دیتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں بیورو کریسی کی ایلیٹ کلاس میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

ان کی فکری اٹھان میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی سے تعلق نے جہاں اہم کردار ادا کیا ہے، وہیں جناب امین احسن اصلاحی کی شاگردی نے بھی ماہرانہ تراش خراش سے کام لیا ہے ۔وہ علم کی جس اوجِ ثریا پر فائز ہیں وہاں سے انہیں اپنے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا......خود کو مجتہدِ مطلق لکھتے نہیں مگر انہیں اپنی اجتہادی شان کا بخوبی ادراک ہے......وہ پچھلے کئی برسوں سے اس کوشش میں ہیں کہ اپنے ادارے کے ذریعے ایسے مجتہدین کی ٹیم تیار کر جائیں جو آنے والے وقتوں میں ''ماڈریٹ اسلام'' کی ترویج و اشاعت میں کل پرزے کے طور پر کام کر سکیں۔ یہ ٹیم قرآن و سنت، سلف صالحین اور اجماعِ امت کی تمام تر روایات کو ایک طرف رکھتے ہوئے صرف اپنے ''استاذِ محترم'' کی فکر کی ترویج کرے......ان کے افکار کیا ہیں؟......ان کا پس منظر اور پیش منظر کیا ہے؟......شاید لوگ کم کم جانتے ہیں۔

ان کے خیال میں امت کے بڑے بڑے ائمہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور

امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے علم و فضل اور میرے رسوخ فی العلم میں کوئی فرق نہیں ...... جس طرح وہ مجتہد مطلق تھے اسی طرح میں بھی اور میرے شاگرد بھی مجتہد مطلق کے مقام پر فائز ہو سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مقام پر فائز ہونے کے لیے میرے یا میرے شاگردوں کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ...... جیسی ذہانت ان کے پاس تھی ویسی ہمارے پاس ہے اور جیسا علم انہیں حاصل تھا ویسا (بلکہ زیادہ) مجھے اور میرے شاگردوں کو حاصل ہے ...... چنانچہ انہیں اپنے علم کی بنیاد پر ان ائمہ کرام اور علمائے امت کی راہ روش سے ہٹ کر جدید دور کے جدید تقاضوں کے مطابق اجتہاد کرنے اور اس اجتہاد کو منوانے کا پورا حق حاصل ہے۔

ان کے ہاں قرآن مجید کی تشریح کے لیے احادیث کی کوئی خاص قانونی حیثیت نہیں بلکہ اصل مقام عقل کو حاصل ہے ...... یعنی جو چیز ''ریزن ایبل'' ہو، عقلِ عام اس کی اجازت دیتی ہو، وہی حق اور سچ ہے ...... عجیب بات یہ ہے کہ وہ وحی کی تشریح کے لیے سنت کو اس کا لازمی مقام نہیں دیتے اس لیے کہ ان کے خیال میں صحیح احادیث صرف بارہ ہیں لیکن سابقہ تحریف شدہ کتب کا حوالہ اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لیے ضرور دیتے ہیں۔ انہیں جس مسئلے میں قرآن سے یا حدیث سے اپنے موقف کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکے یا امت کا تعامل ان کے موقف کے خلاف ہو تو وہ بلا جھجک ''بائبل مقدس'' کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ چنانچہ موسیقی، آلاتِ موسیقی، مجسمہ سازی وغیرہ کے لیے وہ منسوخ شدہ آسمانی کتابوں سے دلیل لاتے ہیں ...... اپنے استاذ امین احسن اصلاحی کی طرح رجم کی سزا کے قائل نہیں۔ دجال کی آمد کا انہیں انکار ہے ...... عورت کی امامت کو درست سمجھتے ہیں، مرتد کی شرعی سزا کے قائل نہیں ...... ان کے خیال میں عورت عملی زندگی کے تمام شعبہ جات میں مرد کے شانہ بشانہ چل سکتی ہے ...... وہ محرم کے بغیر سفر کر سکتی ہے ...... نکاح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اصل چیز لڑکے لڑکی کا آپس میں ایجاب و قبول اور رضامندی ہے، والدین اور عزیزوں کی شرکت وغیرہ سب رسمی چیزیں ہیں ...... ان کے خیال میں گورنمنٹ جو ٹیکس

لیتی ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے......

وہ کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے عقل کی اصلاح کا اور عقل کی مدد سے ذاتی اصلاح کا...... دل کے نام سے ایسی کوئی قوت موجود نہیں جو عقل سے ماورئی ہو......اس لیے خانقاہیں بنانا، پیروں کی بیعت کرنا، اپنی اصلاح کے لیے خود کو کسی دوسرے کے سپرد کر دینا وغیرہ یہ سب وہمی چیزیں ہیں، جب عقل کی اصلاح ہو جائے گی تو ذاتی اصلاح خود بخود ہو جائے گی...... تزکیہ نفس کے ادارے کو جس نے اب تک امت مسلمہ کو روحانی غذا کھلائی اور اصلاحِ نفس اور تہذیب نفس کا کارنامہ انجام دیا، جہاں سے حضرت جنید بغدادی، حضرت حسن بصری، حضرت عبد القادر جیلانی، حضرت بہاؤ الدین زکریا، حضرت نظام الدین اولیاء، شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیات نے جنم لیا، کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جہاد کی جیسی وہ تشریح کرتے ہیں اس کے بعد امت کا صرف یہی کام رہ جاتا ہے کہ ہاتھ توڑ کے بیٹھ رہے اور مار کھایا کرے۔ ان کے خیال میں اصل جہاد یہ ہے کہ ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کی جائے...... مسلم ملکوں میں دینی تحریکوں کا وجود انہیں بری طرح کھٹکتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی نظام کو صالح ہاتھوں میں دینے اور سیاسی نظام کو تبدیل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں......ان کے ہاں استعمار ایک بے معنی چیز ہے اور کفر کے عالمی غلبے کے خلاف جدوجہد کی باتیں بھی فضول اور لا یعنی ہیں...... یہ دراصل سیاسی اسلام کے علمبرداروں کا واہمہ ہے۔

دنیا بھر میں جہاں بھی مسلمان غیر ملکی تسلط کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور سامراج کے خلاف جہاد کر رہے ہیں، ان کے نزدیک یہ جہاد غیر اسلامی اور لا یعنی ہے۔ ان کے خیال میں جہاد و قتال، امت مسلمہ کا انفرادی تشخص، سامراج کے خلاف جدوجہد یہ سب جذباتی نعرے ہیں...... مسلمانوں کو یہ جذباتی نعرے ترک کر کے عالمی برادری کے ساتھ خوش گوار تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ اس سلسلے میں وہ صبر و اعراض اور ذاتی

اصلاح کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

ان تمام تفردات کا پس منظر وہ مکتب فراہی یا اصلاحی ہے جس کے ماحول میں موصوف کی ذہنی اور عملی پرورش ہوئی ہے۔اس مکتبِ فکر کا خیال ہے کہ فقہاء نے اپنے دور میں جو فقہ تشکیل دی تھی اسے امت بارہ تیرہ سو سال سے اختیار کر کے قرآن سے بہت دور چلی گئی ہے۔قرآن جو ہر دور کے لیے ہے اس میں گہرے غور وخوض اور اس سے رہنمائی کا کام ایک عرصے سے معطل پڑا ہوا ہے۔مسلمانوں کے سارے طبقات ذہنی اعتبار سے عہدِ جدید میں رہنے کی بجائے بارہ تیرہ سو سال پہلے کے حالات میں رہ رہے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ پہلے والوں کے علمی پیرایوں اور روایتوں سے ہٹ کر قرآن مجید میں از سرِ نو غور وخوض کیا جائے اور عہدِ جدید کے معاشرتی، معاشی، عائلی اور تہذیبی مسائل میں شریعت کی از سرِ نو تدوین کی جائے۔

ان کے افکار کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جو اپنے جنرل پرویز صاحب، شوکت عزیز صاحب، جاوید اشرف قاضی صاحب اور بعض دیگر اکابرین سلطنت، امت کو ''ماڈریٹ اسلام'' کا رس گھول گھول کر پلاتے رہتے ہیں اس کی عملی ترتیب وتشکیل کیا ہوگی؟

سنا ہے کہ حدود آرڈیننس کے حوالے سے جب حکومت نے ان کی سفارشات تسلیم کرنے کی بجائے علماء امت کے اجماعی موقف کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تو انہوں نے عالم طیش میں اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دے ڈالا۔اس لیے کہ ان کا پندار علمی شدید طور سے مجروح ہوا اور انا کو ٹھیس پہنچی تھی...... لیکن جنرل پرویز صاحب نے ان کا استعفیٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ان کے دل مجروح پر تسلی وتشفی کا مرہم رکھ کر ان کی ''مجتہدانہ شان'' کو خوب تھپکی دی ہے...... کہ چمنِ پرویزی میں ایسے دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔

ذرا آپ بھی سوچیے......!

مولانا محمد احمد حافظ

قوانین حدود کے خلاف ابلاغی سطح پر اٹھایا گیا بگولا فی الحال بیٹھ گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ''ذرا سوچیے'' پروگرام سے فوری اور مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیے جا سکے ہیں۔ اس کا اندازہ روزنامہ جنگ میں دو خصوصی صفحات کی اشاعت (14 جون 2006ء) سے بھی ہوتا ہے۔ مزید خبر جو روزنامہ جسارت کراچی میں 14 جون 2006ء ہی کو چھپی ہے اس سے بھی بہت سی باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ روزنامہ جسارت کی خبر کے مطابق ''حدود آرڈیننس کے بارے میں ایک نجی ٹی وی چینل پر چلائے جانے والے پروگرام کو طے شدہ مقاصد سے ہٹا کر چلانے پر یو این ڈی پی نے فنڈز بند کرنے کی دھمکی دی ہے۔ یو این ڈی پی کو اعتراض ہے کہ حدود آرڈیننس کے حوالے سے صرف جزوی طور پر ہی کیوں (مذہبی) اسکالرز سے رائے لی گئی جبکہ اس کے نزدیک تو پورا آرڈیننس ہی متنازع ہے اور اسے ختم کرنے کے لیے رائے عامہ منظم کرنے کے لیے نجی ٹی وی چینل سے مدد لی گئی تھی مگر یہ مقصد بھی پورا نہیں ہو سکا۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ اس چینل پر حدود آرڈیننس کے بعد توہین رسالت قانون کے بارے میں بھی بحث کرائے جانے کا امکان ہے۔''

یہ خبر واضح طور پر بتا رہی ہے کہ سیکولر طبقے اور اس کے پروردگان کو ابلاغی مہم کے حوالے سے خاصی مایوس کن صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مگر صاحب یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ ایک نئے رخ سے قوانین حدود کے خلاف محاذ شروع کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ روزنامہ پاکستان کی خبر ہے کہ ''حدود آرڈیننس کی متعدد دفعات کو شریعت پٹیشن کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا گیا ہے۔ شریعت پٹیشن ایڈووکیٹ ڈاکٹر اسلم خاکی نے دائر کی۔ درخواست میں صدرِ مملکت اور قومی اسمبلی کو فریق بنایا گیا اور عدالت سے استدعا کی گئی ہے کہ فریقین کو

حدود آرڈیننس میں مناسب ترامیم کے لیے ہدایات جاری کی جائیں۔ درخواست گزار کا موقف ہے کہ حدود آرڈیننس میں جرم زنا کی دفعات 2ڈی، 8، 10 تا 16 اسلام کے خلاف ہیں۔ حدود آرڈیننس میں صرف حدود کو ہی ہونا چاہیے۔ درخواست میں رجم کو بھی متنازع قرار دیتے ہوئے چیلنج کیا گیا ہے۔ (پاکستان کراچی: 16 جون 2006ء)

ان دونوں خبروں سے این جی اوز، سیکولر طبقے اور روشن خیال مذہبی اسکالروں کے تیوروں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ محض کسی ایک فورم یا چینل پر رہتے ہوئے حدود قوانین کے خلاف مہم پر اکتفاء نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہمہ پہلو یلغار ان کا مقصود ہے۔ پہلی خبر میں ایک اور بات جو دینی حلقوں کے لیے قابل غور وفکر ہے وہ ہے قانون توہین رسالت پر بحث کرائے جانے کا امکان۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں اس لیے کہ وحید الدین خانی اور غامدی حلقے کے دانشور اور اسکالرز توہین رسالت کو ایسا جرم قرار نہیں دیتے جو واقعی قابل گردن زنی ہو یا مسلمانانِ عالم خواہ مخواہ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر طیش میں آیا کریں۔ اس حلقے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو توہین اور تنقید میں فرق کرنا چاہیے۔ تنقید برداشت کی جاسکتی ہے توہین نہیں۔ مغربی مفکرین کی طرف سے ذات رسالت مآب کے بارے میں جو آراء سامنے آتی ہیں وہ توہین پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ محض ایک "تنقید" ہوتی ہے اور تنقید تو بہت اچھی چیز ہے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال آج کے کالم کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ قارئین کرام کے سامنے دو اہم خبریں آجائیں تاکہ انہیں حالات وواقعات کا صغریٰ کبریٰ ملا کر نتیجہ خیز بات اخذ کرنے میں آسانی ہو، اس کے علاوہ دو تین باتیں مزید عرض کرنی ہیں جن کا عنوان ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ آج ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اسلامی قوانین کا مستقبل کیا ہے؟ ایک طرف لا دین سیکولر طبقہ ہے جو آئین پاکستان میں موجود تمام اسلامی شقوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔ دوسری طرف اسلام پسند ہیں جو اس بات کے متمنی ہیں کہ آئین میں اسلامی شقیں جیسی کیسی بھی ہیں

موجود ہیں۔ یہ پاکستان کی اکثریت کے دل کی آواز ہے لیکن ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ آئین میں اسلامی شقوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم وہ ثمرات حاصل کر پائے ہیں جو اسلامی نظام مملکت کا خاصہ ہیں؟

قیامِ پاکستان کے بعد ایک عرصے تک محض ایک قرار دادِ مقاصد پاس ہو سکی جسے اسلامائزیشن کے عمل کا سرنامہ قرار دیا گیا۔ پھر ایک لمبے عرصے تک اقتدار کے ایوان اس سلسلے میں خاموش رہے۔ جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو وقت کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اسلامائزیشن کا ڈھیلا ڈھالا عمل شروع ہوا۔ حدود آرڈیننس، نظام زکوٰۃ وعشر، امتناع قادیانیت آرڈیننس وغیرہ یہ سب چیزیں آئیں۔ بعد میں توہین رسالت کا قانون بھی بنا، لیکن سردست جو حقائق ہیں وہ یہ ہیں کہ نہ تو زنا و شراب نوشی، فحاشی وعریانی میں کمی ہوئی اور نہ ہی زکوٰۃ صحیح طریقے سے مستحقین تک پہنچی، اسی طرح قادیانیت بھی امتناع قادیانیت آرڈیننس کے باوجود خوب پھلتی پھولتی رہی۔ اس حوالے سے ہماری مذہبی تحریکوں اور بہت سے نامور اہل علم کی توانائیاں اس بات پر صرف ہوتی رہیں کہ آئین پاکستان میں اولاً اسلامائزیشن کی جائے ثانیاً اسلامائزیشن کے عمل سے گزرنے والے قوانین کا تحفظ ممکن بنایا جاسکے لیکن معاشرہ عملاً ان قوانین کے ثمرات سے محروم رہا۔ سوچنے کی بات ہے کہ رائج الوقت نظام جمہوریت ہے جو کفر وشرک کا ملغوبہ ہے۔ ہماری تگ ودو یہ ہے کہ کچھ اسلامی قوانین کی پیوند کاری کر کے جمہوری نظام کا حصہ بنا دیا جائے اور پھر انہی ثمرات کا انتظار کیا جائے جو اسلامی قوانین کا خاصہ ہیں۔ یہ طفلانہ خواہش تو کہلائی جا سکتی ہے، عقل وخرد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بھلا سوچئے کہ آپ گلاب کا پھول ٹہنی سمیت توڑ کر گندے جوہڑ میں لگا دیں تو وہ کیونکر اپنی بہار دکھا سکے گا؟ جمہوری نظام کی مثال گندے جوہڑ سے بھی بدتر ہے اور آج ہم اس کی خطرناکیوں کا واضح مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اسلامی قوانین محض قوانین رہتے ہوئے، معاشرتی تبدیلی کا پیش خیمہ نہیں ہو سکتے بلکہ

ان کے لیے ہمہ جہت ساز گار ماحول چاہیے۔ ساز گار ماحول یہ ہے کہ عدلیہ سے لے کر انتظامیہ تک اور عوام سے لے کر اقتدار تک سب ایک بندھن میں بندھے ہوئے ہوں۔ خلافت کا احیاء ہو۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں، بدی کی سرکش قوتیں پامال ہوں اور عامۃ الناس کی خیر وفلاح کے لیے مدارس اور خانقاہی نظام موجود ہو۔ جب اسلامی ادارے یوں متحرک ہوں گے تو اسلامی قوانین اپنی بہار دکھا سکیں گے۔ ورنہ جمہوری سیٹ اپ میں تو ایک حکمران اگر اسلامائزیشن عمل میں لائے گا تو دوسرا طالع آزما آ کر نہ صرف اس عمل کو روکے گا بلکہ کیے کرائے کو بھی ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سارے عمل کے دوران ہماری مذہبی تحریکیں محض قرار دادیں پاس اور احتجاج کرتی رہ جائیں گی۔ آخر پچھلے اٹھاون انسٹھ سال کے تجربے کے بعد بھی ہم اس بے فائدہ مشق سے سبق حاصل کرنے کے لیے کیوں تیار نہیں اور اپنی دینی جدو جہد کو ہمہ گیر انقلاب کے اصولوں پر استوار کیوں نہیں کر رہے؟...... ذرا آپ بھی سوچیے......!!

تحفظ حقوق نسواں کے علمبرداروں کی حقیقت

پروفیسر قاری ضیاء الرحمٰن کشمیری

11 جون 2006ء کو امریکی ایوان نمائندگان نے پاکستان کے لیے منظور شدہ امدادی رقم میں 35 کروڑ ڈالر کی کمی کردی تھی، اس حوالے سے ایوان نمائندگان نے 34 کے مقابلے میں 373 ووٹوں کی بھاری اکثریت سے قرارداد بھی منظور کرلی ہے۔ امریکا کی طرف سے امداد میں کی گئی اس کمی کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال تسلی بخش نہیں۔'' اس ضمن میں خواتین کے حقوق کی پامالی کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ''پاکستان میں جمہوریت اور قانون کی حکمرانی نہیں ہے، لہٰذا جب تک یہاں انسانی حقوق بالخصوص خواتین کے حقوق کو تحفظ حاصل نہیں ہوتا اور ''خالص'' جمہوریت کے ساتھ ساتھ یہاں قانون کی حکمرانی نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس مد میں طے شدہ سالانہ امدادی رقم میں کٹوتی ہوتی رہے گی۔''

امدادی رقم میں ہونے والی اس کٹوتی اور اس کے حق یا مخالفت میں ہونے والی امریکی ایوان نمائندگان کی رائے شماری کا ہمارے مقتدر اصحاب کو قبل از وقت علم ہو گیا تھا اور انہیں یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ امداد میں کٹوتی کی بڑی وجہ نہ تو جمہوریت ہے اور نہ ہی قانون کی حکمرانی کا ڈھکوسلا بلکہ اصل وجہ اور مسئلہ انسانی حقوق کی آڑ میں خواتین کو شرعی واخلاقی حدود وقیود سے ''آزاد'' کرا کر اس راہ پر چلانا ہے جس پر چل کر آج مغربی عورت اپنا تقدس اور نسوانیت دونوں سے محروم ہو چکی ہے۔

امداد میں کٹوتی کی قبل از وقت معلومات اور اس کی اصل توجیہہ سے آگاہ ہوتے ہی ہمارے ''مقتدر'' حضرات کے قلوب واذہان میں ''عورت کی آزادی'' کا سودا سما گیا اور

انہوں نے امداد میں ہونے والی متوقع کٹوتی سے بچنے اور اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بہت عجلت میں پس پردہ رہ کر ایک ڈرامہ اسٹیج کیا، جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ ''حدود آرڈیننس'' چونکہ خواتین کی ''آزادی'' میں ایک بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا اسے ختم کردیا جائے۔ اس ''ڈرامہ'' کی اس قدر وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی کہ یوں محسوس ہونے لگا گویا ''حدود آرڈیننس'' کو ختم کروانا اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا اور اہم ترین مسئلہ ہے۔ ایک خالص علمی مسئلے اور بحث کو اس قدر عامیانہ انداز میں تحریر و بیان کیا جانے لگا کہ اس سرکاری ڈرامہ کو اسٹیج کرنے والے ''جاہلوں'' کی دست برد سے نہ قرآن محفوظ رہا اور نہ ہی حدیث۔ آیات کی ایسی ایسی تفاسیر اور احادیث کی ایسی ایسی تشریحات سننے اور پڑھنے کو ملیں کہ الامان الحفیظ۔ امریکی ایوان نمائندگان میں 34 کے مقابلے میں 373 ارکان کی بھاری اکثریت نے انسانی حقوق بالخصوص مغرب کے طے کردہ خواتین کے حقوق کے عدم تحفظ کی وجہ سے امداد کی کٹوتی کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ یہ ووٹ جہاں امداد میں کٹوتی کے حق میں تھا وہیں بظاہر پاکستانی خواتین کی حمایت و حق میں بھی تھا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب امریکا ہماری خواتین کے حقوق کی بات کرتا ہے تو اس میں غلط کیا ہے؟ اس کے جواب میں یہ سوال قائم کیا جاسکتا ہے کہ کیا امریکا اپنی خواتین کے حقوق پورے کرچکا ہے؟ وہ ملک ہماری خواتین کا خیر خواہ کیسے ہوسکتا ہے، جس کی 3 کروڑ 37 لاکھ خواتین بے راہ روی کی بدولت ایڈز جیسے موذی مرض کا شکار ہوچکی ہوں اور دھیرے دھیرے دردناک موت کے اندھیروں کی طرف بڑھ رہی ہوں۔ اس ملک کو ہماری خواتین کی فکر کرنے کا کیا حق ہے جس کی 8 کروڑ کنواری ماؤں کی گود میں موجود بچوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ان کی ولدیت میں کس کا نام آتا ہے؟ ہم اس ملک کو اپنی خواتین کے حقوق کا نگہبان کیسے مان سکتے ہیں جس کی 53 ریاستوں میں روزانہ اوسطاً 5 سے 6 ہزار ریپ کیس رجسٹر ہوتے ہیں؟ جس ملک کے صدر کی دست برد سے وہاں کی خواتین کی عزت

وآبرو محفوظ نہ ہو وہ کس طرح ہماری خواتین کی عزت وآبرو کا محافظ ہو سکتا ہے؟ جس معاشرے میں 3 کروڑ عورتیں نائٹ کلبوں، ہوٹلوں، باروں، قحبہ خانوں اور ریستورانوں میں غیر مردوں کی ہر طرح کی ''خدمت'' پر مامور ہوں وہ معاشرہ ہماری عفت مآب خواتین کو کون سے حقوق کا تحفظ مہیا کرنے کا خواہاں ہے؟

جس معاشرے میں 1 کروڑ 9 لاکھ معمر خواتین اولڈ ہومز میں پڑی اپنی اولاد کی راہیں دیکھنے پر مجبور ہوں لیکن اولاد ہو کہ صرف سال میں ایک مرتبہ ''مدرز ڈے'' کے موقع پر طوعاً و کرہاً فقط چند گھنٹوں کے لیے آتی ہو اور پھر God Bless you Mom کا کھوکھلا سا رسمی جملہ کہہ کر اپنی ماں کے آنسوؤں سے تر گالوں پر جذبات سے عاری بوسہ دے کر ایک بار پھر سال بھر کے لیے ''غائب'' ہو جاتی ہو، وہ معاشرہ ہمارے ہاں کی معمر خواتین کو کون سے حقوق دلوانے کا خواہش مند ہے؟ جس ملک کی فورسز کے ہاتھوں صرف گزشتہ ایک برس کے دوران دنیا کے مختلف خطوں بالخصوص مقبوضہ مسلم علاقوں افغانستان، عراق اور فلسطین وغیرہ میں 6 ہزار خواتین شہید اور 15 ہزار سے زائد ان کے ظلم و تشدد کا شکار ہو چکی ہوں وہ کیونکر ہماری خواتین کے حقوق کے لیے مرا جا رہا ہے اور ہمارا حکمران طبقہ کیوں اس کے دعویٰ ''تحفظِ حقوقِ نسواں'' پر آنکھیں بند کیے یقین کیے جا رہا ہے؟ یہ تو اس معاشرے اور ملک میں موجود خواتین کی حالت زار کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، ورنہ یہ دردناک داستان اس قدر طویل ہے کہ اس کے لیے الگ سے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

امریکا کے بہکاوے میں آئے ہوئے سادہ لوح مسلمانوں بالخصوص خواتین کی آنکھیں کھولنے کے لیے دو ماہ قبل پاکستان کے نجی دورے پر آئی ہوئی امریکی ریاست ٹیکساس کی رہائشی خاتون ''جولیانا رابرٹ'' کا یہ بیان انتہائی اہم ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ''پاکستانی معاشرے میں بیوی خاوند کے مابین جو ذمہ داریاں تقسیم ہیں، جن میں خواتین کو گھر سنبھالنے کا پابند بنایا گیا ہے اور خاوند کو اخراجات پورے کرنے کا۔ یہ ہم امریکی عورتوں

کا ایک سہانا خواب ہے۔" وہ مزید کہتی ہیں کہ "پاکستان میں جس خاندانی نظام میں یہاں کی عورتیں رہ رہی ہیں، ایسے پاکیزہ اور مقدس بندھن کا ہم امریکی عورتیں تصور تک نہیں کر سکتیں۔" اب جولیانا رابرٹ کی ایک آخری اور عبرت آموز بات بھی پڑھ لیں، وہ کہتی ہیں "میری ماں، ساس، دادی اور نانی چاروں فوت ہو چکی ہیں اور ان چاروں کی اموات اولڈ ہومز کی چار دیواری کے اندر اس افسوسناک حالت میں واقع ہوئی تھیں کہ ان کی میت پر آنسو بہانے والا کوئی ایک بھی "اپنا" موجود نہ تھا۔"

یہ اس ملک کی ایک خاتون کی باتیں ہیں، جس کے حکمران اور دانشور طبقہ ہمیں خواتین کے حقوق کا درس دے رہا ہے اور اس غم میں ہمیں خطیر امدادی رقمیں فراہم کر رہا ہے اور ہمارے اربابِ اقتدار ہیں کہ غیرت و حیا کو ایک طرف رکھ کر اپنی خواتین کو بھی امریکی معاشرے کی طرح "بے آبرو" کرنے کے لیے ان سے بڑی بڑی رقمیں بٹور رہے ہیں۔ کشکول توڑنے کے دعویداروں سے عرض ہے کہ کشکول کی بجائے جھولی پھیلا کر دیگر عنوانات سے بھلے رقمیں بٹورتے رہیں کیونکہ آپ اس سے باز تو آ نہیں سکتے لیکن خدارا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عائد کردہ شرعی و اخلاقی حدود و قیود کے خلاف کام کرنے کے صلے میں ملنے والی رقم لینے سے تو گریز یں...... کیا کریں گے بینکوں میں پڑے ہوئے اربوں ڈالرز کا...... اللہ کے دربار میں تو خالی ہاتھ ہی جانا ہے...... اور یوں بھی کفن کی تو کوئی جیب ہی نہیں ہوتی۔

تحفظ نسواں بل......اہداف ومقاصد

ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

حدود آرڈیننس اپنے اجراء کے روز اول ہی سے ان قوتوں کا ہدف بنا ہوا ہے، جو پاکستان کو لادینی یا ان کے الفاظ میں سیکولر ریاست کے طور پر دیکھنا چاہتی ہیں۔ حدود آرڈیننس کہنے کو تو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط اسلامی قوانین کا ایک بہت ہی مختصر سا حصہ ہیں، مگر ان کی اہمیت دو وجوہ سے بہت زیادہ ہے، ایک تو ان کا تعلق انسانی معاشرت کے ایک بہت اہم پہلو سے ہے، جس میں فساد کا در آنا پوری معاشرتی اساس کو ڈھا دینے کے مترادف ہے، دوسرے ان کی حیثیت علامتی بھی ہے، یہ اصل میں پاکستان میں قوانین کے اسلامیانے کے عمل کا آغاز تھا، یہ آغاز ایک ایسی بنیاد بن سکتا تھا جس پر آگے چل کر اسلامی قوانین کی پوری بنیاد استوار ہو سکتی تھی، افسوس کہ ایسا تا حال ممکن نہ ہو سکا، مگر جیسے تیسے یہ بنیاد ابھی تک باقی تھی، اس لیے ایک عرصے سے یہ کوشش جاری تھی کہ اس اساس کو ڈھا دیا اور اس بنیاد کو گرا دیا جائے، حدود آرڈیننس کی مخالفت کا یہ اصل اور بنیادی سبب ہے۔

اس آرڈیننس کے مخالفین میں مختلف طبقے پیش پیش ہیں، الف: وہ مکمل سیکولر طبقہ جو پاکستان میں اسلام کو کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ب: بین الاقوامی امداد پر گزر اوقات کرنے والی این جی اوز، جن کے لیے یہ ایشو سونے کی کان ہے۔ ج: خواتین کا طبقۂ اشرافیہ، جسے حقوق نسواں کے دل فریب نعروں سے غرض ہے، قطع نظر اس کے کہ خود ان کے حق میں اس کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ د: وہ طبقہ جو ان تینوں طبقات کے پروپیگنڈے اور میڈیا یلغار سے متاثر ہو کر حدود آرڈیننس کو درحقیقت ایک ظالمانہ قانون تصور کرنے لگا ہے۔

یہ چوتھا طبقہ ہمارا اصل مخاطب ہے، یہی اکثریت میں ہے، یہی ''رائے عامہ'' ہے، اسی پر پاکستان کی بقاء وسالمیت کا دارومدار ہے، یہ طبقہ نہ سیکولر ہے، نہ لادین ہے، نہ اسلامی قوانین

کے خلاف ہے۔ یہ اسلام کو ماننا اور اسلامی قوانین کی طلب رکھتا ہے، مگر لاعلم ہے، اور اس کی لاعلمی سے ان قوتوں کو غذا مل رہی ہے جو دراصل اس ساری مہم کی محرک ہیں، ان سطور سے مقصود یہ ہے کہ اس طبقے کو اصل حقیقت سے روشناس کرایا جائے اور اس کے سامنے صحیح صورت حال پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دی جائے۔ حدود آرڈیننس کی مخالفت میں جن حضرات نے اب تک قلم اٹھایا ہے، وہ دو طرح کے ہیں:

ا۔ جو خلوص نیت سے حدود آرڈیننس میں اصلاح کے خواہش مند ہیں مگر اس کا عملاً برقرار رکھنا چاہتے ہیں، ایسے حضرات بہت کم ہیں اور ان کی تجاویز محض چند دفعات سے تعلق رکھتی ہیں جن کے ماننے سے دینی قوتوں اور علمی حلقوں نے کبھی انکار نہیں کیا، ان میں جید علماء، محققین اور اہل علم کی ایک جماعت شامل ہے۔

۲۔ وہ حضرات جو سیکولر طرز حکمرانی کے دلدادہ اور انگریزی قوانین کے دورِ جاہلیت کو واپس لانے کے خواہاں ہیں، تاکہ ان کی نفس پرستی کی راہ میں کوئی حائل نہ ہو سکے اور طبقۂ اشرافیہ عامۃ الناس کے سروں پر راج کرتے ہوئے اپنی من مانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر کر سکے، یہ درحقیقت حدود آرڈیننس ہی نہیں بلکہ کسی بھی قانون کو پاکستان میں نافذ صورت میں برداشت نہیں کر سکتے، لیکن طبعی کمزوریوں کے سبب اس کے خلاف کھل کر کہہ بھی نہیں سکتے، اس لیے انہوں نے ہمیشہ پروپیگنڈے کی آڑ لی ہے، اس مسئلے میں بھی ان کی حکمت عملی یہی رہی ہے وہ کہنا تو یہ چاہتے ہیں کہ حدود آرڈیننس ختم کیا جائے، کیوں کہ یہ اسلامی نظام کا ناگزیر حصہ ہے، مگر وہ کہتے یہ ہیں کہ اس قانون کو اس لیے ختم کیا جائے کہ یہ خواتین کے خلاف ہے اور غیر منصفانہ ہے، لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جو تجاویز پیش کر رہے ہیں اور جنہیں حکومتِ وقت کی مکمل سرپرستی حاصل ہے، ان کے نتیجے میں تشکیل پانے والا قانون موجودہ قانون سے کہیں زیادہ خواتین کے لیے غیر منصفانہ، ظالمانہ ثابت ہوگا۔

اس تناظر میں ڈاکٹر محمد امین کی یہ رائے مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ حدود آرڈیننس نہ

پہلے کوئی ایشو تھا، نہ اب ہے، اگر ملک میں امن وامان کی حالت دگرگوں ہے یا خواتین کو مسائل درپیش ہیں تو اس کے متعدد اسباب ہیں مثلاً پولیس کا رویہ، غیر مؤثر نظام انصاف، انتہائی غربت، مجرموں کو بروقت سزا نہ ملنا، کمزور معاشرتی ڈھانچہ وغیرہ۔ اگر اس ناقص قانونی ڈھانچے کا بھی کوئی کردار ہے تو پھر بھی اس میں سے حدود قوانین کو کاٹ چھانٹ کر الگ کرنے اور نشانہ بنانے کی ضرورت نہ تھی، چلئے بفرض محال اگر حدود قوانین میں کوئی خامی تھی تو پھر بھی اسے اتنا بڑا ایشو بنانے کی ضرورت نہ تھی، حکومت اگر چاہتی تو پہلے سنجیدہ اور معتدل علمائے کرام کو اکٹھا کرتی اور انہیں اعتماد میں لیتی پھر پرسکون ماحول میں مخالف سیاسی علماء سے بھی بات منوا لینا اس کے لیے مشکل نہ ہوتا، سارے علمائے کرام اس بات کو سمجھتے ہیں کہ حدود اللہ کے نفاذ کے لیے جو قانونی ڈھانچہ بنایا گیا ہے، وہ انسانی کاوش ہے اور اس میں تجربے اور مشکلات کی بنا پر کمی بیش ہو سکتی ہے۔ غرض یہ کہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا اور حدود آرڈیننس کو ایشو بنا کر میڈیا کے ذریعے اس کے خلاف مہم چلائی گئی۔ بظاہر اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اصل مسئلہ خواتین کے حقوق کا یا امن وامان کا نہیں بلکہ کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ مغرب نہیں چاہتا کہ کسی مسلم معاشرے میں اسلامی قوانین نافذ ہوں، خصوصاً وہ قوانین جو مغربی طرز زندگی سے متصادم ہیں، یہ ایک کھلا راز ہے کہ مغرب پہلے دن ہی سے پاکستان میں نفاذ شریعت اور قوانین اسلام کے نفاذ کی مخالفت کرتا رہا ہے، ان میں سے سرفہرست یہ ہے کہ وہ مسلم ممالک پر ایسے حکمران مسلط کرتا ہے جو اس کی حمایت سے برسراقتدار آتے ہیں اور اس کی سیاسی، مالی، تعلیمی، تہذیبی حمایت سے اس کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کا کام کرتے ہیں، ان میں این جی اوز سے لے کر میڈیا اور مولوی نما چند اسکالرز وغیرہ سب شامل ہیں۔ چنانچہ پہلے مغرب کے فن کاروں نے اپنے حمایت یافتہ میڈیا اور چند مسلم اسکالرز سے حدود آرڈیننس کے خلاف ایک بھرپور مہم چلوائی، اس قانون میں موجود اور غیر موجود خامیوں کو نمایاں کیا، اسے خلاف عقل قرار دیا، اسے ظالمانہ ثابت کیا اور

پھر ایک مخصوص فضا قائم کرنے کے بعد حکومت پاکستان کو اشارہ کیا کہ حدود قوانین ختم کردیئے جائیں یا مزید غیر موثر بنادیئے جائیں۔ سوال یہ ہے کہ جو ٹی وی چینل ایک ایک سیکنڈ کی قیمت وصول کرتے ہیں، وہ گھنٹوں حدود آرڈیننس کے خلاف وقف کرتے رہے اور جو اخبار اپنا ایک ایک انچ فروخت کرتے ہیں، وہ صفحات کے صفحات اس کے لیے مختص کرتے رہے اور بعض بظاہر دینی اسکالرز اور ان کے ادارے ہمہ وقت اس سارے تماشے کو منظم کرنے میں لگے رہے، آخر کیوں؟ لوگ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ان اداروں نے اپنے وقت اور محنت کی قیمت کس سے وصول کی اور کتنی وصول کی۔ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت، نومبر 2006ء)

اسلامی معاشرت کی بنیاد خاندان پر ہے اور خاندان کو اساس عورت فراہم کرتی ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ایک عورت کے حسنِ انتظام سے ایک گھر خاندان کا روپ اختیار کرلیتا ہے اور کسی ایک خاتون کی نادانی کے نتیجے میں پورا خاندان تاراج ہوجاتا ہے۔ عورت کا اپنے دائرے میں سرگرم رہنا نہایت ضروری ہے، اگر وہ سرے سے سرگرم ہی نہ ہے یا اس کی سرگرمی کا دائرہ گھر کے اندر کی بجائے باہر قرار پاجائے تو معاشرت کا کوئی پہلو خیر سے وابستہ نہیں رہ سکتا۔ یہ حقیقت مغرب کی سڑکوں، گلیوں، چوراہوں اور نائٹ کلبوں میں بہ آسانی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس لیے عورت کو اس کے دین، معاشرے اور ماحول سے الگ کرکے ایک گلوبل عورت تراشنا ایک ایسی سنگین غلطی ہے جو گلوبل کلچر کی تراش خراش سے بھی زیادہ تباہی لا سکتی ہے، عورت کو نشانہ بنا کر نہ صرف خاندان ختم کیا جاسکتا ہے بلکہ پورا کلچر، معاشرہ اور قوم تباہ کی جاسکتی ہے، اس لیے عورت کے لیے زیادہ باخبر رویوں کو متعارف کرانا ضروری ہے، خاندان کو بچانے میں عورت کا کردار ناگزیر ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ خاندان میں سے عورت اٹھ جائے، فوت ہوجائے تو خاندان منتشر ہوجاتا ہے جب کہ مرد انتقال کرجائے تو ماں اولاد کو سنبھال لیتی ہے، خاندان بچالیتی ہے۔ قدرت نے یہ صلاحیت عورت ہی کو ودیعت کی ہے کہ وہ سب کو جوڑ کے رکھ سکتی

ہے، مرد میں اس قدر قوت برداشت ہی نہیں ہے کہ وہ خانگی دباؤ کو برداشت کر کے خاندان کو بچا سکے، مغرب اور امریکا کے خاندان بکھرنے کی بنیادی وجہ عورت کے بکھرنے میں مضمر ہے، وہ جس ساتھی، جس تنہائی کے تریاق کو اختیار کرتی ہے وہی مرد اس کے گھر کے بکھر جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ (بحوالہ: ماہنامہ آئین، حدود قوانین نمبر: ص 104)

یہ ہے عورت کو ہدف بنانے کا اصل سبب، حدود آرڈیننس کو عملاً عضو معطل بنانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ عورت کی عزت اور ناموس کو خطرے میں ڈال کر پوری اسلامی معاشرت کو معرضِ خطر میں ڈال دیا جائے تاکہ ستر سے اسی فیصد اسلام ویسے ہی مسلمانوں کی زندگیوں سے خارج ہو جائے۔

صرف حدود آرڈیننس نہیں انسان کا بنایا ہوا ہر قانون قابلِ اصلاح ہے اور انسان کو اس پر نظر ثانی کے لیے ہر لمحے آمادہ رہنا چاہیے مگر ہر چیز کا ایک دائرہ، ہر فن کے ماہرین، ہر کام کے لیے ایک ادارہ اور ہر بحث کے لیے ایک فورم ہوتا ہے، ان میں سے کسی بھی بات کی رعایت نہ رکھنا پیچیدگیوں کو جنم دے سکتا ہے۔ اسلامی قوانین پر اس گفتگو کے مجاز صرف دو طبقے ہیں۔ ماہرینِ قانون، ان کے تکنیکی پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے اور اہل علم جو اس کے دینی، علمی اور اسلامی پہلوؤں پر روشنی ڈال سکیں۔

ان قوانین پر غور کرنے کے لیے پرنٹ الیکٹرونک میڈیا کو کسی بھی اعتبار سے درست فورم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیوں کہ اس پر ہونے والی گفتگو اس قدر کھلی اور عجلت پسند فضا میں ہوتی ہے کہ کسی نتیجے پر پہنچنا سامعین کے لیے عام طور پر ممکن نہیں ہوتا اور اگر انہیں پروپیگنڈے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہو تو پھر سوائے انتشار کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

حدود آرڈیننس کے حوالے سے اور تحفظ نسواں بل کے تناظر میں میڈیا کے ذریعے چلائی جانے والی مہم کو ان تفصیلات کے روشنی میں اگر دیکھا جائے تو صورت حال ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ اصل مقاصد کیا تھے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی غیر نظریاتی بیداری

پروفیسر خورشید احمد

مشہور مقولہ ہے: ''خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما در آں باشد'' (کبھی شر سے بھی خیر رونما ہوتا ہے)......ایسا ہی ایک خیر حدود آرڈیننس میں ''تحفظ نسواں'' کے نام پر ترمیمی بل کے سلسلے کی بحث اور پارلیمانی پارٹیوں کے قائدین کی تحریک پر ایک علماء کمیٹی کے قیام کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ اس ضمن میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فاضل رکن (جاوید احمد غامدی) نے استعفا دے دیا اور پھر خبر آئی کہ کونسل کے صدر، جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کر کے پوری کونسل کی طرف سے اجتماعی استعفے کا اقدام کرنے والے ہیں۔ مستعفی ہونے والے رکن نے اپنے استعفے کے خط میں لکھا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل ایک دستوری ادارہ ہے اور اسے نظر انداز کر کے بالا ہی بالا ایک علماء کمیٹی کے قیام اور اس کے مشورے سے کونسل کا استحقاق مجروح ہوا ہے اور اس طرح گویا اس کی بے توقیری کا پیغام دیا گیا ہے۔ تقریباً یہی موقف کونسل کے صدر اور باقی ارکان کا سامنے آ رہا ہے اور ملک کے انگریزی کے سیکولر اور لبرل پریس نے اس کو خوب خوب اچھالا ہے اور کونسل کو بانس پر چڑھا کر اس کے اس اقدام کو حدود آرڈیننس کے خلاف کام کرنے والی سیکولر اور غیر ملکی این جی اوز کی لابی کی مہم میں کامیابی کے چند پروں کے اضافے کا رنگ دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں غور و فکر کی چند ضروری نکات پر گفتگو کی جائے۔

نظریاتی کونسل کے جن ارکان نے اس موقع پر اپنی غیرت ایمانی اور ذاتی اور علمی عزو شرف پر ہونے والی دراندازی پر جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ اس پہلو سے تو بڑے قیمتی ہیں کہ اس دستوری ادارے کو شاید اپنی تاریخ میں پہلی بار اپنے مقام، کردار اور استحقاق کا احساس ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت اس کی آواز جن دوسری آوازوں میں مل گئی ہے وہ

اسلامی قوانین کے خلاف مہم چلانے والے سیکولر اور عالمی استعماری گروہ (Lobbies) ہیں۔ اگر اس سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو اسے قابل قدر ہی کہا جائے گا کہ اس ادارے اور اس کے ارکان کو اب یہ ہوش تو آیا کہ ان کا دستور اور قانون سازی کے نظام میں بھی ایک کردار ہے اور اگر ان کے اس کردار پر کوئی حرف آتا ہے تو اس پر احتجاج کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ایک دستوری ادارہ ہوتے ہوئے بھی عملاً ایک عضو معطل ہی کا مقام دے دیا گیا ہے یا اس نے یہ مقام اپنے لیے قبول کر لیا ہے۔ دستور کی دفعہ 228 کونسل کی تشکیل، دفعہ 229 صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلیوں کی طرف سے مشورہ کے لیے بھیجے جانے والے ریفرنس کے بارے میں ہیں اور دفعہ 230 میں اس کونسل کے وظائف اور ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔ کونسل کی رپورٹوں کا پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں پیش کیا جانا اور ان پر بحث ایک دستوری ذمہ داری ہے لیکن ہمارے علم کی حد تک، گو 1973ء کے دستور کے تحت قائم کیے جانے کے بعد سے اب تک کونسل 50 سے زیادہ رپورٹیں تیار کر چکی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی پارلیمنٹ میں بحث نہیں ہوئی اور نہ ان کی روشنی میں کوئی قانون سازی یا پالیسی سازی ہوئی ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ کونسل یا اس کے ارکان کو اس بے توقیری پر کبھی احتجاج کی توفیق نہیں ہوئی۔

اس عرصے میں پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں نے دسیوں ایسے قانون بنائے ہیں جن کا بلاواسطہ یا بالواسطہ شریعت کے احکام سے تعلق ہے۔ چند قوانین تو شریعت کے نام پر بنائے گئے ہیں، مثلاً نواز شریف صاحب کے پہلے دورِ حکومت میں منظور کیا جانے والا قانون نفاذِ شریعت، نیز ان کے دوسرے دورِ حکومت میں دستور کا پندرھواں ترمیمی بل جسے قومی اسمبلی نے منظور بھی کر لیا تھا مگر وہ سینٹ سے منظور نہیں ہو سکا اور اس میں شریعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر وزیر اعظم کے لیے غیر معمولی اختیارات حاصل کیے

گئے تھے۔ ہمیں یاد نہیں کہ ان دونوں اور دوسرے متعلقہ قوانین کے باب میں کونسل کی رگِ حمیت کبھی پھڑکی ہو اور اسے اپنا دستوری کردار یاد آیا ہو۔

دستور کی دفعہ 230(1-D) کی رو سے یہ کونسل کی ذمہ داری تھی کہ ملک کے تمام قوانین کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرے اور مزید قانون سازی کے لیے شریعت کے متعلقہ احکام وہدایات کو ایک جامع رپورٹ کی شکل میں پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں پیش کرے گی اور یہ کام اپنے قیام کے سات سال کے اندر اندر مکمل کرے گی۔ ہماری اطلاع کی حد تک تمام قوانین کے بارے میں جامع رپورٹ آج تک مرتب نہیں ہوئی ہے۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن کی صدارت کے دوران اس سلسلے میں کئی سو قوانین کے بارے میں شق وار تبصرہ تیار ہوا تھا، مگر یہ کام مکمل نہیں ہوا اور ملک کے 4 ہزار سے زیادہ انگریز کے زمانے میں نافذ ہونے والے اور گزشتہ 60 سال میں کتاب قانون کا حصہ بننے والے چند سو قوانین کا مکمل جائزہ اور شریعت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متعین ترامیم کی تیاری کا کام ہنوز کونسل کی توجہ کا منتظر ہے۔ اسلامی احکام کے مجموعے پر مرتب ایک رپورٹ، ضرور تیار کی گئی ہے لیکن آج تک اس پر بھی مرکزی یا صوبائی اسمبلی اور سینٹ میں کوئی بحث نہیں ہوئی۔ ہمیں علم نہیں کہ اس سلسلے میں کونسل نے کبھی حکومت کو اپنی دستوری ذمہ داریاں ادا کرنے پر متوجہ کرنے کی زحمت فرمائی ہو۔

دستور کی متعلقہ دفعات کے مطالعے سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اسلامی احکام کے بارے میں مشورہ حاصل کرنے کے پارلیمان کے حق کو اسلامی نظریاتی کونسل کے ساتھ محصور اور محدود کیا گیا ہے۔ بلاشبہ کونسل کے قیام کا مقصد ہی قوانین اور پالیسیوں کو اسلام سے ہم آہنگ کر کے اس سے استفادہ کرنا ہے لیکن ریفرنس کا اختیار صدر، گورنر، پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو حاصل ہے۔ کونسل کو (Suo Moto) کوئی اختیار حاصل نہیں، جیسا کہ سپریم کورٹ یا وفاقی شرعی عدالت کو حاصل ہے۔ اسی طرح کوئی قدغن پارلیمنٹ کے

اختیارات پر نہیں کہ وہ کونسل کے علاوہ کسی اور فرد، ادارے یا مشکل میں اپنی رہنمائی اور اعانت کے لیے کوئی اقدام نہیں کر سکتی۔ پارلیمنٹ کو تو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ کونسل کو کسی معاملے کو ریفر کرنے کے باوجود قانون سازی کر لے اور کونسل کی سفارشات پر بعد میں غور کرے (دفعہ 230(3))۔ ہمیں علم نہیں کہ دستور یا خود اس کے اپنے رولز آف بزنس کی کون سی دفعہ کے تحت کونسل کو یہ اختیار یا استحقاق حاصل ہے کہ پارلیمنٹ صدر، گورنر، پارلیمانی پارٹیوں کے قائدین کونسل کے علاوہ کسی اور سے نہ مشورہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اور مشاورتی نظام بنانے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اگر کونسل کے فاضل ارکان اس سلسلے میں دستور یا ضوابط کار کے متعلق اندراجات کی وضاحت کر دیتے تو معاملے کو سمجھنے میں سہولت ہوتی۔

ہم خود اسلامی نظریاتی کونسل کو با اختیار دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے کردار کو زیادہ موثر بنانے کے حق میں ہیں، لیکن کونسل کو بھی قوم کو یہ اعتماد دینا ہوگا کہ وہ شریعت کے احکام کی محافظ اور امین ہے اور محض بااثر گروہوں کے ایجنڈے کی شعوری یا غیر شعوری تکمیل کے راستے پر گامزن نہیں۔ سرحد اسمبلی میں حسبہ بل کے باب میں جو کردار اس کونسل نے ادا کیا وہ اس کی عزت کو بڑھانے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کونسل کے افضل ارکان کو علم ہوگا کہ حسبہ بل کا اصل مسودہ خود اسلامی نظریاتی کونسل نے 25-20 سال پہلے بنایا تھا۔ اسی مسودے کی روشنی میں صوبائی اسمبلی نے ایک بل تیار کیا۔ اسی پر سیکولر لابی آتش زیر پا تھی۔ اس بل پر جو تبصرہ کونسل نے کیا وہ نہ شریعت کے ساتھ انصاف تھا اور نہ کونسل کے حدود کار کے ساتھ۔ دستوری بقراطیت کا جو مظاہرہ اس میں کیا گیا اسے کونسل کے دائرہ کار سے متعلق قرار دینے کے لیے خاصی ذہنی عیاشی کی ضرورت ہے۔

موجودہ کونسل کی تشکیل جس طرح کی گئی، اس سے اس کے وقار اور کردار کے بارے میں بہت سے حلقوں کو تشویش ہے اور کونسل کی اب تک کی کارکردگی نے ان خدشات کو دور کرنے میں کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ حدود آرڈیننس کے سلسلے کی بحث میں جس طرح

کونسل کو دی ہے، اس نے ان خدشات کو مزید تقویت دی ہے۔شاید کونسل کے موجودہ ارکان یہ بھول گئے کہ اصل حدود آرڈیننس جسٹس افضل چیمہ صاحب کی صدارت میں قائم اسلامی نظریاتی کونسل کے تیار کردہ مسودے ہی پر مبنی ہے اور جن امور میں اس میں اس کی تجاویز سے انحراف کیا گیا تھا ان کے بارے میں جسٹس تنزیل الرحمٰن کے دور صدارت میں قائم کونسل نے کئی بار متوجہ کیا تھا جو ریکارڈ کا حصہ ہے۔ہمیں توقع ہے کہ کونسل کے موجودہ ارکان کونسل کے ماضی کے فیصلوں اور سفارشات سے واقف ہوں گے۔ بلاشبہ ایک قانونی ادارے کو اپنی یا اپنے سابقین کی آراء پر نظر ثانی کا حق ہے جس طرح عدالتی ادارے کرتے رہتے ہیں لیکن یہ کام ایک ضابطے اور طریقے کے مطابق ہوتا ہے اور آراء سے اگر رجوع بھی کیا جائے تو ماقبل کی آراء پر بحث وتنقید اور نئے دلائل کی بنیاد پر کسی نئے موقف کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ہمارے علم میں نہیں کہ کونسل نے ایسی کوئی مشق (Exercise) کی ہے یا نہیں اور اگر کی ہے تو اس کا حاصل کیا ہے؟

حدود آرڈیننس میں ترمیم کی بحث کے موقع پر اسلامی نظریاتی کونسل نے جس سرگرمی (Activism) کا اظہار کیا ہے، اس میں (Judicial Activism) کے رویے سے کچھ مماثلت ضروری ہے، لیکن اس میں ان آداب اور تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو اس (Activism) کا حصہ ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ کونسل نے اپنے استحقاق اور کردار کے بارے میں جس بیداری کا اظہار کیا ہے وہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھی فکر کرے گی۔ (بشکریہ: روزنامہ پاکستان کراچی: 3 نومبر 2006ء)

حدود یا حقوق؟؟؟

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بدی کو پھیلانے والے بدی کو اس انداز سے پھیلاتے ہیں کہ اس کا احساس ہی انسان کے اندر سے ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے تو بدی کے وہ الفاظ جو کہ اس کا عنوان ہوتے ہیں، ان کی اتنی تشہیر کی جاتی ہے کہ وہ ایک عام سی شئے ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر بذاتِ خود اس چیز کے بد ہونے کا احساس ہی جاتا رہتا ہے۔ گزشتہ چند ماہ سے ہمارے ''اسلامی جمہوری ملک'' میں حدود آرڈیننس کو موضوع بحث بنا کر لفظ ''زنا'' کو اتنا عام کیا گیا ہے کہ ہر بڑے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت اور یہاں تک کہ ہر نابالغ بچے اور بچی کی زبان پر عام ہو گیا ہے۔ بات کرتے ہوئے کسی کو احساس تک نہیں ہو پاتا کہ پاس بیٹھنے اور سننے والا بالغ بھی ہے یا نہیں۔ نیز ٹی وی میڈیا نے اس کو اتنا اچھالا ہے کہ نابالغ بچے بھی اس کو موضوع بحث بنائے پھرتے ہیں۔ بات صرف اس حدود آرڈیننس کی کچھ شقوں پر اختلاف کی تھی جو کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دور میں بڑی کوششوں سے نافذ کیا گیا تھا۔ یہ کام ان اہل علم و دانش کا تھا جو کہ قانونِ اسلام کے رموز کو سمجھتے ہوں اور ان کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان اہل علم و دانش کو ایک جگہ بٹھاتے پھر اس کے بعد اس موضوع پر گفت و شنید کر کے اس کی کوئی راہ نکالتے اور پھر اگر ضروری ہوتا تو اس میں اسمبلی کے ذریعہ ترمیم کر دی جاتی۔ چونکہ اس کا مقصد اصلاح نہیں تھا بلکہ کچھ اور ہی تھا۔ باہر سے آئی ہوئی دولت میں بڑا وزن اور کشش ہوتی ہے۔ اس کو ٹھکرانا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ باہر کی دولت کی وصولی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس مسئلہ کو حل نہیں کرنا بلکہ اس کو عوام کالانعام کے سامنے لا کر اس کا حلیہ بگاڑنا ہے اور حدود سے تجاوز کر کے اس کو حقوق کا نام دے کر دجل و تلبیس کا راستہ کھولنا ہے۔ بے حیائی اور بدکاری کو حقوق کا رنگ دے کر اس کو کھلے عام بازاروں

چوکوں میں لانا ہے تاکہ یہ مسلمان قوم حیاء، غیرت، شرم سے عار ہو جائے۔ یہ کام آج ہی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ کافی عرصہ سے اس کی مشق جاری تھی جس کو اب طشتِ از بام کیا جا رہا ہے۔ آخر ہمارے ملک کے سربراہ کا حقوقِ نسواں کے ترمیمی بل کا مسودہ لے کر امریکی صدر کے دربار میں حاضری دینا کچھ تو معنی رکھتا ہے۔ بات حدود آرڈیننس کے ذریعہ قانون نافذ کرنے والے بدطینت و بدنیت افراد کی ان زیادتیوں کی تھی جو کہ ان کی طرف سے ہو رہی تھیں۔ مگر یار لوگوں نے اپنی سفلی خواہشات کو پورا کرنے اور باہر سے آئی ہوئی دولت کو ''حلال'' کرنے کے لیے حدود آرڈیننس کو صنفِ نازک کے حقوق کے ساتھ جوڑ کر اس کی اصلیت کو بدل ڈالا۔ حدود کو پھلانگ کر حقوق تک پہنچ گئے۔

عورت پر ظلم کے نام پر قوم کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ زنا بالجبر کی آڑ لے کر زنا بالرضا کو آزادانہ اجازت دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن، بیوی کے مقدس روپ کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ روپ جہاں کہیں ہوں گے وہاں احترام ہی احترام ہوگا اس سے آگے اگر کوئی اور روپ ہے تو وہ مغرب کا دیا ہوا ہے جس میں حیا، شرم، غیرت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام نے جو روپ یا رشتے عورت کو دیے ہیں ان رشتوں میں کوئی دوسرے کو میلی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا، شریعت کے علاوہ قانونی اور اخلاقی پہلوؤں سے بھی ان رشتوں میں احترام موجود ہے۔ عورت کے معاملے میں اسلام نے رشتہ داری ہو یا وراثت کا معاملہ ہو ان سب کے حقوق متعین کر دیے ہیں۔ وراثت کی تقسیم کے ڈر سے بہنوں کو گھروں پر بٹھائے رکھنا، ان کے نکاح نہ کرنا یا ان کا نکاح قرآن سے کر کے گھروں میں بوڑھی کرنے کا اسلام نے کہیں بھی اشارہ تک نہیں کیا۔ نہ صرف ان عورتوں کو ماں باپ کی وراثت میں حقدار ٹھہرایا ہے بلکہ ان کے نکاح کر کے ان کے شوہروں سے مہر کی رقم واجب قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کے شوہروں کی وراثت میں بھی حق دار ٹھہرایا ہے یہ آج کل کے حقوق نسواں کے علمبرداروں کے پاس عورتوں کے ان حقوق کی طرف توجہ دینے

کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مغرب کی خواہش نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج وہاں کی عورت کے دل سے بھی مرد کا احترام اٹھ گیا۔ وہ اپنے خاوند، اپنے بھائی، اپنے باپ اور اپنے بوائے فرینڈ کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ خصوصاً خاوند کا جتنا برا حال مغربی معاشرے میں ہے اور کہیں بھی نہیں۔ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ لڑھکتا ہوا چل رہا ہوتا ہے اور بیوی اپنی بوائے فرینڈ کی بانہوں میں جھول رہی ہوتی ہے اور ایسی صورت حال کو مغرب کے لوگ مہذب معاشرہ کہتے ہیں۔ اس قسم کے مہذب معاشرے کی خبر اکبر الٰہ آبادی نے یوں دی ہے:

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حیا ان کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

یعنی مغرب میں مہذب لوگ وہ کہلاتے ہیں کہ بیوی میں حیا نہ ہو اور خاوند کو اس بے حیائی پر غصہ نہ آئے۔ نیز مغرب کی عورت کے سامنے شوہر کی حیثیت جانور سے بھی کم ہے۔ وہ جانور کو زیادہ وقت دیتی ہے خاوند کو کم۔ اس کو عورت کے حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آج کل تو شوہر کو پس پشت ڈال کر جانور کے ساتھ اتنا آگے نکل چکی ہے کہ لکھتے ہوئے گھن آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں کوئی امیر زادی لندن کی سیر کر کے آئی۔ تو ساتھ اپنے ایک کتا بھی لیتی آئی۔ تو اس پر کسی شاعر نے یوں طبع آزمائی کی:

لندن سے ہو کے آئی ہیں جس دن سے صاحبہ
کتا بھی ساتھ رکھتی ہیں شوہر کے ساتھ ساتھ

مغرب میں عورت کو برائی پر اکسانے کے لیے نہ صرف حقوق دیے ہیں بلکہ ان کی نشاندہی بھی بڑے دلفریب انداز میں کی جاتی ہے۔ اس پر ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جو میں نے خود دیکھا۔ ستمبر 1987ء میں پہلی بار امریکہ گیا۔ وہاں پر شہروں میں انسان کی نقل و حمل کے لیے مختلف سواریاں ہیں۔ جن میں ایک ٹرین بھی ہے جو کہ نیویارک شہر کی زمین کے اندر چلتی ہے۔ ان ٹرینوں میں مختلف کمپنیوں کے اشتہارات بھی لگے ہوتے ہیں اور کچھ

اعلانات مختلف محکموں کی طرف سے بھی لگائے گئے ہوتے ہیں۔ ان دنوں محکمہ صحت کی طرف سے ''ایڈز'' کی بیماری سے بچنے کے لیے ایک اشتہار کثیر تعداد میں لگایا گیا تھا جو کہ زیرزمین ٹرینوں میں بھی چسپاں تھا۔ اس اشتہار کی شکل کچھ یوں تھی۔ عورتوں کے استعمال کرنے والا پرس کھلا پڑا ہوا ہے اس میں کچھ کرنسی ہے کچھ جیولری ہے اور کچھ چہرے کو رنگ و روغن کرنے والا سامان جس کو لپ اسٹک کہا جا سکتا ہے وہ ہے اور ان چیزوں کے ساتھ ایک چیز اور رکھی ہوئی ہے اس کی طرف تیر کا نشان دے کر متوجہ کیا جار ہے۔ نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

You want Sex must Condonm.

جس کا ترجمہ میرے ناقص علم کے مطابق یہ ہے: ''اگر تمہیں مرد کے ساتھ اختلاط کی خواہش ہو تو ضروری ہے کہ آپ کنڈوم استعمال کریں۔'' کنڈوم مغرب میں اس غبارے کو کہتے ہیں جو کہ مرد و عورت کے اختلاط کے وقت مانع حمل ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایڈز جیسی موذی بیماری کو پھیلنے سے روکنے کے لیے عورت ہی کو آگے کیوں لایا گیا ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان ملکوں میں غیر مرد سے آزادانہ اختلاط کو عورت کا حق سمجھا گیا ہے۔ غیر مرد سے عورت کے اختلاط کو روکا نہیں گیا بلکہ اس کو جاری رکھنے کو اس کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ بس صرف ایڈز سے بچنے کے لیے مانع حمل غبارے کو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

عورت کے پرس میں جو چیز ہوتی ہے وہ عموماً گھر میں استعمال کے لیے نہیں ہوتی۔ گھر سے باہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ گھر میں اگر شوہر موجود ہے تو مانع حمل غبارے کو پرس میں لیے لیے پھرنے کے کیا معنی؟ پرس میں مانع حمل غبارہ رکھنے کی ترغیب دینے کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ کسی غیر مرد سے اختلاط کی ضرورت کہیں بھی پیش آسکتی ہے۔

حیا عورت کا زیور ہے عورت کی حیثیت و وجاہت اسی سے قائم رہتی ہے اور جب یہ زیور چھن جائے تو ہر ایک نظروں سے اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ چہرے کا نور جاتا رہتا

ہے اور پھر وہ ساری زندگی در بدر کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور اگر مرد و عورت کا اختلاط نکاح کی بنیاد پر ہو تو خلوت کی پہلی رات گزارنے کے بعد عورت کے چہرے پر حیا کا غازہ بڑھ جاتا ہے۔ شرم و حیا اور وفا کا پیکر بن جاتی ہے۔ معاشرے میں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ گھر کی مالکن کہلاتی ہے۔ ساری عمر ایک ہی مرد کے ساتھ زندگی گزارنے اور آنگن میں کئی پھولوں کے کھلنے کے باوجود حیا و شرم کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اپنی خلوتوں کے متعلق بات کرتے ہوئے اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

جو عورت زنا بالجبر کے قہر سے گزرتی ہے وہ اعصابی اعتبار سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے اور اتنی خوفزدہ ہو جاتی ہے کہ اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے مگر ہمارے ہاں غیر ملکی دولت سے چلنے والی این جی اوز ایسا معاشرہ پیدا کر رہی ہیں کہ ایسی مجبور و مظلوم عورتوں کو اشتہار بنا کر رکھ دیا جاتا ہے اور اگر داؤ چل جاؤ تو ایسی عورت کو دنیا کے سامنے ہیروئن کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مختاراں مائی ایک واضح مثال ہے۔ جس کے گزرے ہوئے کل کو کوئی نہیں جانتا، آج انہی این جی اوز کی بدولت دنیائے یورپ اور امریکہ کے ہر بڑے روزنامے اور ہفت روزہ میگزین میں اس کی تصویر پہلے صفحات پر شائع کی جاتی ہے۔ جو کہ ہمارے اسلامی جمہوری ملک کی جگ ہنسائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ صرف مختاراں مائی کے اس ایک واقعہ کی بنیاد پر این جی اوز نے کتنی کمائی کی ہے اس کا حساب نہیں۔ نیز اسی قسم کے واقعات کو آڑ بنا کر مغرب کے اشارے پر ملکی اور غیر ملکی میڈیا حدود آرڈیننس کو ختم کرانے پر زور لگا رہا ہے۔ جنسی آزادی کو عورت کا حق قرار دیا جا رہا ہے۔ مانع حمل غبارے کو یورپ و امریکہ میں اتنی اہمیت حاصل ہے کہ وہاں کی مائیں اپنی بچیوں کو بلوغت کا اندازہ ان کے پرس میں پڑے ہوئے مانع حمل غبارے کو دیکھ کر لگاتی ہیں۔ گزشتہ دنوں روزنامہ ایکسپریس میں ایک مشہور کالم نگار نے لکھا ہے کہ امریکہ کے صدر بش کی بیوی نے اپنی بیٹی کی بلوغت کا اندازہ اس کے پرس میں مانع حمل گولیوں اور مانع حمل غبارے سے لگایا ہے۔

عورت کے حقوق کی آواز بلند کرنے والوں کے اپنے ہاں حال یہ ہے کہ 2000ء روزنامہ جنگ لاہور اور نوائے وقت لاہور میں ایک خبر چھپی تھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ ہالی وڈ کا ایک ایکٹر مر گیا اور اس نے اپنے پیچھے چونسٹھ ملین یعنی چھ کروڑ چالیس لاکھ ڈالر کے اثاثے چھوڑے اور مرتے وقت وہ اثاثے اپنے کتے کے نام کر گیا جب اس کی بیوی کو پتہ چلا تو وہ لاس اینجلس کی ایک عدالت میں چلی گئی اور درخواست دی کہ میرا شوہر مرتے وقت چونسٹھ لاکھ ڈالر کے اثاثے اپنے کتے کے نام کر گیا ہے مجھے کچھ نہیں دیا۔ میری عدالت سے استدعا ہے کہ مجھے کتے کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ جج نے نہ معلوم کیا فیصلہ دیا۔ مگر آزادی نسواں کے علمبردار ملکوں کی اخلاقی حالت کھل کر سامنے آ گئی کہ ان کے نزدیک اپنی بیوی جو کہ ایک عورت ہی ہے کی حیثیت کتے سے بھی انتہائی درجہ کم ہے۔ یہ ہے وہ معاشرہ جو کہ ہمارے اسلامی ملکوں میں وہ مغربی ملک عورت کے حقوق کے نام پر لانا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ مسلمان ہیں ہمارا کلچر، ہماری ثقافت، ہمارا معاشرہ، ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن دنیا کی تمام اقوام وممالک سے مختلف ہے۔ مگر اس کے باوجود عورت کے حقوق کے نام پر ہمارا ایک مخصوص طبقہ عورت کو وہ حقوق دینا چاہتا ہے جن حقوق کو دے کر غیر مسلم اقوام معاشرتی ذلت کی انتہائی نچلی سطح سے بھی نیچے گر گئے ہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے محکمہ بہبود آبادی بنایا اس میں بچے کم پیدا کرنے کو موضوع بنا کر ایسی نوجوان لڑکیوں کو جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی، اپنا آلۂ کار بنا کر میاں بیوی کو وہ طریقے بتانے کے لیے بھیجا جاتا ہے جن سے بچے کم پیدا ہوں۔ غیر مسلم قومیں ہماری خواتین کی حیا اور شرم کی چادر اتار کر سر عام تار تار کرنا چاہتی ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں برطانیہ کے سابق وزیر خارجہ اور موجودہ قائد ایوان مسٹر جیک اسٹرا نے برطانیہ میں مسلمان عورتوں کے پردے کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ برطانیہ میں بسنے والی مسلمان خواتین آہستہ آہستہ پردے کی طرف مائل ہو رہی ہیں۔ مسٹر جیک اسٹرا کے بیان کے بعد باپردہ خواتین پر غیر

مسلموں کی طرف سے حملے بھی ہوئے ہیں۔ برطانیہ جو کہ دنیا میں حقوق انسانی اور نسوانی حقوق کا علمبردار ہے وہ انسانی حقوق کی آزادی کی بنیاد پر مسلمان خواتین کو پردہ کرنے سے روک رہا ہے۔ برطانیہ کی رہنے والی مسلمان خواتین پردے کو نہ صرف اسلامی شعار بلکہ اس کو اپنا آئینی حق سمجھ کر پردہ کرنا چاہتی ہیں۔ مگر حقوقِ نسواں کے علمبردار مسلمان خواتین سے ان کا یہ حق بھی چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر مسلم قومیں مسلمان ملکوں میں عورتوں کو ان کے حقوق کے نام پر کون سا حق دینا چاہتی ہیں؟

حدود آرڈیننس کو متنازع بنا کر اس کو عورتوں کے حقوق کا نام دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ ہماری اپنی حکومت سے گزارش ہے کہ حدود آرڈیننس کو حدود کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور اگر عورتوں کو ان کے حقوق دینے کا زیادہ ہی شوق ہے تو اس کے لیے علیحدہ بل لایا جائے۔ جس کے اندر ماں، بہن، بیٹی، بیوی کے حقوق اسلامی تہذیب وتمدن کے دائرے کے اندر رکھے جائیں اور حدود آرڈیننس میں اگر کوئی سقم ہے تو اس کو علماء، دیندار وکلاء، اہل دانش کے ذریعہ سے دور کیا جائے۔ حدود کو حدود ہی رہنے دیا جائے اور حقوق کو حقوق ہی رکھا جائے، غیر مسلم اقوام کے مفاسد کو پورا کرنے کے لیے اپنے دینی مقاصد سے پیچھے نہ ہٹا جائے۔ (بشکریہ: ماہنامہ ملیہ فیصل آباد، اکتوبر، نومبر 2006ء)

اسلامی سزاؤں پر مغرب کے بے جا اعتراضات

مفتی مزمل حسین کپاڈیا

مذہب اسلام کے دو حصے ہیں، ایک حصے کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور دوسرے حصے کا تعلق انسان کے جسم سے ہے۔ اس کو ایمان کہتے ہیں، یعنی انسان اپنے دل سے اللہ کی وحدانیت، رسولوں کی رسالت اور آخرت کی حقانیت کا اقرار کرتا ہے اور جس حصے کا تعلق انسان کے جسم سے ہے اس کو عمل کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو قرآن اور حدیث میں ایمان اور عمل صالح کا ذکر بکثرت ملے گا۔

پھر اس عمل کے کئی پہلو ہیں، ایک پہلو وہ ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کو واضح کرتا ہے جس کو ہم عبادات کہتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی وغیرہ۔ عمل کا دوسرا پہلو وہ ہے جو بندے کے آپس کے تعلقات اور معاملات کو واضح کرتا ہے۔ اس تمہیدی بیان کا مقصود یہ ہے کہ اسلام وہ دین کامل ہے جو اللہ اور بندوں کے درمیان تعلقات کے سلسلے میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ بندوں کے آپس کے تعلقات کے سلسلے میں اسلام ہمیں عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے اور عدل وانصاف پر قائم رہنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اگر کبھی عدل وانصاف کی راہ سے ہٹ کر بندوں کے آپس کے معاملات میں ظلم و زیادتی ہو جائے اور کوئی شخص کسی کی جان یا مال یا عزت یا انسان خود اپنی عقل دین یا اخلاق پر زیادتی کرے تو اسلام نے اس کے ازالے اور تلافی اور سرزنش کے لیے احکامات بھی صادر کیے ہیں، انہی احکامات کا ایک حصہ اسلامی حدود وقصاص ہیں۔ اسلامی حدود وقصاص سے کیا مراد ہے؟ مختصر الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ دراصل اسلامی حدود مختلف قسم کے جرائم اور ان جرائم کی سزاؤں سے متعلق اسلامی قانون کا نام ہے، جس کی بہت سی تفصیلات ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان جرائم اور ہر جرم سے متعلق سزا کا مختصر جائزہ قرآن وحدیث کی روشنی

میں لے سکتے ہیں۔

جرائم کی سزاؤں کو معلوم کرنے سے پہلے دو باتوں کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ایک یہ کہ جرم شریعت کی نظر میں کسے کہتے ہیں؟ جرم سے مراد یہ ہے کہ جس کام سے شریعت نے منع کیا ہے اسے کرنا یا شریعت نے جس کام کو کرنا ضرور قرار دیا ہے اسے نہ کرنا، یعنی ممنوعہ کام کو کرنا یا ضروری کام کو ترک کرنا دونوں شریعت کی نظر میں جرم ہیں۔ مثلاً شریعت نے چوری کرنے سے منع کیا ہے لہٰذا چوری کرنا جرم ہوگا۔اس طرح شریعت نے نماز پڑھنا ضروری قرار دیا ہے لہٰذا نماز ترک کرنا شریعت کی نظر میں جرم ہے۔

دوسری بات جو ذہن نشین کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جرائم کی جو سزائیں ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ یعنی یہ سزائیں شریعت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کردہ ہیں یا انسانوں کے اختیار میں ہے کہ وہ جس جرم کی جس قسم کی سزا چاہیں مقرر کردیں۔شریعت اسلامیہ میں سزائیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ سزائیں کہ جن کی کیفیت اور مقدار و تعداد شریعت نے مقرر کردی ہے جن کو حدود و قصاص کہا جاتا ہے، لہٰذا اس نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کرنے والے پر اگر جرم ثابت ہوجاتا ہے تو اس پر وہ سزا نافذ ہوگی جو شریعت نے مقرر کی ہے اس میں نہ کوئی قاضی تبدیلی کرسکتا ہے اور نہ ہی حاکم وقت کمی بیشی کرسکتا ہے اور نہ کوئی اور شخص جیسے چور کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیئے جائیں یا بدکار کو 100 کوڑے لگائیں جائیں، لہٰذا ان سزاؤں میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری قسم جرائم کی وہ ہے کہ جن کی شریعت نے خود کوئی سزا مقرر نہیں کی بلکہ اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاکم وقت اور بعض اوقات قاضی یعنی جج کو دیا گیا ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیر کہتے ہیں۔ چنانچہ تعزیزی سزائیں جرم کی نوعیت، جرم کی کیفیت اور حالات کو سامنے رکھ کر طے کی جاسکتی ہیں اور اس سلسلے میں حاکم وقت کو لوگوں کے عمومی مفادات اور نقصانات کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ مثلاً رشوت لینا شریعت کی نظر میں جرم ہے

لیکن شریعت نے اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں کی بلکہ اس کو حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے چنانچہ حاکم وقت جرم کی نوعیت، مجرم کی کیفیت اور حالات کو سامنے رکھ کر سخت سے سخت سزا مقرر کر سکتا ہے۔

اب آیئے ان جرائم کے بیان کی طرف جن کی شریعت نے سزائیں مقرر کی ہیں یہ جرائم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جرائم ہیں جن میں کسی دوسرے شخص کی جان، مال یا آبرو پر زیادتی ہوتی ہے جیسے قتل، چوری یا کسی بدکاری کا الزام جبکہ دوسرے قسم کے جرائم وہ ہیں کہ جن میں کسی دوسرے شخص کی جان، مال یا آبرو پر حملہ نہ ہو لیکن شریعت کی نظر میں ان افعال کا ارتکاب بھی جرم قرار دیا گیا ہے جیسے شراب نوشی اور بدکاری وغیرہ۔

وہ جرم جس میں کسی شخص کی جان پر زیادتی کی جاتی ہے مثلاً کسی کو قتل کر دیا یا اس کے جسم کے کسی حصے کو نقصان پہنچایا تو اگر یہ جرم قصداً یعنی جان بوجھ کر کیا ہے تو اس کی سزا قصاص ہے یعنی جیسا فعل مجرم نے کیا ہے اس کو اس طرح سزا دی جائے اگر قتل کیا ہے اور کسی کو زندگی کی نعمت سے محروم کیا ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل کو بھی اس نعمت سے محروم کر دیا جائے اور اگر اس نے جان بوجھ کر کسی انسان کے اس کے جسم کے کسی حصے سے محروم کر دیا ہے تو عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ مجرم کو بھی اس عضو اور حصے سے محروم کر دیا جائے۔

اس سزا کو شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے اور اس سلسلے میں قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے سلسلے میں قصاص یعنی جرم کا بدلہ فرض کیا گیا ہے، چناچہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور اس طرح دیگر زخموں کا بدلہ بھی لیا جائے گا۔"

شریعت کی نظر میں قصاص لینا مقتولین کے ورثاء کا حق ہے یا اگر کسی شخص کے جسم کے کسی حصے پر زیادتی ہوتی ہے اور وہ ابھی زندہ ہے تو قصاص لینا اس کا حق ہے۔ اگر وہ اپنے

حق سے دستبردار ہو جاتا ہے یا مقتول کے ورثاء قصاص کے حق سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور مجرم کو معاف کر دیتے ہیں تو ان کو یہ اختیار ہے کہ وہ دیت لے لیں۔ دیت دراصل ایک قسم کا مالی معاوضہ ہے، اس مالی معاوضے کی مقدار بھی مقرر ہے اور اس کی تفصیلات ہیں جو کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ وہ جرم جس میں کسی شخص کے مال پر زیادتی ہو، اس کی بنیادی طور پر کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ذخیرہ اندوزی، رشوت، ناپ تول میں کمی، مختلف قسم کی مالی بدعنوانیاں وغیرہ اگرچہ ان سب اقسام کی شریعت نے باقاعدہ سزائیں مقرر نہیں کیں بلکہ اس کی تعزیز کی سزائیں ہو سکتی ہیں جو کہ قاضی اور حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے لیکن کسی کے مال پر زیادتی کی ایک خاص قسم وہ ہے جس کو عربی میں ''سرقہ'' اور اردو میں ''چوری'' کہتے ہیں، اس کی سزا شریعت میں یہ ہے کہ چور کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

''سرقہ'' کی تعریف یہ ہے کہ کوئی عاقل بالغ شخص کسی دوسرے شخص کا وہ مال جس کی حفاظت کا اس نے انتظام کیا ہوا ہے، اس کو خفیہ طریقے سے چوری کر لے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس طریقہ پر چوری کرتا ہے اور تمام ثبوت کے ساتھ اس پر یہ جرم ثابت ہو جاتا ہے تو اس کی سزا شریعت میں یہ ہے کہ اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے عمل کی سزا ہے۔''

ایک جرم وہ ہے جس میں جان و مال دونوں پر زیادتی کی جاتی ہے یا مجرم کا طرز عمل ایسا ہوتا ہے کہ اس نے جرم کرتے وقت اس قسم کا سارا انتظام کر لیا ہوتا ہے کہ اگر اس کو مال و اسباب لوٹنے میں کسی قسم کی مشکل پیش آئی تو وہ کسی کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا اور اس کے لیے مجرم عموماً ایک نہیں بلکہ باقاعدہ منظم گروہ کی شکل میں اور باقاعدہ اسلحہ کی نمائش کرتے ہوئے دن دہاڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں یا کسی خفیہ ٹھکانے پر جمع ہو کر قافلوں کو لوٹتے اور حکومت کے نظام میں خلل ڈالتے ہیں اور اس کے لیے مسلح طاقت

استعمال کرتے ہیں، اس جرم کو شریعت کی اصطلاح میں ''حرابہ'' کہتے ہیں جس کو آج کل کی زبان میں ڈکیتی، دہشت گردی وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس جرم کے خطرناک اثرات کے پیش نظر شریعت نے اس کی الگ اور انتہائی سخت سزا مقرر کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی چار سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ مجرم کو قتل کر دیا جائے۔ اس کو سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جائے۔ اس کو ملک بدر کر دیا جائے۔''

ان سزاؤں کے سلسلے میں بعض علماء کی رائے ہ ہے کہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے جو سزا وہ مناسب سمجھے دے، جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چار سزائیں دراصل چار قسم کے جرائم کے لیے ہیں۔ یعنی اگر مجرم نے کسی مال بھی لوٹ لیا اور اس کو جان سے بھی مار ڈالا تو اس مجرم کو قتل بھی کیا جائے گا اور پھر اس کو عبرت کا نمونہ بنانے کے لیے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے۔ اور اگر اس نے صرقتل کیا لیکن مال واسباب نہیں لوٹا تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف مال واسباب لوٹا ہے تو اس کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹ دیا جائے اور اگر اس نے نہ قتل کیا اور نہ مال واسباب لوٹا بلکہ صرف اسلحہ کا مظاہرہ کر کے کسی اور طریقے سے دہشت پھیلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو ملک بدر کر دیا جائے۔

ان سزاؤں کے سلسلے میں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے جو سزا وہ مناسب سمجھے دے، جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چار سزائیں دراصل چار قسم کے جرائم کے لیے ہیں۔ یعنی اگر مجرم نے کسی کا مال بھی لوٹ لیا اور اس کو جان سے بھی مار ڈالا تو اس مجرم کو قتل بھی کیا جائے گا اور پھر اس کو عبرت کا نمونہ بنانے کے لیے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے اور اگر اس نے صرف قتل کیا لیکن مال واسباب نہیں لوٹا تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف مال واسباب لوٹا ہے تو اس کا ایک ہاتھ

اور ایک پیر کاٹ دیا جائے اور اگر اس نے نہ قتل کیا نہ مال و اسباب لوٹا بلکہ صرف اسلحہ کا مظاہرہ کر کے کسی اور طریقے سے دہشت پھیلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو ملک بدر کر دیا جائے۔

بہر کیف اس جرم کی سنگینی اور اس کے نقصان دہ اثرات کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے اس کی سزا کے سلسلے میں بہت سخت موقف اختیار کیا ہے۔آج کل جرائم جس منظم شکل میں کیے جا رہے ہیں ان کی سزاؤں کے لیے قرآن حکیم کے اس حکم سے استفادہ کر کے ان جرائم پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

وہ جرم جس میں کسی شخص کی آبرو عزت پر زیادتی ہو بنیادی طور پر اس کی بھی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں۔مثلاً کسی پر رشوت یا کسی اور جرم کا الزام لگایا گیا یا اس کو گالی دی اور الزام لگانے والا اس الزام کو ثابت نہ کر سکا تو جس شخص کی شہرت، نیک نامی اور عزت اس الزام سے متاثر ہوئی ہے وہ اس الزام لگانے والے کو سزا دینے کا مطالبہ کر سکتا ہے اس لیے کہ اس نے اس کی عزت اور نیک نامی کو داغدار کیا ہے لیکن اس قسم کے الزامات کی شریعت نے کوئی سزا مقرر نہیں کی بلکہ اس کی سزا بھی تعزیزی سزاؤں میں شامل ہے، حاکم وقت اور قاضی جو مناسب سزا سمجھیں تجویز کر سکتے ہیں لیکن شریعت اسلامیہ کی نظر میں ایک خاص الزام ایسا ہے جس کی سنگینی اور نقصان دہ اثرات کی وجہ سے شریعت نے الزام ثابت نہ کرنے کی صورت میں اس کی بہت سخت سزا مقرر کی ہے۔اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''قذف'' کہتے ہیں۔

''قذف'' کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مرد یا عورت پر زنا، بدکاری کا الزام لگائے یا کسی شخص کو ناجائز اولاد کہے تو یہ بھی دراصل اس شخص کے والدین پر بدکاری کا الزام ہے۔ چنانچہ یہ الزام لگانے والا اپنے الزام کو شرعی طریقوں سے ثابت کرے یعنی چار مرد گواہ جو اس گواہی کی تمام شرائط پوری کرتے ہوں، اس الزام کے ثبوت میں پیش کرے اور اگر وہ یہ

ثابت نہ کر سکا تو پھر اس الزام لگانے والے کو 80 کوڑے لگاؤ اور آیندہ ان کی گواہی ہرگز قبول نہ کرو۔

یہ ان جرائم اور ان کی سزاؤں کا انتہائی مختصر بیان تھا کہ جن کے نتیجے میں کسی جان، مال یا عزت پر زیادتی ہوتی ہے۔ اب ہم ان جرائم کا بیان کرتے ہیں جن سے بظاہر کسی شخص کی جان، مال یا آبرو پر حملہ نہیں۔ ان جرائم میں فی الحال ہم شراب نوشی اور بدکاری کا ذکر کرتے ہیں۔

بدکاری اور شراب نوشی میں کسی دوسرے شخص پر کوئی زیادتی نہیں بلکہ اس کا نفع ونقصان خود انسان کو پہنچتا ہے لیکن شریعت میں ان کاموں کی نہ صرف انتہائی سخت مذمت کی گئی ہے بلکہ ان جرائم کو کسی بھی معاشرے کے لیے زہر قاتل قرار دیا ہے۔ اس موقع پر اس بات کی وضاحت کر دوں کہ ان جرائم کے متعدی یعنی اس کے اثرات دوسرے پر نہ پڑنے کے متعلق لفظ ''بظاہر'' استعمال کرنے میں ایک خاص مصلحت اور مقصد ہے اور وہ یہ کہ ہمیں دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ زنا اور شراب نوشی یہ ایسے جرائم ہیں جن سے کسی دوسرے پر کوئی زیادتی نہیں ہو رہی لیکن حقیقت میں یہ دونوں جرائم اکثر و بیشتر دوسرے جرائم کا ذریعہ بنتے ہیں اور نہ صرف جرائم بلکہ بہت سی ایسی بیماریوں اور معاشرتی و اخلاقی برائیوں کا ذریعہ بنتے ہیں جن کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں شراب کو ''ام الخبائث'' یعنی برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب شراب کے نشے کے زیر انسان کی عقل کام نہ کرے تو وہ ہر قسم کے جرم کر سکتا ہے۔ موجودہ دور میں اعداد و شمار کی کسوٹی پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شراب، قتل و غارت گری، چوری اور زنا کا بہت بڑا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسی طرح بدکاری اور وہ کام جو اس بدکاری کی ترغیب دینے والے ہوں نہ صرف بہت سے جرائم بلکہ بہت سی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں۔ موجودہ دور کی سب سے خطرناک

بیماری ''ایڈز'' کی اصل وجہ بھی یہی بدکاری بتلائی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ بیماری ان معاشروں میں زیادہ ہے جہاں اس برے فعل کی کثرت ہے۔ الغرض شریعت نے ان جرائم کی سزائیں بھی مقرر کی ہیں۔ چنانچہ زنا کی سزا کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اگر بدکاری کرنے والا مرد اور عورت اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کو اس جرم کی سزا کے طور پر 100 کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے، یعنی پتھروں سے مار کر ختم کر دیا جائے۔''

شراب نوشی کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور نہ صرف شراب پینا حرام قرار دیا ہے بلکہ اس کی خرید و فروخت اور اس سلسلے میں درمیان میں واسطہ بننے سے بھی منع کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرابی کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی بلکہ اس کو مختلف طریقوں سے سزا دی جاتی تھی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب شراب نوشی کے واقعات میں معمولی سا اضافہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ شرابی کی سزا بھی 80 کوڑے مقرر کی جائے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مشورے پر اتفاق ہو گیا، لہٰذا اس کے بعد سے شرابی کی سزا یہی مقرر کی گئی۔

یہ تو تھا اسلامی حدود و قصاص کا ایک انتہائی مختصر خاکہ، ان جرائم میں سے ہر جرم اور اس کی سزا کے متعلق اسلامی قانون فقہ میں جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں ان کا احاطہ اس مختصر مضمون میں ناممکن ہے۔ جہاں تک اس موضوع کے دوسرے حصے کا تعلق ہے یعنی اسلامی سزاؤں سے متعلق یورپ اور مغربی دنیا کے شبہات تو اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ یورپ کو محض اسلامی سزاؤں پر اعتراض اور شبہات نہیں بلکہ ان کو بعض جرائم کے جرائم ہونے پر ہی اعتراض ہے یعنی وہ اس کو جرم ہی نہیں سمجھتے، چنانچہ جب وہ اس کو کوئی جرم ہی نہیں سمجھتے تو اس پر سزا کیوں دی جائے؟ مثلاً اگر مرد و عورت باہمی رضامندی سے کسی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں تو مغربی معاشرے میں اس پر کوئی اعتراض نہیں، اسی طرح سے اگر کوئی

شخص شراب پیتا ہے اور کسی کو بظاہر نقصان نہیں پہنچاتا تو اس کو بھی کوئی جرم تصور نہیں کرتے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہاں اسلام اور دوسرے مغربی قوانین کے درمیان بنیادی اختلاف ہے۔ اسلام جرائم کو اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور اس نقطۂ نظر سے بھی دیکھتا ہے کہ اگر کوئی فعل معاشرے میں کسی برائی کا ذریعہ بنتا ہے تو اس کو بھی جرم تصور کیا جائے۔ اسی وجہ سے اسلام نے صرف بدکاری کو حرام قرار دے کر اس پر سزا کا حکم نہیں سنایا بلکہ جو کام اور افعال بدکاری کی ترغیب دینے والے ہوں ان کو بھی جرم قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "زنا کے قریب بھی مت جاؤ" اس طرح سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو لوگ مسلمانوں میں فحش اور گندے کاموں کی اشاعت کرتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں سخت عذاب ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ جو معاشرہ کسی برائی کو برائی ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں وہ اس پر سزا کیسے تسلیم کرے گا؟ دوسری بات یہ ہے کہ خود مغربی مفکرین اور پھر ان کے معاشرے میں جرائم کے اعداد و شمار یہ بتلاتے ہیں کہ جس چیز کو وہ برائی ہی تصور نہیں کرتے وہی چیز سب سے زیادہ جرائم کا ذریعہ بن رہی ہے۔ چنانچہ 1966ء میں امریکا کے قومی کمیشن برائے انسداد منشیات کی رپورٹ کے مطابق طلاق، بچوں پر زیادتی، گاڑیوں کے حادثات، بے روزگاری، جنسی جرائم، چوری اور قتل و غارت گری کے زیادہ تر واقعات شراب نوشی کی وجہ سے ہوئے۔ یہ 1966ء کی رپورٹ ہے، آج 40 سال بعد جو حالات عالمی سطح پر ہم سن اور دیکھ رہے ہیں ان کے مطابق ان جرائم میں اضافہ ہوا ہے کمی نہیں ہوئی ہے۔

اس طرح بدکاری کی وجہ سے مغربی ممالک میں ناجائز اولاد کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے اور یہ ناجائز بچے باپ کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے اقتصادی اور اخلاقی طور پر معاشرے کے لیے کینسر کی شکل اختیار کر گئے ہیں، جس کا اعتراف خود مغربی معاشرے کے دردمند مفکرین نے کیا ہے۔ جہاں تک بعض سزاؤں پر اعتراض کا معاملہ ہے تو اس میں بھی

مغربی معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے یعنی وہ مجرم کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کرتا ہے اور انصاف کے تقاضوں کے برخلاف مجرم کو اتنی بھی سزا نہیں دیتا کہ جتنا اس کا جرم ہے۔ مثلاً بیشتر مغربی ممالک نے عمومی طور پر قاتل کو پھانسی یا قتل کی سزا معطل کردی ہے بلکہ قاتل کو عمر قید کردیا جاتا ہے اور اس کو بھی کم کرتے کرتے 15 یا 20 برس تک لے آئے ہیں اور پھر قاتل کو ضمانت پر رہا کرنے کا عنصر بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ جبکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے شخص کو زندگی کی نعمت سے محروم کردیا ہے تو اس کو بھی زندگی کی نعمت سے محروم کردو۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اسلام نے برابری اور مساوات کا معاملہ اختیار کیا ہے۔ قتل کے مجرم کو قتل کی سزا نہ دینا انصاف اور حقوق انسانی کے تقاضوں کے منافی ہے۔ مغربی معاشرہ قاتل کو پھانسی دینا حقوق انسانی کے خلاف سمجھتا ہے۔

آج کل Human Rights ایک ایسی اصطلاح ہے کہ اس کے تحت جتنی نا انصافیاں اور ظلم وزیادتیاں کرنی ہیں کرتے چلے جاؤ اور آخر میں کہہ دو کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اگر یہ نہ کرتے تو یہ حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہوتی۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ قاتل تو انسان ہے لیکن جس شخص کو قتل کیا گیا کیا وہ انسان نہیں تھا؟ قتل کے مجرم کو قتل کی سزا نہ دینا نہ صرف انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ معاشرے میں اس جرم کی مزید حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہے اور جس شخص کو قتل کیا گیا اس کے اور اس کے ورثاء کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے۔ اسی طرح چور کا ہاتھ کاٹنے پر بھی یورپ کو اعتراض ہے حالانکہ اس میں بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں اس لیے کہ شریعت کی سزائیں محض مجرم سے انتقام لینے کے لیے نہیں بلکہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اس کو عبرت کا ایسا نمونہ بنانا ہے کہ اگر کسی کے دل میں اس جرم کا خیال بھی آئے تو اس جرم کی سزا کے خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اگر چور کو صرف ایک خاص مدت کے لیے جیل میں ڈالنے پر اکتفا کیا جائے اور اس پر کوئی مالی جرمانہ عائد کردیا جائے لیکن اس چور کو اس جرم کے نتیجے

میں کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو وہ جیل میں رہ کر معاشرے پر ایک مالی بوجھ بننے کے ساتھ ساتھ وہاں پر موجود چوروں سے مزید چوری کے ٹیکنیکل طریقے سیکھے گا اور جیل سے نکل کر مزید چوری کی وارداتیں کرے گا، جیسا کہ آج کل ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

پھر ان تمام سزاؤں کے متعلق یورپ کو ایک جواب یہی کافی ہے کہ اسلام نے اگر سخت سزائیں رکھی ہیں تو مجرم کے لیے ہی رکھی ہیں، بے گناہوں کے لیے تو نہیں۔ جب کہ یورپ نے بشمول امریکا اور سوویت یونین جس دہشت گردی کو پروان چڑھایا اس میں تو بے گناہوں کو بارودی سرنگوں کے ذریعے سے مکمل اپاہج کر دیا جاتا ہے۔ کیا ہیروشیما اور ناگا ساکی کی پوری کی پوری بستیاں اسلامی سزاؤں کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی تھیں یا ان امریکی اور مغربی دہشت گردوں کی کارروائی تھی؟ پھر اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھا جائے کہ یورپ نے جو نت نئی سزائیں ایجاد کی ہیں اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے جو جدید سائنسی طریقے اختیار کیے ہیں ان سے جرائم کی شرح میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ مجرموں کے پاس پولیس سے اچھے ٹیکنیکل طریقے ہیں جرائم کرنے کے بھی اور پولیس کی گرفت سے بچنے کے بھی جبکہ جن اسلامی ممالک میں سزائیں نافذ ہیں، وہاں جرائم کی شرح بہت کم ہے۔ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے جرائم بالکل ختم ہو جائیں گے، جرائم کا مکمل خاتمہ کسی معاشرے میں نہیں ہو سکتا لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلامی نظام حدود و قصاص کی وجہ سے جرائم کی شرح بہت کم ہو جاتی ہے۔

حدود کی بحث اور علمائے کرام

خورشید احمد ندیم

حدود آرڈیننس اور اس ضمن میں اٹھنے والی بحث میرے لیے ایک سیاسی نہیں، سنجیدہ علمی و مذہبی مسئلہ ہے اور میں نے اسے ہمیشہ اس زاویے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے، مذہبی سیاست دانوں کے بیانات سے مجھ پر کبھی یہ واضح نہیں ہو سکا ہے کہ حدود آرڈیننس میں کیا چیز اسلامی ہے اور تحفظ حقوق نسواں قانون میں کیا غیر اسلامی۔ جب میں نے سنجیدہ اہل علم کی تحریروں اور بیانات سے روایتی علما کا موقف سمجھا ہے بعض ایسے امور سامنے آئے ہیں جن کی کوئی توجیہہ کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس ضمن میں، میں سوالات آج کے کالم میں زیر بحث لانا چاہتا ہوں۔

1- ہمارے مذہبی طبقات کا یہ موقف تواتر کے ساتھ ہمارے سامنے آیا ہے کہ حدود آرڈیننس عین اسلام ہے اور اس میں تبدیلی حدود اللہ میں تبدیلی ہے۔ اس مقدمے کے حق میں جو دلائل پیش کیے جا رہے ہیں ان سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دین کے وہ علما جن کی علمی بصیرت پر یہ لوگ اعتماد کرتے ہیں وہ خود اس مقدمے سے متفق نہیں ہیں۔ ان میں ایک مولانا تقی عثمانی ہیں۔ مولانا علما کے اس وفد کے سرخیل ہیں جو تحفظ حقوق نسواں کے قانون پر حکومت کے ساتھ شریک مذاکرات رہا۔ مولانا محترم نے کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد کے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز میں اس موضوع پر ایک لیکچر دیا۔ اسے اب کتابچے کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ مجھے یہ لیکچر براہ راست سننے کا موقع ملا اور اب پڑھنے کا بھی۔ مولانا کے اپنے ادارے کے ترجمان مجلے نے اکتوبر کے شمارے میں اسے شامل اشاعت کیا ہے۔ ان قوانین میں کس نوعیت کی ترمیم ممکن ہے، اس کے بارے میں مولانا کا کہنا ہے کہ "جہاں تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا آپ کے

عطا فرمودہ قانون کا تعلق ہے، وہ تو یقیناً اتنا مقدس ہے کہ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، لیکن جب اس حکم کو ایک مدون قانون کی شکل دی جاتی ہے تو یہ ایک انسانی عمل ہے جس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ قانون کی تسوید (Drafting) ایک انتہائی نازک عمل ہے۔ اس میں ممکنہ صورت حال کا پہلے سے تصور کر کے الفاظ میں اس کا احاطہ کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی عقل محدود ہونے کی بنا پر بعض اوقات ہر صورت حال کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے اور اس طرح مسودہ قانون میں کمزوریوں کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔'' حدود آرڈیننس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس میں بھی تسوید کی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس میں بھی اس نقطہ نظر سے بعض امور قابل اصلاح ہو سکتے ہیں اور جب تک اللہ اور اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اس میں بھی ترمیم و اصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے اور جاری رہنا چاہیے، بشرطیکہ یہ عمل معروضی تنقید کے ذریعہ ہو کسی عناد کا نتیجہ نہ ہو۔ ایک دوسرے مقام پر مولانا تقی عثمانی نے یہی بات ان الفاظ میں کہی: ''اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام تو ہر تنقید سے بالاتر ہیں، لیکن ان احکام کو قانونی شکل دینے کے لیے جو مسودہ تیار کیا جاتا ہے وہ چونکہ ایک انسانی عمل ہے اس لیے اس میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، حدود کے قوانین اگرچہ علماء شریعت اور ماہرین قانون کی مشترک کاوش کے نتیجے میں بنے ہیں اور ان پر مختلف مرحلوں پر اور مختلف دائروں میں طویل غور و فکر ہوا ہے۔ اس کے باوجود نہ انہیں غلطیوں سے پاک کہا جا سکتا ہے نہ ان میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ بند سمجھنا چاہیے۔'' اپنے اس لیکچر میں مولانا نے حدود آرڈیننس میں بعض تبدیلیاں بھی تجویز کی ہیں۔

اب میری گزارش یہ ہے کہ حدود آرڈیننس پر سنجیدہ اہل علم جو تنقید کر رہے ہیں اس کا تعلق اس مسودہ قانون سے ہے جو ''انسانی عمل ہے، جس میں غلطیوں کا امکان رہتا ہے'' وہ اصولی طور پر وہی بات کہہ رہے ہیں جو مولانا فرما رہے ہیں۔ جو لوگ اس مدون قانون میں

تبدیلی کو حدود اللہ میں تبدیلی قرار دیتے ہیں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کریں کہ کیا ان کے اس موقف کا اطلاق مولانا تقی عثمانی صاحب پر بھی ہوتا ہے اور اگر نہیں ہوتا تو کس اصول پر؟ اگر رسوخ فی العلم رکھنے والا کوئی دوسرا آدمی یہی بات کہے تو وہ دین کے مخالف کیسے ہے؟

2- تحفظ حقوق نسواں کے ابتدائی مسودہ قانون پر علماء کمیٹی کا اعتراض یہ تھا کہ ''زنا بالرضا کی صورت میں اگر حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو مجرم کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بدکاری کا ثبوت گواہوں وغیرہ سے ہو جائے تو اس پر تعزیری سزا جاری ہونا ضروری ہے۔ حدود آرڈیننس میں اس کو زنا موجب تعزیر (Zina Liable to Tazir) قرار دیا گیا ہے اس میں یہ ترمیم ممکن ہے کہ اس کو زنا کا نام دینے کی بجائے بدکاری یا سیہ کاری وغیرہ کا نام دیا جائے لیکن ایسے مجرموں کو کسی بھی سزا سے آزاد چھوڑنا، عملاً زنا بالرضا کی قانونی اجازت کے مترادف ہوگا، کیونکہ حد تک شرائط تو شاذ و نادر ہی کسی مقدمے میں پوری ہوتی ہیں اور اس ترمیم سے ایسی صورت میں تعزیر کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا۔''

اس بنیاد پر علماء کمیٹی نے تجویز پیش کی تھی کہ زنا کی ایک دوسری قسم اس قانون میں شامل کی جائے جسے ''فحاشی'' کہا جائے اور اس کے لیے پانچ سال تک قید اور جرمانے کی سزا دی جائے۔ یہ تجویز موجودہ قانون میں شامل کر لی گئی ہے۔

علمائے کرام کی خدمت میں میرا مؤدبانہ سوال یہ ہے کہ کیا ایک جرم بیک وقت حد ہو سکتا ہے اور تعزیر بھی؟ حد کی تعریف علماء نے یہ کر رکھی ہے کہ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا قرآن یا سنت نے متعین کر دی ہے۔ اگر زنا کی سزا قرآن و سنت نے طے کر دی ہے تو کسی دوسرے کو کیا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس میں ترمیم کرے؟ کیا زنا کو فحاشی کا عنوان دینے سے جرم کی نوعیت بدل جائے گا؟ اگر سود، مارک اپ کا نام دینے کے باوجود سود ہی رہتا ہے تو زنا ''فحاشی'' کے عنوان سے ''زنا'' کیوں نہیں رہتا؟ علماء کمیٹی کے مطابق فحاشی کی تعریف یہ ہے

"اگر ایک مرد اور عورت جو میاں بیوی نہیں ہیں، بالرضا جنسی تعلق قائم کرتے ہیں تو یہ فحاشی ہے" سوال یہ ہے کہ اگر یہ فحاشی ہے تو پھر زنا کیا ہے؟

علماء نے اس بات کی ضرورت اس لیے محسوس کی ہے چونکہ حدود کی شرائط شاذ و نادر کسی مقدمے میں پورا ہوتی ہیں۔ اس جرم کے لیے تعزیراً بھی سزا ہونی چاہیے۔ اس پر مذکورہ بالا سوالات کے ساتھ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر دیگر حدود میں اسی طرح فقہاء کے بیان کردہ طریقہ ثبوت کے مطابق، جرم ثابت کرنا مشکل ہو جائے تو ان پر بھی تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے؟ کیا اس کے بعد حد اور تعزیر کا کوئی فرق عملاً باقی رہ جائے گا، پھر یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے زنا کی ایک متعین سزا قرآن مجید میں بیان کی تو کیا معاذ اللہ وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ کل حد کے طور پر اس مقدمے کو ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا؟ میرے نزدیک سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ایک حد کی سزا کو محض لفظی کھیل کے سہارے تبدیل کرنا، کیا حدود اللہ میں تبدیلی نہیں ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا تقی عثمانی نے خود حدود آرڈیننس پر جو اعتراض کیا ہے وہ یہی ہے کہ "زنا موجب تعزیر کیا ہوتی ہے" وہ لکھتے ہیں: "میرے ناقص مطالعے کی حد تک قرآن کریم وسنت کی روشنی میں "زنا موجب تعزیر" کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا یا تو موجب حد ہے یا پھر وہ زنا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے مجھے اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک شخص کے خلاف زنا موجب حد ثابت نہ ہو پھر بھی اسے زانی یا زانیہ کہا جائے۔ حدود آرڈیننس میں صورت حال یہ ہے کہ جہاں حد زنا کی شرائط پوری نہ ہوں، پھر بھی اسے زنا کہہ کر ہی تعزیر دی جاتی ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ بات قابل اصلاح ہے۔ ایسی صورت میں ملزم کے جرم کو زنا نہیں کہا جاسکتا، اسے زنا سے کمتر کوئی اور جرم قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً فحاشی یا سیہ کاری وغیرہ لیکن اسے زنا قرار دینا درست نہیں۔" کیا مولانا اس پر مطمئن ہیں کہ زنا کو فحاشی کا عنوان دینے سے وہ زنا نہیں رہے گا اور اس سے ان کا وہ

اعتراض رفع ہو جائے گا جوانہوں نے مذکورہ بالا اقتباس میں اٹھایا ہے؟

اس ساری بحث کا تعلق ایک طالب علمانہ اشتیاق سے ہے۔ عملاً صورت حال یہ ہے کہ تحفظ حقوق نسواں کا قانون جوہری طور پر حدود آرڈیننس کا نیا نام ہے۔ میں یہ نہیں جان سکا کہ جنرل پرویز مشرف صاحب اور ان کے ہم نوا کس کامیابی پر اظہارِ مسرت کر رہے ہیں اور مذہبی طبقات کس تبدیلی پر ناراض ہیں؟

(بشکریہ: روزنامہ جنگ کراچی)

اسلام اور انصاف کے لیے

ذرا سوچئے!

اعلان نامہ: ذرا سوچئے!

یہ بات ہے 1979ء کی جب جنرل ضیاء الحق کے دور میں حدود آرڈیننس نافذ کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ قرار دیا گیا کہ پاکستانی قوانین کو قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق بنانا ہے لیکن گزشتہ 27 برس سے اب تک حدود آرڈیننس پر ہر طبقہ فکر میں بحث اور ہر مکتب فکر کی طرف سے تنقید ہوتی رہی ہے۔ ایک طرف تو اس آرڈیننس کو ماہرین قانون اور انسانی حقوق کے پرچم برداروں نے امتیازی اور غیر منصفانہ قرار دیا تو دوسری طرف کئی مسلم دانشوروں اور علماء نے اس کو شریعت کی غلط تشریح بھی کہا۔ اس پوری صورتحال کے پیش نظر ذرا سوچئے بحث کا آغاز کیا گیا جس کا سوال یہ تھا ”حدود اللہ پر بحث نہیں (رب العالمین کا قانون قرآن وسنت میں موجود ہے) کیا حدود آرڈیننس (اللہ کے قانون کی انسانی تشریح) اسلامی ہے؟

زنا آرڈیننس (اس قانون کا تعلق زنا، بدکاری اور عصمت دری سے ہے) حدود آرڈیننس کا ایک انتہائی متنازع حصہ ہے جس کا کھلم کھلا غلط استعمال ہوا، اس قانون کی بہت مذمت کی گئی۔ بیشتر مسلم دانشوروں اور علماء کا کہنا ہے کہ زنا آرڈیننس میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی غلط توجیح وتشریح کی گئی ہے لہٰذا اس کی اصلاح اور اسمیں ترمیم کی جائے تاکہ اسے ہمارے دین کے اصولوں کے مطابق بنایا جاسکے۔

ممتاز مذہبی مفکر، دانشور اور علماء جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے ہے، بہت سے معاملات پر ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن وہ حدود آرڈیننس میں درج ذیل

تبدیلیوں کی متفقہ سفارش کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1: زنا کی جھوٹی ایف آئی آر:

مردوں اور عورتوں کے خلاف زنا (زنا بالجبر نہیں) کی بہت سی ایف آر کا مقصد دراصل کچھ اور ہوتا ہے۔ اس وقت طریقہ کار یہ ہے کہ جونہی مقدمہ درج ہوتا ہے، پولیس ملزموں کو گرفتار کر لیتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سے بے گناہ افراد اس تصدیق کے بغیر جیلوں میں قید کر لیے جاتے ہیں کہ آیا الزامات ثابت کرنے کے لیے گواہ موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اسلامی اصولوں کے تحت الزام ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے، وگرنہ کوئی مقدمہ بنتا ہی نہیں ہے۔

سفارش نمبر 1:

"ہم تجویز کرتے ہیں کہ زنا (زنا بالجبر نہیں) کا مقدمہ یا ایف آئی آر اس وقت تک درج نہ کیا جائے جب تک شکایت کرنے والا اپنے ساتھ ایسے چار گواہ نہ لے کر آئے جو شکایت کنندہ کے ساتھ خود بھی الزامات کی تصدیق کریں۔ جو یہ کہہ سکیں کہ انہوں نے جرم ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور جو اپنے الزامات اور اپنی گواہی تحریری طور پر پیش کر سکیں۔ یہ ساری کارروائی تھانے میں ایک پولیس افسر کے روبرو ہونی چاہیے۔ صرف یہی طریقہ کار اسلام کے مطابق ہے کیونکہ اسلام بے گناہوں کا تحفظ کرتا ہے۔ اس طریقے کے تحت ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن میں پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

مسئلہ نمبر 2: (عورتیں اور جیل خانہ)

زنا کا مقدمہ (جھوٹا یا سچا) درج ہونے کے بعد بہت سی عورتوں کو جیلوں میں بند کیا جاتا رہا ہے اور وہ مقدمے کی کارروائی یا فیصلے کے انتظار میں قید رہتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایسی عورت کو خاندان، برادری اور سماج میں قبول نہیں کیا جاتا جو کچھ دنوں بھی جیل میں رہی ہوں۔ ہمارا دین عورتوں کی عصمت وعفت، عزت وآبرو کے تحفظ کا علمبردار

ہے۔ اسلام عورتوں کو عموماً قید میں رکھنے کی منظوری نہیں دیتا۔

سفارش نمبر 2:

زنا کے الزام میں عورتوں کو جیل نہیں بھیجا جائے گا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران وہ پیشی کے لیے طلب کی جائیں گی۔ انہیں عدالت میں باقاعدگی سے پیش ہونا ہوگا اور اگر وہ مجرم پائی گئیں تو ان پر حد کا اطلاق ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3: (قذف کا قانون)

زنا (زنا بالجبر نہیں) کے بیشتر ملزم طویل مقدمے بازی کے بعد جو برسوں جاری رہتی ہے بری کر دیے جاتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ان افراد کو انتہائی ذلت اٹھانی پڑتی ہے بلکہ انہیں وہ انصاف بھی نہیں مل پاتا جس کا ذکر اسلامی تعلیمات میں ہے۔ سورۂ نور میں ارشادِ ربانی ہے کہ جس نے تہمت لگائی اور جو چار گواہ نہ لا سکا وہ خود 80 کوڑوں کا سزاوار ہوگا یعنی اسے جھوٹا الزام لگانے پر 80 کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ اس شرعی حکم کے برخلاف حدود آرڈیننس کے تحت الزام سے بری ہونے والے/والی کو تہمت لگانے والے کیخلاف ایک الگ مقدمہ دائر کرنا ہوگا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ خاص طور سے ایک عورت ایسے وسائل، اتنی طاقت اور حوصلہ نہیں رکھتی کہ تہمت لگانے والے کو سزا دلانے کی خاطر نئے سرے سے کارروائی کرے۔

سفارش نمبر 3:

اگر کسی ملزم/ملزمہ پر زنا (زنا بالجبر نہیں) کا الزام ثابت نہ ہو پائے تو پھر عدالت کو چاہیے کہ وہ ازخود اس فرد یا ان افراد کے خلاف کارروائی کرے جنہوں نے تہمت لگائی ہو۔ ملزم یا ملزمہ کی بے گناہی کا فیصلہ دراصل یہ فیصلہ ہے کہ الزام لگانے والا قذف کا ملزم ہے لہٰذا اسے قذف کی سزا دی جائے جو سورۂ نور میں 80 کوڑے رکھی گئی ہے۔ یہ سزا دینے کے لیے کسی نئی درخواست کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اس تجویز پر عملدرآمد سے جھوٹے مقدمات

کی روک تھام ہوگی اور یہی قرآن حکیم کا منشا بھی ہے۔

مسئلہ نمبر 4: (حمل: زنا کا ثبوت)

استقرارِ حمل زنا کی شہادت کے طور پر لیا جاتا ہے بشرطیکہ عورت یہ ثابت نہ کردے کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے۔ایسی غلطی غیر شادی شدہ حاملہ عورتوں کے معاملے میں عموماً ہو جاتی ہے۔ اسلام نے بہر حال زنا کو (زنا بالجبر نہیں) ثابت کرنے کے لیے بہت سخت شرائط رکھی ہیں۔زنا کے معاملے میں ذرا سا بھی شک ہو تو پھر حد کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ حدود آرڈیننس نے اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھا۔

سفارش نمبر 4:

حاملہ اگر اپنی عصمت دری کا دعویٰ کرے تو اس پر زنا کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حمل زنا کا کافی ثبوت نہیں۔2002ء میں ''زعفران بی بی کیس'' میں وفاقی شریعت عدالت نے بھی یہ اصول قائم کیا تھا کہ حمل کو زنا (زنا بالجبر نہیں) یا بدکاری کے ثبوت کے طور پر نہیں لیا جانا چاہیے۔

مسئلہ نمبر 5: زنا کے مقدمے کا اندراج:

ایسے معاملے میں جہاں زنا (زنا بالجبر نہیں) کی حد یا انتہائی سزا کے لیے شہادتیں ناکافی ہوں تو پھر آرڈیننس کے تحت تعزیر کی سزا کا سہارا لیا جاتا ہے۔اس پیچیدگی کے باعث چار گواہوں کی شرعی شرط پوری نہ ہونے کے باوجود بہت سے لوگوں کو تعزیر کے تحت ایسے الزام میں طویل قید کاٹنی پڑی جو سو فیصد ثابت نہیں کیا جا سکا تھا۔ یہ صورت حال اسلام کے اصول عدل کے خلاف ہے۔

سفارش نمبر 5:

شریعت کے تحت زنا (زنا بالجبر نہیں) کے مقدمے کے اندراج کی خاطر چار گواہ ضروری ہیں،ان چار گواہوں کی غیر موجودگی میں زنا (زنا بالجبر نہیں) ثابت نہیں ہو سکتا،اگر

کوئی جرم ثابت نہیں ہوا تو آپ اللہ تعالیٰ کی حد یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون (تعزیر) کے تحت کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

مسئلہ نمبر 6: (جرم کی نوعیت اور تعین سزا کیلئے ماحول، حالات و واقعات)

حدود آرڈیننس میں، حدود اللہ اور حد کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال نہیں رکھا گیا ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کیا تھے جن میں جرم سرزد ہوا۔ قرآن حکیم کی روشنی میں اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں غلاموں کے لیے سزا کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ان کو سزا دی ہی نہ جائے کیونکہ ایسا بالکل ممکن ہے کہ انہیں دین اور اخلاق کی تعلیم نہ مل پائی ہو، بلکہ (سورۃ نساء:25) قرآن حکیم میں یہ بھی ذکر ہے کہ اگر غلام یا لونڈی شادی شدہ بھی ہو، اسے مذہب اور اخلاق کو سمجھنے کے لیے بہترین ماحول بھی میسر ہو تب بھی اسے حد کے نصف یعنی پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے۔

سفارش نمبر 6:

حدود اللہ میں زنا بالرضا کی انتہائی سزا سو کوڑے ہیں۔ یہ سزا اس وقت دی جا سکتی ہے جب جرم ہر لحاظ سے ثابت ہو جائے اور مجرم کے حالات اور اس کا پس منظر میں کسی بھی کمی کا متقاضی نہ ہوں۔ حدود آرڈیننس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جرم اگر پوری طرح ثابت ہو جائے یعنی چار گواہ میسر آ جائیں تو حد کی سزا نافذ ہو گی اور اگر کم درجے میں ثابت ہو تو تعزیر کی سزا نافذ ہو گی۔ یہ اخلاقیاتِ قانون کا مسلمہ اصول ہے کہ جرم سو فی صد ثابت ہوتا ہے یا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے ثبوت میں کمی کے باعث سزا میں کمی یا اضافہ ناانصافی ہے۔ جب کہ اسلام سزا میں کمی کی وجوہ میں ثبوت کے بجائے جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت 25 میں واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 7: (زیادتی کا شکار ہونے والی خاتون کا بیان اعتراف گناہ نہیں)

ایک ایسی عورت جس نے اپنی عصمت دری کا دعویٰ کیا ہو اگر حدود آرڈیننس کے تحت

مناسب شہادت اور ثبوت نہ پیش کر سکے تو اسے زنا کا مرتکب اور اس کے بیان کو اعتراف گناہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ یوں حیرت انگیز طور پر عصمت دری کا شکار ہونے والی عورت کو زانیہ اور بدکار قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے نام پر ہونے والی یہ کارروائی صریح ناانصافی اور ناقابل قبول ہے۔

سفارش 7:

عقل انسانی فلسفہ و منطق، قانون اور شریعت سب کا تقاضہ ہے کہ مدعی اور مدعہ علیہ ظالم و مظلوم شکار اور شکاری کے درمیان تمیز کی جائے۔ اگر اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو زیادتی کا شکار ہونے والی کو ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون قذف اسی اصول کی عکاسی کرتا ہے۔ قذف کا اطلاق ایسے افراد پر ہوتا ہے جس نے کسی دوسرے پر جھوٹا الزام یا تہمت لگائی ہو۔ زیادتی یا جرم کا شکار ہونے والے پر قذف نہیں لگ سکتی۔ اسی باعث قذف کا اطلاق زنا کے جھوٹے الزام پر ہوتا ہے، زنا بالجبر کے معاملے پر نہیں جہاں شکایت ایسی عورت کرتی ہے جو خود جرم کا شکار ہوئی ہو۔ زنا بالجبر کے معاملے میں قذف از خود نہیں ہوگی بلکہ ملزم بری ہونے کے بعد ایک الگ کیس کرے گا اور یہ ثابت کرے گا کہ الزام بدنیتی پر مبنی تھا۔

مسئلہ نمبر 8: (زنا اور زنا بالجبر کے لیے شہادتوں میں فرق)

آج تک عصمت دری کے کسی ملزم پر حد کا اطلاق نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کوئی بھی مقدمہ نہیں جس میں چار متقی اور ایمان دار اور سچے گواہ دستیاب ہوں۔ قرآن میں چار گواہوں کی ضرورت زنا (زنا بالجبر نہیں) کے مقدمات میں بیان کی گئی ہے۔ علم اور تجربے سے معلوم ہو چکا ہے کہ زنا کو اس طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا ہم اسلام کے نام پر کسی ایسے قانون کے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے مکروہ جرائم میں ملوث مجرم انصاف کے کٹہرے میں نہ لائے جا سکیں۔

سفارش 8:

زنا بالجبر کے معاملے میں ایسے چار گواہوں کا ملنا ممکن نہیں جو تزکیۃ الشہود کی شرائط پر پورا اترتے ہوں اور عدالت میں گواہی دینے پر بھی آمادہ ہوں۔ ایسی صورت حال میں سائنس اور میڈیکل کا علم بطورِ گواہی زنا بالجبر کے کیس میں لایا جا سکتا ہے۔ اس طرح مجرم کی شناخت بھی ممکن ہو سکے گی۔ سائنس اور میڈیکل کے ذریعے جرم ثابت ہو جائے تو پھر مجرم پر حد کا اطلاق ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو عصمت دری کی شکار عورتوں کو انصاف نہیں ملے گا اور مجرم کو سزا نہیں ملے گی۔ یقیناً اللہ معاشرے میں اس طرح کی بے انصافی کو پسند نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 9: (زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق)

حدود آرڈیننس میں زنا اور زنا بالجبر کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا، دونوں جرائم کے لیے ثبوت اور سزا کا ایک ہی معیار ہے۔ مثال کے طور پر بدکاری کرنے والے غیر شادی شدہ شخص کی سزا وہی ہے جو غیر شادی شدہ زانی کی یعنی سو کوڑے۔ حدود آرڈیننس کے جرم کی نوعیت نہیں بلکہ مجرم کی ازدواجی حیثیت میں تمیز کرتا ہے۔ اس طرح زنا اور بدکاری کو ایک ہی درجے میں رکھا گیا ہے، غلطی مفروضے کی بنیاد پر آرڈیننس تیار کرنے والوں کی ہے اور ہم اسے شریعت اسلامی کے مطابق قرار نہیں دے سکتے۔ زنا بالجبر زیادہ گھناؤنا اور مکروہ جرم ہے جس کی سزا بھی زیادہ ہونی چاہیے اس کے لیے ثبوت و شہادت بھی زنا کے معاملے سے مختلف ہونی چاہیے۔ یہ بات کہ مجرم شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ ایک ثانوی بحث ہے۔ زنا بالجبر کے معاملے میں اس کا کوئی تعلق نہیں، ہم اپنے آپ سے ایک سوال پوچھ سکتے ہیں: ''کیا زنا کی شکار ہونے والی خاتون کے لیے یہ بات کوئی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کا مجرم شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟''

سفارش نمبر 9:

زنا کے جرم میں قرآن حکیم کے احکام بہت واضح ہیں کہ اگر چار گواہ موجود ہوں تو حد لاگو ہوگی (سو کوڑوں کی سزا) لیکن زنا بالجبر کے معاملے میں شہادتوں اور ثبوت کا درجہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ جہاں سزا کا تعلق ہے تو اسے ان آیات میں تلاش کیا جاسکتا ہے جو حرابہ سے متعلق ہیں (حرابہ ان انتہائی اور کم از کم سزاؤں سے بحث کرتا ہے جو زمین پر فساد پھیلانے (فساد فی الارض) یا معاشرے کے خلاف جنگ کے جرائم سے متعلق ہوں) ایسے امور میں سنگینی کا انحصار مجرم کے حالات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی جرم کو ثابت کرنے اور پھر سزا دینے کا حق دیا ہے تمام فقہاء متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ایسے جرائم کو چھوڑ کر جن میں مطلوبہ ثبوت شہادت کا خاص طور سے ذکر ہے، باقی تمام جرائم کا مقدمہ عام کارروائی کے ضابطوں کے تحت چلنا چاہیے۔ اللہ کی طرف سے ثبوت وشہادت کا تعین زنا کے معاملے میں کر دیا گیا ہے۔ بعض معاملات کو طے کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر چھوڑ دی ہے تا کہ وہ فیصلہ کریں۔ یوں فطری انصاف کا اصول متاثر نہ ہو۔ اس کے لیے اجتہاد کیا جاسکتا ہے ہم یہ اجتہاد بھی کر سکتے ہیں کہ بدکاری اور زنا بالجبر دو الگ جرائم ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا مسائل اور سفارشات سے ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر 10: غیر مسلم اور حدود اللہ:

پاکستان میں حدود آرڈیننس کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی کر دیا گیا ہے جبکہ اسلامی ریاست میں شریعت کا تقاضہ ہے کہ غیر مسلم اپنے طور طریقوں کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں، ان پر مقدمات بھی ان کی مذہبی تعلیم کے مطابق چلنے چاہئیں۔

سفارش نمبر 10:

قرآنی احکام کا اطلاق ان لوگوں پر ہو جاتا ہے جو قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، اس کا نفاذ اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والوں پر کیا گیا تب یہ جبر اور دباؤ کا معاملہ ہو جائے گا اور اسلام جبر کے خلاف ہے۔ حدود آرڈیننس کے قانون میں اس طرح ترمیم کی

جائے کہ اسلامی روایات پیش نظر رہیں۔ ہم معاشرے میں عدم رواداری اور دھونس دھاندلی کے فروغ کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔ ان معاملات میں غیر مسلموں پر مقدمہ عام قوانین یعنی پاکستان پینل کوڈ کے تحت ہونا چاہیے۔

مسئلہ نمبر 11: (گواہوں کا معیار)

گواہوں کا معیار کا تعین کرتے وقت حدود آرڈیننس میں مذہب اور جنس کی بنیاد پر تمیز کی گئی ہے اور یہ شریعت کے منافی ہے۔

سفارش نمبر 11:

گواہ کا معیار اس کا بااعتبار ہونا، اچھا کردار ایمانداری ہونا چاہیے، یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ گواہ زیادتی کی شکار عورت یا ملزمہ سے کوئی عداوت نہیں رکھتا اور کسی دوسرے فریق کا حامی نہیں۔ قرآن نے گواہی کے سلسلے میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی ہے کیونکہ گواہ کے لیے جو معیار مقرر کیا گیا ہے اس سے جنس و مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ حدود اللہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی ایسا کوئی امتیاز نہیں کرنا چاہیے، یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ارتکابِ جرم کے وقت گواہوں کا انتخاب کسی کے بس میں نہیں اس کا انحصار حالات اور وقت پر ہے۔ (www.geotv.com)

''تحفظ حقوق نسواں بل'' کا مکمل متن

چونکہ یہ ضروری ہے کہ قانون کے غلط اور بے جا استعمال کے خلاف خواتین کی دادرسی کی جائے اور تحفظ فراہم کیا جائے اور ان کے استحصال کو روکا جائے اور چونکہ دستور کا آرٹیکل 14 اس امر کو یقینی بناتا ہے کہ شرف انسانی اور قانون کے تابع گھر کی خلوت قابل حرمت ہوگی اور چونکہ دستور کا آرٹیکل 25 اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ محض جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ ریاست خواتین کے تحفظ کے لیے تصریحات وضع کرے گی اور چونکہ دستور کا آرٹیکل 37 سماجی انصاف کو فروغ دینے اور سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اور چونکہ اس بل کا مقصد ایسے قوانین لانا ہے جو زنا اور بالخصوص قذف سے متعلق ہوں بالخصوص دستور کے بیان کردہ مقاصد اور اسلامی احکام سے مطابقت رکھتے ہوں۔

اور چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ مذکورہ بالا اغراض کے لیے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء (ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء) مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء (ایکٹ نمبر 5 بابت 1898ء) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان 1939ء (نمبر 8 بابت 1939ء) زنا کا جرم (نفاذِ حدود) آرڈیننس 1979ء (نمبر 7 مجریہ 1979ء) اور قذف کا جرم (حد کا نفاذ) آرڈیننس، 1979ء میں اور بعدازیں ظاہر ہونے والی اغراض کے لیے مزید ترمیم کی جائے۔

لہٰذا بذریعہ حسبِ ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:

(1) مختصر عنوان اور آغازِ نفاذ:

(1) یہ ایکٹ (خواتین کا تحفظ) (فوجداری قانون ترمیمی) ایکٹ 2006ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

(2) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

(2) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء) میں جس کا حوالہ بعد ازیں ''مجموعہ قانون'' کے طور پر دیا گیا ہے دفعہ 365 الف کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی، یعنی ......

365 ب: عورت کو نکاح وغیرہ پر مجبور کرنے کے لیے اغواء کرنا، لے بھاگنا یا ترغیب دینا:

''جو کوئی بھی کسی عورت کو اس ارادے سے کہ اسے مجبور کیا جائے یا یہ جانتے ہوئے کہ اسے مجبور کرنے کا احتمال ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کسی شخص سے نکاح کرے یا اس غرض کہ ناجائز جماع پر مجبور کی جائے یا پھسلائی جائے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اسے ناجائز جماع پر مجبور کرلیا جائے گا یا پھسلا لیا جائے گا، لے بھاگے یا اغواء کرلے تو عمر قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا اور جب کوئی بھی اس مجموعہ قانون میں تعریف کردہ تخویف مجرمانہ کے ذریعے یا اختیار کے بے جا استعمال یا جبر کے کسی دوسرے طریقے کے ذریعے، کسی عورت کو کسی جگہ سے جانے کے لیے اس ارادے سے یا یہ جانتے ہوئے ترغیب دے کہ اس امر کا احتمال ہے کہ اسے کسی دوسرے شخص کے ساتھ ناجائز جماع پر مجبور کیا جائے گا یا پھسلا لیا جائے گا تو وہ بھی مذکورہ بالا طور پر قابل سزا ہوگا۔''

(3) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مذکورہ مجموعہ قانون میں دفعہ 367 کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی، یعنی ......

367 الف: ''جو کوئی بھی کسی شخص کو اس غرض سے کہ مذکورہ شخص کی غیر فطری خواہش نفسانی کا نشانہ بنایا جائے یا اس طرح ٹھکانے لگایا جائے کہ وہ کسی شخص کی غیر فطری خواہش

نفسانی کا نشانہ بننے کے خطرے میں پڑ جائے یا اس امر کے احتمال کے علم کے ساتھ کہ مذکورہ شخص کو بایں طور پر نشانہ بنایا جائے گا یا ٹھکانے لگایا جائے گا لے بھاگے یا اغواء کرے تو اسے موت یا پچیس سال تک کی مدت کے لیے قید سخت کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔"

(4) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعات کی شمولیت:

مذکورہ مجموعہ قانون میں اس دفعہ 371 کے بعد حسب ذیل نئی دفعات شامل کر دی جائیں گی، یعنی......

"371 الف: کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض کے لیے فروخت کرنا، جو کوئی بھی کسی شخص کو اس نیت سے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت عصمت فروشی یا کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع یا غرض سے یا کسی ناجائز اور غیر اخلاقی مقصد کے لیے کام میں لگایا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا یا اس امر کے احتمال کا علم رکھتے ہوئے کہ مذکورہ شخص کو کسی بھی وقت مذکورہ غرض کے لیے کام میں لگایا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا، فروخت کرے، اجرت پر چلائے یا بصورتِ دیگر حوالے کرے تو اسے پچیس سال تک کی مدت کے لیے سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔"

تشریحات:

(الف) جب کوئی عورت کسی طوائف یا کسی شخص کو جو کسی چکلے کا مالک یا منتظم ہو، فروخت کی جائے، اجرت پر دی جائے یا بصورتِ دیگر حوالے کی جائے تو مذکورہ عورت کو بایں اور حوالے کرنے والے شخص کے متعلق تاوقتیکہ اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اسے اس نیت سے حوالے کیا تھا کہ اسے عصمت فروشی کے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

(ب) دفعہ ہذا اور دفعہ 371 ب کی اغراض کے لیے "ناجائز جماع" سے ایسے

اشخاص کے مابین جماع مراد ہے جو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہوں۔

371ب: کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض سے خریدنا جو کوئی بھی کسی شخص کو اس نیت سے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت عصمت فروشی کے لیے یا کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع کے لیے یا کسی ناجائز اور غیر اخلاقی مقصد کے لیے کام میں لگایا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا یا اس امر کے احتمال کا علم رکھتے ہوئے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت کسی مذکورہ مقصد کے لیے کام میں لگایا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا، خریدے، اجرت پر رکھے یا بصورتِ دیگر اس کا قبضہ حاصل کرے تو اسے پچیس سال تک کی مدت کے لیے سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

تشریح:

کوئی طوائف یا کوئی شخص جو کسی چکلے کا مالک یا منتظم ہو کسی عورت کو خریدے، اجرت پر رکھے یا بصورتِ دیگر اس کا قبضہ حاصل کرے تو تاوقتیکہ اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے یہ تصور کیا جائے گا کہ اس عورت پر اس نیت سے قبضہ کیا گیا تھا کہ اسے عصمت فروشی کے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

(5) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مذکورہ مجموعہ قانون میں دفعہ 374 کے بعد ذیلی عنوان "زنا بالجبر" کے تحت حسب ذیل نئی دفعات 375 اور 376 شامل کردی جائیں گی، یعنی......

375: زنا بالجبر: کسی مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا جو ماسوائے ان مقدمات کے جو بعد ازاں مستثنیٰ ہوں، کسی عورت کے ساتھ مندرجہ ذیل پانچ حالات میں سے کسی میں جماع کرے۔

(اول) اس کی مرضی کے خلاف۔

(دوم) اس کی مرضی کے بغیر۔

(سوم) اس کی رضا مندی سے، جبکہ رضا مندی اس کو ہلاک یا ضرر کا خوف دلا کر حاصل کی گئی ہو۔

(چہارم) اس کی مرضی سے جبکہ مرد جانتا ہو کہ وہ اس کے ساتھ نکاح میں نہیں ہے اور یہ کہ رضا مندی کا اظہار اس وجہ سے کیا گیا ہے کیونکہ وہ یہ باور کرتی ہے کہ مرد وہ دوسرا شخص ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوتا وہ باور کرتا ہے یا کرتی ہے؟ یا

(پنجم) اس کی رضا مندی سے یا اس کے بغیر جب کہ وہ سولہ سال سے کم عمر کی ہو۔

تشریح:

''زنا بالجبر کے جرم کے لیے مطلوبہ جماع کے تعین کے لیے دخول کافی ہے۔''

376: زنا بالجبر کے لیے سزا:

(1) جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید جو کم سے کم پانچ سال یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک ہوسکتی ہے دی جائے گی اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔

(2) جب زنا بالجبر کا ارتکاب دو یا زیادہ اشخاص نے بہ تائید باہمی رضا مندی سے کیا ہو تو ان میں سے ہر ایک شخص کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

(6) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مذکورہ مجموعہ قانون میں باب 20 میں حسب ذیل نئی دفعہ شامل کر دی جائے گی، یعنی......

493 الف: کسی شخص کا فریب سے جائز نکاح کا یقین دلا کر ہم بستری کرنا:

''ہر وہ شخص جو فریب سے کسی عورت کو جس سے جائز طریقہ پر اس نے نکاح نہ کیا ہو یہ باور کرائے کہ اس نے اس عورت سے جائز طور پر نکاح کیا ہے اور اسے اس یقین کے ساتھ اپنے ساتھ ہم بستری پر آمادہ کر لے تو اسے پچیس سال تک کی مدت کے لیے قید سخت دی

جائے گی اور جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔"

(7) ایکٹ نمبر 45 بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مذکورہ مجموعہ قانون میں دفعہ 496 کے بعد حسب ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی، یعنی......

496 الف: کسی عورت کو مجرمانہ نیت سے ورغلانا یا نکال کرلے جانا یا روک رکھنا: جو کوئی بھی کسی عورت کو اس نیت سے نکال کرلے جائے یا ورغلا کرلے جائے کہ وہ کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع کرے یا کسی عورت کو مذکورہ نیت سے چھپائے یا روک رکھے تو اسے سات سال تک کی مدت کے لیے کسی بھی قسم کی سزائے قید دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

496 ب: زنا: غیر منکوحہ مرد اور عورت اگر رضامندی سے جنسی تعلقات قائم کرے تو وہ زنا کے مرتکب ہوں گے۔

496 ج: زنا کے جھوٹے الزام کی سزا: جو کوئی بھی شخص کسی شخص کے خلاف زنا کا جھوٹا الزام لگائے یا لائے یا گواہی دے وہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال تک قید اور زیادہ سے زیادہ 10 ہزار روپے کے جرمانے کا مستوجب ہوگا۔

بشرطیکہ: عدالت کا پریذائیڈنگ آفیسر مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء کے دفعہ 203 ج کے شکایت خارج کرنے اور ملزم کو اپنا اظہار وجوہ بیان کرنے کا موقع فراہم کرنے کے بعد اگر وہ مطمئن ہوں کہ اس دفعہ کے تحت جرم کیا گیا ہے اور مزید ثبوت کی ضرورت نہیں ہوگی، اور فی الفور فیصلہ سنانے کے لیے کارروائی عمل میں لائے گا۔

(8) ایکٹ نمبر 5 بابت 1898ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء (ایکٹ 1891ء) میں دفعہ 203 کے بعد حسب ذیل نئی دفعات شامل کردی جائیں گی، یعنی......

203 الف: زنا کی صورت میں نالش:

(1) کوئی عدالت زنا کے جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (نمبر 7 مجریہ 1979ء) دفعہ 5 کے تحت کسی جرم کی سماعت نہیں کرے گی۔ ماسوائے اس نالش کے جو کسی اختیار سماعت رکھنے والی مجاز عدالت میں دائر کی جائے۔

(2) کسی نالش پر جرم کا اختیار سماعت رکھنے والی عدالت کا افسر صدارت کنندہ فوری طور پر مستغیث اور جرم کے لیے ضروری دخول کے فعل کے کم از کم چار چشم دید مسلمان بالغ مرد گواہوں جن کے بارے میں عدالت تزکیہ الشہود کی مقتضیات کے ضمن میں مطمئن ہو کہ وہ سچے افراد ہیں اور گناہِ کبیرہ سے اجتناب کرنے والے ہیں کی حلف پر جانچ پڑتال کرے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر ملزم غیر مسلم ہے تو چشم دید گواہ غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔

وضاحت: دفعہ ہذا میں ''تزکیہ شہود'' سے مراد کسی گواہ کی ساکھ کے بارے میں تسلی کے لیے عدالت کی جانب سے اختیار کردہ تحقیقات کا طریقہ کار ہے۔

(3) مستغیث اور گواہوں کی جانچ پڑتال کرنے کے لیے مواد کو تحریر تک محدود کر دیا جائے گا اور اس پر مستغیث اور گواہوں کے جیسی بھی صورت ہو اور عدالت کے افسر صدارت کنندہ کے بھی دستخط ہوں گے۔

(4) اگر عدالت کے افسر صدارت کنندہ کی یہ رائے ہو کہ کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود ہے تو عدالت ملزم کی اصالتاً حاضری کے لیے سمن جاری کرے گی۔

(5) کسی عدالت کا افسر صدارت کنندہ جس کے روبرو نالش دائر کی گئی ہو یا جس کو یہ منتقل کی گئی ہو، اگر وہ مستغیث اور گواہوں کے حلفیہ بیانات کے بعد یہ فیصلہ دے کہ کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود نہیں ہے، نالش کو خارج کر سکے گا اور ایسی صورت میں وہ اس کی وجوہات قلمبند کرے گا۔

203 ب قذف کی صورت میں نالش:

(1) جرم قذف (نفاذ حد) آرڈیننس 1979ء (8 بابت 1979ء) کی دفعہ 6 کی ذیلی دفعہ (2) کے تحت کوئی عدالت، ماسوائے مجاز اختیار کی حامل کی کسی عدالت میں درج کرائی گئی کسی نالش کی، مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 7 کے تحت کوئی عدالت کسی جرم کی سماعت نہیں کرے گی۔

(2) کسی نالش پر جرم کی اختیار سماعت رکھنے والی عدالت کا پریذائیڈنگ آفیسر مستغیث اور جرم کے لیے ضروری قذف کے فعل کے گواہوں، جن کا جرم قذف (نفاذ حد) آرڈیننس، 1979ء (نمبر 8 مجریہ 1971ء) کی دفعہ 6 میں ذکر کیا گیا ہے، کے حلف پر فوری طور پر جانچ پڑتال کرے گا۔

(3) مستغیث کی جانچ پڑتال کو مواد وتحریر تک محدود کردیا جائے گا اور اس پر مستغیث اور گواہوں کے جیسی بھی صورت ہو اور افسر صدارت کنندہ کے بھی دستخط ہوں گے۔

(4) اگر کسی عدالت کے افسر صدارت کنندہ کی یہ رائے ہو کہ کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود ہے تو عدالت ملزم کی اصالتاً حاضری کے لیے سمن جاری کرے گی۔

(5) کسی عدالت کا افسر صدارت کنندہ جس کے روبرو نالش دائر کی گئی ہو یا جس کو یہ منتقل کی گئی ہو، اگر وہ مستغیث اور گواہوں کے حلفیہ بیانات کے بعد یہ فیصلہ دے کہ کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود نہیں ہے، نالش کو خارج کر سکے گا اور ایسی صورت میں وہ اس کی وجوہات قلمبند کرے گا۔

203 ج زنا کی شکایت:

(1) کوئی عدالت تعزیرات پاکستان کے دفعہ 496 ب کے تحت جرم پر کارروائی نہیں کرے گا سوائے مجاز عدالت کی دائرہ میں درج شدہ شکایت پر۔

(2) کارروائی کرنے والی عدالت کا پریذائیڈنگ آفسر شکایت کے حلف نامے پر

جائزہ لے گا اور زنا کی کارروائی کے لیے کم از کم دو گواہوں کا ہونا۔

(3) جائزہ کی کارروائی شکایت کنندہ اور گواہوں کی تحریری صورت میں لائی جائے اور شکایت کنندہ اور گواہوں کے دستخط ہوں گے جو بھی صورت ہو اور عدالت کے پریذائیڈنگ آفیسر کے بھی دستخط ہوں گے۔

(4) اگر عدالت کے پریذائیڈنگ آفیسر کی رائے میں کارروائی کے لیے کافی وجوہات موجود ہوں تو عدالت ملزم کو بذات خود حاضر ہونے کے لیے سمن جاری کرے گا۔

بشرطیکہ: عدالت کے پریذائیڈنگ آفیسر کو ملزم سے کسی سیکیورٹی سوائے پرسنل بانڈ بغیر ضمانت کے فراہم کیے عدالت میں مزید کارروائی کے لیے حاضری کو یقینی بنائے۔

(5) عدالت کے پریذائیڈنگ آفیسر جس کے پاس شکایت کی گئی ہے یا منتقل کی گئی ہے، شکایت کو خارج کرنے، اگر حلف نامے پر تحریری شکایت اور گواہوں کے بیانات پر غور وخوض کے بعد اس کی رائے میں کارروائی کے لیے کافی وجوہات موجود نہیں ہے اور اس طرح کے کیس میں اس طرح کرنے کے لیے وہ اپنا وجوہ ریکارڈ کرائے گا۔

(6) باوجودیکہ ختم کی گئی دفعات یا فی الوقت نافذ العمل کسی قانون میں شامل کسی امر کسی شخص کے خلاف کی گئی شکایت پر کوئی کارروائی نہیں ہوگی، یعنی جو جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 5 کے تحت قرار دیا گیا کوئی ملزم اور ایسا شخص جس کے خلاف اس ضابطہ کی دفعہ 203 الف کے تحت کی گئی شکایت زیر التواء ہو یا نمٹا دی گئی ہو یا اسے رہا کر دیا گیا ہو یا کسی بھی ایسے شخص کے خلاف جس کے خلاف زنا کے مقدمے میں شکایت کی گئی ہو یا جو بھی صورت ہے۔

(9) ایکٹ 5 بابت 1898ء کے جدول دوم کی ترمیم:

مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء (ایکٹ نمبر 5 بابت 1898ء) میں جدول دوم میں

......

(اول) کالم 1 میں دفعہ 365 الف اور اس سے متعلقہ کالم 6 تا 8 کے اندراجات کے بعد، حسب ذیل شامل کر دیئے جائیں گے، یعنی......

1	2	3	4	5	6	7	8
315ب	عورت کو اس کے نکاح وغیرہ پر مجبور کرنے کیلئے لے بھاگنا یا اغواء کرنا یا ترغیب دینا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	عمر قید اور جرمانہ	ایضاً

1	2	3	4	5	6	7	8
315ب	نشانہ بنانے کی غرض سے لے بھاگنا یا اغواء کرنا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	پچیس سال تک سزائے قید اور جرمانہ	ایضاً

(سوم) کالم 1 میں دفعہ 371 اور اس سے متعلقہ کالم 2 یا 8 کے اندراجات کے بعد حسب ذیل شامل کر دیئے جائیں گے، یعنی......

1	2	3	4	5	6	7	8
371الف	کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض کیلئے فروخت کرنا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	پچیس سال تک سزائے قید اور جرمانہ	ایضاً
371ب	کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض سے خریدنا						

(چہارم) دفعہ 374 کے بعد زنا بالجبر کا ذیلی عنوان شامل کر دیا جائے گا۔

(پنجم) دفعہ 376 سے متعلق کالم 1 تا 8 میں موجودہ اندرجات کی بجائے حسب ذیل تبدیل کر دیئے جائیں گے، یعنی......

1	2	3	4	5	6	7	8
376الف	زنا بالجبر	بلا وارنٹ گرفتار کر سکے گا	وارنٹ	نا قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	سزائے موت یا کم از کم دس یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک سزائے قید اور جرمانہ پچیس سال تک سزائے قید اور جرمانہ	سیشن عدالت
						سزائے موت یا عمر قید، اگر جرم کا ارتکاب یا زیادہ اشخاص نے بہ تائید باہمی سے کیا ہو	

(ششم) کالم 1 میں دفعہ 493 اور اس سے متعلقہ کالم 2 تا 8 میں اندرجات کے بعد، حسب ذیل شامل کر دیئے جائیں گے، یعنی......

1	2	3	4	5	6	7	8
493الف	کسی شخص کا فریب سے جائز نکاح کا یقین دلا کر ہم بستری کرنا	بغیر وارنٹ گرفتار کر سکے	وارنٹ	نا قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	پچیس سال تک قید اور جرمانہ	ایضاً

(ہفتم) دفعہ 494 کے کالم 1 میں کالم 3 میں لفظ ''ایضاً'' کی بجائے الفاظ بلا وارنٹ گرفتار نہیں کرے گا، تبدیل کر دیئے جائیں گے؟

(ہشتم) کالم 1 میں دفعہ 596 اور اس سے متعلقہ کالم 2 تا 8 میں اندراجات کے بعد حسبِ ذیل شامل کر دیئے جائیں گے، یعنی ......

1	2	3	4	5	6	7	8
496الف	کسی عورت کو مجرمانہ نیت سے ورغلایا یا نکال کر لے جانا یا روک رکھنا	بغیر وارنٹ گرفتار کر سکے	ایضاً	نا قابل ضمانت	ایضاً	سات سال تک کیلئے کسی بھی قسم کی سزائے قید اور جرمانہ	سیشن عدالت یا مجسٹریٹ درجہ اول
496ب	زنا	وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا	سمن	قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	زیادہ سے زیادہ 5 سال قید اور 1 ہزار روپے تک جرمانہ	درجہ اول کا مجسٹریٹ
496ج	زنا کا جھوٹا الزام	وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا	سمن	قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	زیادہ سے زیادہ 5 سال قید اور 1 ہزار روپے تک جرمانہ	درجہ اول کا مجسٹریٹ

(نہم) دیگر قوانین کے خلاف جرائم کے عنوان کے تحت کالم 1 میں آخری اندراج کے بعد اور کالم 2 تا 8 میں اس سے متعلقہ اندراجات کے بعد حسبِ ذیل شامل کر دیئے جائیں گے، یعنی ......

1	2	3	4	5	6	7	8
آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 5	زنا	وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا	سمن	قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	محصن کی صورت میں موت تک سنگسار کرنا اور اگر محصن نہ ہو تو ایک سو کوڑوں کی سزا	سیشن عدالت
آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 7	قذف	وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا	سمن	قابل ضمانت	نا قابل مصالحت	اسی کوڑوں کی سزا	سیشن عدالت

(10) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء مجریہ 1979 کی دفعہ 2 کی ترمیم:

زنا کے جرم (نافذ حدود) آرڈیننس 1979ء

(i) شق (الف) کے بعد حسبِ ذیل نئی شق (الف الف) شامل کردی جائے گی۔

(الف الف) ''اعتراف'' سے مراد اس کے برعکس کسی عدالت کے فیصلے کے باوجود ملزم کی طرف سے زنا کے جرم کے ارتکاب کو واضح طور پر تسلیم کرتے ہوئے اس معاملے میں اختیار کی حامل کی سیشن عدالت کے روبرو یا مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء (ایکٹ نمبر 5 مجریہ 1898ء) کی دفعہ 203 الف کے تحت سمن موصول ہونے پر دیا گیا رضاکارانہ زبانی بیان مراد ہے۔''

(ii) شق (ہ) حذف کردی جائے گی۔

(11) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 3 کو حذف کرنا:

زنا کے جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 3 کو حذف کردیا جائے گا۔

(12) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء مجریہ 1979 کی دفعہ 4 کی ترمیم:

زنا کے جرم نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) میں دفعہ میں لفظ ''جائز طور پر'' اور مذکورہ دفعہ کے آخر میں تشریح کو حذف کردیا جائے گا۔

12 الف: آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء میں نئی دفعہ کی شمولیت:

زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 5 کے بعد حسبِ ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی، یعنی......

5 الف: ان دفعات کے تحت کوئی بھی مقدمہ دائر، رجسٹرڈ یا قائم نہیں ہوگا۔ دفعہ 5 کو مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء کی دفعہ 203 کو ساتھ ملا کر پڑھتے ہوئے زنا کے کسی بھی مقدمے کو کسی بھی مرحلہ پر تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ 45 مجریہ 1860ء) کے طور پر بدکاری کی شکایت میں نہیں بدلا جائے گا اور بدکاری کی شکایت کو کسی مرحلہ پر بھی زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 5 کے تحت زنا میں بدلا جائے گا نہ ہی فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون کے تحت ایسی ہی قسم کا کوئی جرم بدلا جائے گا۔

(13) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء مجریہ 1979ء کی دفعات 6 اور 7 کا حذف کرنا:

زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعات 6 اور 7 کو حذف کر دیا جائے گا۔

(14) آرڈیننس نمبر 7 کی دفعہ 8 کی ترمیم:

جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) میں دفعہ 8 میں......

(i) الفاظ اور سکتے یا زنا بالجبر کو حذف کر دیا جائے گا۔

(ii) نوٹ میں الفاظ یا ''زنا بالجبر'' کو حذف کر دیا جائے گا۔

(15) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 9 کی ترمیم:

(1) زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 9 میں......

(اول) الفاظ یا ''زنا بالجبر'' حذف کر دیئے جائیں گے۔

(دوم) ذیلی دفعہ (2) میں الفاظ یا ''زنا بالجبر'' حذف کر دیئے جائیں گے۔

(سوم) ذیلی دفعات (3) اور (4) حذف کر دی جائیں گی۔

(16) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعات 10 تا 18,16 اور 19 کا احذاف:

زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعات 10 تا 18,16 اور 19 حذف کردی جائیں گی۔

(17) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 17 کی ترمیم:

جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) میں دفعہ 17 میں الفاظ اور ہندسہ "دفعہ" حذف کردیے جائیں گے۔

(18) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 20 کی ترمیم:

(1) زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) میں......

(اول) ذیلی دفعہ (1) میں پہلا فقرہ شرطیہ حذف کردیا جائے گا اور دوسرے فقرہ شرطیہ میں لفظ "مزید" حذف کردیا جائے گا۔

(دوم) ذیلی دفعہ (3) کو حذف کردیا جائے گا۔

(سوم) ذیلی دفعہ (5) کو حذف کردیا جائے گا۔

(19) آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 2 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) میں شق (الف) کی بجائے حسبِ ذیل تبدیلی کردی جائے گی، یعنی......

"الف"، "بالغ"، "حد" اور "زنا" کا ایک ہی جیسا مفہوم ہے، جیسا کہ جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء میں ہے اور"

(20) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 4 کا احذاف:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی

دفعہ 4 کو حذف کر دیا جائے گا۔

(21) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 6 کا احذاف:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 6 کو مذکورہ دفعہ کی ذیلی دفعہ (1) کے طور پر دوبارہ نمبر لگایا جائے گا اور مذکورہ بالا طور پر دوبارہ نمبر لگائے گی ذیلی دفعہ (1) کے بعد حسبِ ذیل نئی ذیلی دفعہ (2) کا اضافہ کر دیا جائے گا، یعنی......

(2) کسی عدالت کا افسر صدارت کنندہ مجموعہ ضابطہ فوجداری 1879ء کی دفعہ 203 الف کے تحت استغاثہ خارج کرتے ہوئے یا جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 5 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 7 کے تحت کسی مجرم کو بری کرتے ہوئے اگر مطمئن ہو کہ جرم قذف مستوجب حد کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ قذف کا کوئی ثبوت طلب نہیں کرے گا اور دفعہ 7 کے تحت سزا کا حکم صادر کرے گا۔

(22) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 8 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 8 میں الفاظ یا پولیس کو کی گئی رپورٹ حذف کر دیئے جائیں گے۔

(23) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 9 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 9 میں ذیلی دفعہ (2) کی بجائے حسبِ ذیل تبدیلی کر دی جائے گی، یعنی......

(2) کسی ایسے مقدمے میں جس میں حد کی تعمیل سے قبل، مستغیث، قذف کا الزام واپس لے لے یا یہ بیان دے کہ ملزم نے جھوٹا اقبال کیا ہے یا یہ کہ گواہوں میں سے کسی نے جھوٹا بیان دیا ہے تو حد کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(24) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعات 10 تا 13 اور 15 کی

ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعات 13 تا 10 اور 15 حذف کر دی جائے گی۔ ذیلی دفعات (3) حذف کر دی جائے گی۔

(26) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 16 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) میں دفعہ 16 حذف کر دی جائے گی۔

(27) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 17 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 17 میں......

(اول) پہلے فقرہ شرطیہ کو حذف کر دیا جائے گا۔

(دوم) دوسرے فقرہ شرطیہ کی بجائے حسب ذیل تبدیل کر دیا جائے گا، یعنی......

''مگر شرط یہ ہے کہ دفعہ 7 کے تحت قابل سزا کوئی جرم سیشن عدالت میں قابل سماعت ہوگا نہ کہ مذکورہ ضابطے کی دفعہ 30 کے تحت مجاز مجسٹریٹ کے ذریعے سے یا اس کے روبرو اور سیشن عدالت کے حکم کے خلاف اپیل وفاقی شرح عدالت میں دائر ہوگی۔''

(28) آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء کی دفعہ 19 کی ترمیم:

قذف کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 8 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 19 حذف کر دی جائے گی۔

(29) انفساخ ازدواج مسلمانان ایکٹ 1935ء (نمبر 8 بابت 1939ء) میں نئی دفعہ کی شمولیت:

انفساخ ازدواج مسلمانان ایکٹ 1935ء (نمبر 8 بابت 1939ء) میں دفعہ 2 میں

شق (7) کے بعد حسبِ ذیل نئی دفعہ شامل کردی جائے گی، یعنی......

(7الف) لعان:

تشریح: لعان سے مراد جب کہ کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی اس تہمت کو سچ تسلیم نہ کرے۔

بیان اغراض و وجود

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسلمہ دستوری مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات اور مقتضایات کے مطابق جیسا کہ قرآن پاک اور سنت میں موجود ہے بحثیت انفرادی اور اجتماعی زندگیاں گزارنے کے قابل بنایا جائے۔

چنانچہ دستور اس امر کی تاکید کرتا ہے کہ موجودہ تمام قوانین کو اسلامی حکام کے مطابق جس طرح کہ قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، بنایا جائے۔

اس بل کا مقصد بالخصوص زنا اور قذف سے متعلق قوانین کو بالخصوص بیان کردہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مقاصد اور دستوری ہدایت کے مطابق بنانا ہے اور خاص طور پر قانون کے بے جا اور غلط استعمال کے خلاف خواتین کی دادرسی کرنا اور انہیں تحفظ فراہم کرنا ہے۔

قرآن پاک میں زنا اور قذف کے جرائم کے بارے میں موجود ہے، زنا اور قذف سے متعلق دو آرڈیننس، اس حقیقت کے باوجود کہ قرآن و سنت نے نہ تو ان جرائم کی وضاحت کی ہے اور نہ ان کے لیے سزا مقرر کی ہے تاہم دیگر قابل سزا قوانین کے شمار میں اضافہ کرتے ہیں زنا اور قذف کے لیے سزائیں قصاص کے کسی اصول کے بغیر یا ان جرائم کے لیے ثبوت کے کسی طریقے کی نشاندہی کے بغیر نہیں دی جاسکتیں۔

کوئی جرم جس کا حوالہ قرآن پاک اور سنت میں نہیں ہے یا جس کے لیے اس میں سزا کے بارے میں نہیں بتایا گیا وہ تعزیر ہے جو ریاستی قانون سازی کا موضوع ہے یہ دونوں کام

ریاست کے ہیں کہ وہ مذکورہ جرائم کی وضاحت کرے اور ان کے لیے سزاؤں کا تعین کرے۔ ریاست مذکورہ اختیار کو مکمل اسلامی ہم آہنگی کے ذریعے استعمال کرتی ہے، جو ریاست کو وضاحت اور سزا ہر دو کا اختیار دیتا ہے۔ اگر چہ مذکورہ تمام جرائم کو دونوں حدود آرڈیننسوں سے نکال دیا گیا ہے اور مجموعہ تعزیرات پاکستان 1860ء (ا یکٹ نمبر 45 مجریہ 1860ء) جسے بعدازاں پی پی سی کا نام دیا گیا ہے میں مناسب طور پر شامل کر دیا گیا ہے۔

زنا کے جرم (نفاذِ حد) آرڈیننس 1979ء (نمبر 7 مجریہ 1979ء) جسے بعدازاں ''زنا آرڈیننس'' کا نام دیا گیا ہے کی دفعات 11 تا 16 میں دیئے گئے جرائم تعزیر کے جرائم ہیں۔ ان تمام کو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان 1860ء (ا یکٹ نمبر 45 مجریہ 1860ء) کی دفعات 365 ب، 367 الف، 371 الف، 371 ب، 493 الف اور 496 الف کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جرم قذف (نافذ حد) آرڈیننس 1979ء جسے بعدازاں ''قذف آرڈیننس'' کا نام دیا گیا ہے کی دفعات 12 اور 13 کو حذف کیا گیا ہے۔ یہ مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 3 میں قذف کی تعریف کے طور پر کیا گیا ہے جو طبع شدہ اور کنندہ شدہ مواد کی طباعت یا کنندہ کاری یا فروخت کے ذریعے ارتکاب کردہ قذف کو کافی تحفظ دیتی ہے۔

مذکورہ تعزیری جرائم میں سے کسی کی آئینی تعریف کے استعمال میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے ان کے لیے مقرر کی گئی سزا کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ ان تعزیری جرائم کے لیے کوڑوں کی سزا کو حذف کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن وسنت میں ان جرائم سے متعلق کوئی نہیں ہے۔

ریاست کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسلام کے منصفانہ نظریے کے مطابق اس میں تبدیلی لائے۔ یہ پی پی سی کے مطابق اور شائستگی کے معیار کو قائم کرنے کے لیے ہے جس سے معاشرے کی کامل ترقی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

زنا اور قذف کے آرڈیننس پر شہریوں کی طرف سے بالعموم اور اسلامی اسکالروں اور خواتین کی طرف سے بالخصوص سخت تنقید کی گئی۔ تنقید کے کئی موضوع تھے۔ ان میں زنا کے

جرم کو زنا بالجبر (عصمت دری) کے ساتھ ملانا شامل ہے اور ان دونوں کے لیے ثبوت اور سزا کی ایک ہی قسم رکھی گئی ہے۔ یہ بے جا سہولت دیتا ہے کوئی عورت جو عصمت دری کو ثابت نہیں کر سکتی اس پر اکثر زنا کا استغاثہ دائر کر دیا جاتا ہے۔ زنا بالجبر (عصمت دری) کے لیے زیادہ سے زیادہ سزا کے ثبوت کی ضرورت صرف اتنی ہے جتنی کہ زنا کے لیے ہے۔ یہ اول الذکر کو ثابت کرنے کے لیے تقریباً ناممکن بنا دیتا ہے۔

جب کسی مرد کے خلاف عصمت دری کے استغاثہ میں ناکامی ہو لیکن طبی معائنے سے جماع یا حمل کی یا بصورت دیگر تصدیق ہو جائے تو عورت کو چار عینی گواہوں کے نہ ہونے سے زنا کی حد کے طور پر نہیں دی جاتی بلکہ تعزیر کے طور پر دی جاتی ہے اس کی شکایت کو بعض اوقات اعتراضات تصور کیا جاتا ہے۔

قرآن وسنت زنا کے لیے تعزیری سزا کے مقتضی نہیں ہیں۔ یہ آرڈیننس کا مسودہ تیار کرنے والوں کے ذاتی خیالات پر مبنی ہیں، زنا اور قذف کے جرائم کے لیے تعزیری سزائیں نہ صرف اسلامی اصولوں کے منافی ہیں بلکہ استحصال اور ناانصافی کو جنم دیتی ہیں۔ انہیں ختم کیا جا رہا ہے۔

دستوری تعزیرات کو واضح اور غیر مبہم ہونا چاہیے اور غیر ممنوعہ کے درمیان واضح حد مقررہ ہو۔ شہری اس سے آگاہ ہوں۔ وہ اپنی زندگی اور طور طریقوں کو ان روشن رہنما اصولوں کو اپناتے ہوئے گزار سکیں۔ لہٰذا ان میں اور متعلقہ قوانین میں غیر واضح تعریفات کی وضاحت کی جا رہی ہے اور جہاں یہ ممکن نہیں ہے انہیں حذف کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ غیر محتاط شہریوں کو تعزیری قوانین کے غیر دانشمندانہ استعمال سے تحفظ بہم پہنچایا جا سکے۔

زنا آرڈیننس (نکاح) کی جائز نکاح کے طور پر بھی تعریف کرتا ہے بالخصوص دیہی علاقوں میں نکاح کو بالعموم اور طلاق کو بالخصوص رجسٹرڈ نہیں کیا جاتا۔ کسی شخص پر زنا کا الزام لگانے کے لیے دفاع میں "جائز نکاح" کا تعین مشکل ہو جاتا ہے۔ رجسٹریشن نہ کرانا اس کے

دیوانی منطقی نتائج میں صرف یہی کافی ہے کوئی نکاح رجسٹر نہ کرایا جائے یا کسی طلاق کی تصدیق کو تعزیری منطقی نتائج سے مشروط نہ کیا جائے۔ اس میں اسلامی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جب کسی جرم کے ارتکاب میں کوئی شبہ پایا جائے تو حد کو نافذ نہ کیا جائے قانون مذکورہ مقدمات میں غلط استعمال کی وجہ سے سابقہ خاوندوں اور معاشرے کے دیگر ارکان کے ہاتھوں میں ظلم وستم کا کھلونا بن گیا ہے۔

تین طلاقیں دیئے جانے کے بعد عورت اپنے میکے چلی جاتی ہے وہ دورانِ عدت جاتی ہے کچھ ہی دنوں کے بعد خاندان کے لوگ نئے ناطے کا انتظام کر دیتے ہیں اور وہ شادی کر لیتی ہے، اس وقت خاوند یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مقامی ہیئت ہائے مجاز کی طرف سے طلاق کی تصدیق کے بغیر نکاح ختم نہیں ہوا اور وہ زنا کا مقدمہ دائر کر دیتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے ختم کرنے کے لیے اس تعریف کو حذف کر دیا جائے۔

زنا بالجبر (عصمت دری) کے جرم کے لیے کوئی حد موجود نہیں ہے۔ یہ تعزیری جرم ہے لہٰذا عصمت دری کی تعریف اور سزا پی پی سی میں بالترتیب دفعا 375 اور 376 میں شامل کیا جا رہا ہے۔ جنس کی مبہم تعریف میں ترمیم کی جا رہی ہے تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ عصمت دری ایک جرم ہے جس کا ارتکاب مرد عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ عصمت دری کا الزام لگانے کے لیے عورت کی مرضی دفاع کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ یہ انتظام کیا جا رہا ہے کہ اگر عورت کی عمر 16 سال سے کم ہو تو مذکورہ مرضی کو دفاع کے طور پر استعمال نہ کیا جائے یہ کمزور کو تحفظ دینے کی ضرورت، جس کی قرآن بار بار تاکید کرتا ہے اور بین الاقوامی قانونی ذمہ داری کے اصولوں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

اجتماعی زیادتی کی سزا موت ہے، اس سے کم سزا نہیں رکھی گئی ہے ایسے مقدمات کی سماعت کرنے والی عدالتوں کا یہ مشاہدہ ہے کہ بعض حالات میں ان کی یہ رائے ہوتی ہے کہ کسی شخص کو بری نہیں کیا جا سکتا ہے جب کہ عین اس وقت مقدمے کے حقائق اور حالات

کے مطابق سزائے موت جائز نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ مقدمات میں ملزم بری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس معاملے کو نمٹانے کے لیے سزائے موت کے متبادل کے طور پر عمر قید کی سزا کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

تعزیر زنا بالجبر عصمت دری اور اجتماعی زیادتی کی قانونی کارروائی کے لیے طریقہ کار اس طرح دیگر تمام تعزیرات پی پی سی کے تحت تمام جرائم کو مجموعہ ضابطہ فوجداری 1898ء (ایکٹ نمبر 5 بابت 1989ء) بعدازیں "پی پی سی" کے ذریعے منضبط کیا گیا ہے۔

لعان انفساخ نکاح کی شکل ہے کوئی عورت جو کہ اپنے شوہر کی طرف سے بدکاری کی ملزمہ ہو اور اس الزام سے انکاری ہو اپنی ازدواجی زندگی سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ لعان سے متعلق قذف آرڈیننس کی دفعہ 14 اس کے لیے طریقہ کار فراہم کرتی ہے۔ یہ انفساخ نکاح کی آئینی تحریر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس طرح قانون انفساخ ازدواج مسلمانان 1939ء (نمبر 8 بابت 1939ء) کے تحت لعان کو طلاق کی وجہ کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔

<u>زنا اور قذف کی تعریف وہی ہی رہے گی جیسا کہ زنا اور قذف آرڈیننسوں میں ہے۔</u>

<u>نیز زنا اور قذف دونوں کے لیے سزائیں ایک جیسی ہوں گی۔</u>

زنا سنگین جرم ہے جو کہ لوگوں کے اخلاق کو بگاڑتا اور پاکدامنی کے احساس کو تباہ کرتا ہے۔ قرآن زنا کو لوگوں کے اخلاق کے برعکس ایک جرم ٹھہراتا ہے۔ چار چشم دید گواہوں کی ضرورت بلاشرکت غیرے صریحاً غیر معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بھی دعویٰ ہے کہ اگر حدیث کے برعکس ہو۔ "اللہ لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں" جو کسی عمل کا ارتکاب اس طرح غل غپاڑہ کی صورت میں کرتے ہیں تا کہ چار آدمی اس کو دیکھ لیں البتہ معاشرے کو بہت سنگین نقصان ہوگا۔ اسی وقت قرآن رازداری کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ بے بنیاد اندازوں سے روکتا ہے اور تحقیقات کرنے اور دوسروں کی زندگی میں دخل اندازی سے

منع کرتا ہے اس لیے زنا کے ثبوت کی ناکامی کی وجہ کی بناپر قذف کے لیے سزا عائد ہو جاتی ہے۔(زنا سے متعلق جھوٹا الزام) قرآن شکایت کنندہ سے زنا کو ثابت کرنے کے لیے چار چشم دید گواہ مانگتا ہے۔شکایت کنندہ اور شہادت دینے والوں کو اس جرم کی سنگینی سے بخوبی آگاہی ہونی چاہیے اور اس بات کی آگاہی ہونی چاہیے کہ اگر انہوں نے جھوٹا الزام لگایا یا الزام کے شک کو دور نہ کر سکے تو وہ قذف کے لیے سزاوار ہوں گے۔ملزم زنا کی قانونی کارروائی میں ناکامی کے نتیجے میں دوبارہ از سرنو قانونی کارروائی شروع نہیں کرے گا۔

زنا آرڈیننس خواتین پر استغاثہ کا بے جا استعمال کرتا ہے، خاندانی تنازعات کو طے کرنے اور بنیادی انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں سے انحراف کرتا ہے۔زنا اور قذف کے ہر دو مقدمات میں اس کے بے جا استعمال پر نظر رکھنے کے لیے مجموعہ ضابطہ فوجداری میں ترمیم کی جارہی ہے تاکہ صرف سیشن عدالت ہی کسی درخواست پر مذکورہ مقدمات میں سماعت کا اختیار استعمال کر سکے۔اسے قابل ضمانت جرم قرار دیا گیا ہے تاکہ ملزم دورانِ سماعت جیل میں یا سیت کا شکار نہ رہے۔پولیس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مذکورہ مقدمات میں کسی کو گرفتار کر سکے تاوقتیکہ سیشن عدالت اس کی اجازت نہ دے اور مذکورہ ہدایات ما سوائے عدالت میں حاضری کو لازمی بنائے جانے یا کسی سزا ہی کی صورت کے جاری نہیں کی جاسکتیں۔

مذکورہ تمام ترامیم کا بنیادی مقصد زنا اور قذف کو اسلامی احکام کے مطابق قابل سزا بنانا جیسا کہ قرآن اور سنت میں دیا گیا ہے۔استحصال سے روکنا، پولیس کے بے جا اختیارات سے روکنا اور انصاف اور مساویانہ حقوق پر مبنی معاشرے کو تشکیل دینا ہے۔

''علماء کمیٹی'' کی سفارشات

حدود آرڈیننس سے متعلق جو بحث ملک میں عرصہ دراز سے جاری تھی، اس کے نتیجے میں آڈرنینس میں ترمیم کے لیے ایک مسودۂ قانون ''تحفظِ نسواں بل'' کے نام سے اسمبلی میں پیش ہوا ہے۔ متعدد سیاسی پارٹیوں نے اس کی حمایت کی ہے اور متحدہ مجلس عمل نے نہ صرف اس کی مخالفت کی بلکہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ اگر یہ بل اسمبلی نے منظور کیا تو ان کے تمام ارکان مستعفی ہو جائیں گے۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے حکومتی پارٹی کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین اور مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمن کے درمیان یہ طے پایا کہ کچھ غیر جانبدار اور غیر سیاسی علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو زیر بحث بل کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لے کر اپنی رپورٹ پیش کرے۔ فریقین نے زبانی طور پر یہ بھی طے کیا کہ یہ کمیٹی جو فیصلہ کرے گی وہ دونوں کو منظور ہوگا۔ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس مورخہ 10 ستمبر 2006ء کو اسلام آباد میں منعقد ہوا جس میں تمام ارکان نے متفقہ طور پر ایک یادداشت تحریری طور پر مرتب کی۔ اس یادداشت کا متن درج ذیل ہے:

پہلی یادداشت:

علماء کمیٹی نے اس مسودۂ قانون کا جائزہ لیا جو تحفظ نسواں Protection of Women بل کے نام سے اسمبلی میں پیش ہوا ہے۔ اس جائزے کے نتیجے میں ہماری گزارشات درج ذیل ہیں:

(1) بل کو تحفظ نسواں کا نام دیا گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ جو حقیقی زیادتیاں ہو رہی ہیں، ان کے سدِ باب کے لیے قانون سازی نہایت ضروری اقدام ہے لیکن اس مجوزہ بل میں حدود آرڈیننس کی دفعات میں ترمیم کے سوا خواتین کے حقوق سے متعلق کوئی اہم بات موجود نہیں ہے اور حدود آرڈیننس میں جو ترمیمات تجویز کی

گئی ہیں ان میں چند ایک کے سوا کسی سے خواتین کے ساتھ زیادتیوں کے ازالے میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ بعض سے ان کی مشکلات میں اضافہ ہوگا، لہٰذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بل کا مقصود خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے تو اس میں ان حقیقی مظالم کا سدِ باب ضروری ہے جو ہمارے معاشرے میں واقعتاً خواتین کے ساتھ روا رکھے جا رہے ہیں۔ مثلاً: ہمارے معاشرے میں عملاً عورتوں کو حق وراثت سے بالکل محروم کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں قانون سازی کی ضرورت ہے کہ خواتین کے حق وراثت کو غصب کرنا قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ اسی طرح تین طلاقیں دے کر خواتین کے لیے جو مشکلات کھڑی کی جاتی ہیں، اس کے سدِ باب کے لیے ایک ساتھ تین طلاق دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ بہت سے شوہر اپنی بیویوں کو ان کے اعتقاد اور ضمیر کے خلاف گناہ کے کاموں پر مجبور کرتے ہیں اس کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اسی طرح قرآن شریف کے ساتھ نکاح، عورتوں کو نکاح کے بہانے بیچنا، نیز وٹہ سٹہ اور بیواؤں کے نکاح کو معیوب سمجھنا، یہ ساری رسمیں خلافِ شرع اور خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ غرض اگر واقعتاً قانون کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے تو ان کے ان جیسے حقیقی مسائل پر توجہ دے کر ان کو قانون کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔

(2) اگر چہ مجوزہ بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں بہت سی ترمیمات تجویز کی گئی ہیں لیکن ان ترمیمات میں بعض امور شریعت کے بھی خلاف ہیں اور خواتین کے ساتھ زیادتی پر بھی مشتمل ہیں۔ مثلاً: مجوزہ ترمیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا بالجبر کی صورت میں مرد پر حد کی کوئی سزا کسی بھی صورت میں عائد نہیں ہو سکتی اور حد کی سزا صرف اس صورت میں ہوگی جب باہمی رضا مندی سے زنا ہو۔ قرآن وسنت کی رو سے زنا بالجبر اور زنا بالرضا میں فرق یہ ہے کہ زنا بالرضا میں اگر مرد اور عورت دونوں کے خلاف زنا کا جرم چار گواہوں یا اقرار سے ثابت ہو جائے تو زنا کی حد دونوں پر جاری ہوگی البتہ زنا بالجبر کی صورت میں صرف مرد پر

عائد ہوگی۔یوں بھی زنا بالجبر زیادہ سنگین نوعیت کا جرم ہے اس لیے اگر زنا بالرضا پر حد جاری ہورہی ہے تو زنا بالجبر پر تو بطریق اولیٰ حد جاری ہونی چاہیے۔جو شخص زبردستی کسی عورت سے زنا کرے اس کو حد کی سزا سے بالکل چھٹی دے دینا نہ صرف شریعت کے خلاف ہے بلکہ خواتین کے ساتھ واضح زیادتی ہے۔حدود آرڈیننس میں ''زنا بالجبر'' کی سزا ''زنا بالرضا'' کے مقابلے میں اسی لیے زیادہ رکھی گئی ہے۔تعزیر میں بھی اور حد میں بھی۔یعنی اگر مجرم غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑوں کی حد کے علاوہ عدالت اسے اپنی صوابدید پر کوئی اور تعزیری سزا بھی دے سکتی ہے جو سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔لہٰذا ہماری رائے میں جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 6 کو ترمیمی بل میں جو حذف کرنے کی تجویز دی گئی ہے وہ شریعت کے بھی خلاف اور خواتین کے ساتھ زیادتی کا موجب ہوگی۔

(3) زنا بالجبر کی سزا حدود آرڈیننس سے ختم کر کے تعزیرات پاکستان میں بطورِ تعزیر رکھ دی گئی ہے لیکن زنا بالرضا کی صورت میں اگر حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو مجرم کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بدکاری کا ثبوت گواہوں وغیرہ سے ہو جائے تو اس پر تعزیری سزا جاری ہونا ضروری ہے۔حدود آرڈیننس میں ان کو زنا موجب تعزیر (Zina liable to Tazir) قرار دیا گیا ہے،اس میں یہ ترمیم ممکن ہے کہ اس کو زنا کا نام دینے کی بجائے بدکاری یا سیہ کاری وغیرہ کا کوئی نام دیا جائے لیکن ایسے مجرموں کو کسی بھی سزا سے آزاد چھوڑنا عملاً زنا بالرضا کی قانونی اجازت کے مترادف ہوگا کیونکہ حد کی شرائط تو شاذ و نادر ہی کسی مقدمے میں پوری ہوتی ہیں اور اس ترمیم سے ایسی صورت میں تعزیر کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا۔

(4) حدود آرڈیننس میں حد کے علاوہ بہت سی قابل تعزیر جرائم کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیراتِ پاکستان میں داخل کیا گیا ہے،بظاہر یہ ایک بے ضرر تبدیلی معلوم ہوتی ہے لیکن ان جرائم کو حدود آرڈیننس میں شامل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جو قابل تعزیر جرائم قابل

حد جرائم سے ملتے جلتے ہیں ایک ہی عدالت میں ان کا فیصلہ ہو اور عدالتی کارروائی میں پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ مجوزہ ترمیم کے نتیجے میں عملاً یہ صورتِ حال ہوگی کہ مثلاً: اگر کوئی مجرم زنا کے مقدمے میں بری ہو گیا لیکن کسی لڑکی کو اغواء کرنے کا وہ مجرم ہے تو زنا کا مقدمہ تو وفاقی شرعی عدالت میں چلے گا وہاں سے بری ہونے کے بعد وفاقی شرعی عدالت اسے اغواء کی سزا نہیں دے سکے گی بلکہ اس کے لیے دوسری عدالتوں میں نئے سرے سے مقدمہ دائر کرنا ہوگا جس سے مظلوم خواتین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا۔

(5) حدود آرڈیننس کی دفعہ 3 میں کہا گیا ہے کہ اس آرڈیننس کو Overriding Effect حاصل ہوگا یعنی اگر اس قانون اور دوسرے قوانین میں تعارض ہو تو حدود آرڈیننس دوسرے قوانین پر بالا ہوگا۔ مجوزہ بل میں حدود آرڈیننس کی یہ حیثیت ختم کر دی گئی ہے۔ اس کی وجہ سے متعدد قانونی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو خود خواتین کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہیں: مثلاً حدود کا قانون ہر اس نکاح کو معتبر مانتا ہے جو شریعت کے مطابق ہو لیکن مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کے تحت چونکہ کوئی طلاق چیئرمین یونین کونسل کو نوٹس بھیجے بغیر قانون معتبر نہیں ہوتی اس لیے نوٹس کے بغیر کوئی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لے تو عائلی قانون کے تحت وہ نکاح معتبر نہیں ہوتا یہاں حدود آرڈیننس اور مسلم عائلی قانون میں تعارض ہے اگر حدود آرڈیننس Overriding Effect نہ دیا جائے تو وہ عورت جس نے جائز شرعی نکاح کیا ہے محض ایک رسمی کارروائی نہ کرنے کی بنا پر زنا میں سزا یاب ہو سکتی ہے۔

(6) اس بل کے ساتھ جو بیان اغراض ووجوہ (Statement of Objects) ملحق ہے اس میں بہت سی باتیں واقعے کے خلاف ہیں اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ لعان میں فسخ نکاح کا حق اس فوجداری عدالت کو نہ ہونا چاہیے جو لعان کی کارروائی کر رہی ہے بلکہ اس کے لیے تنسیخ نکاح کے قانون میں لعان کو وجہ تنسیخ بنا کر وہاں سے نکاح فسخ

ہونا چاہیے۔ اس تجویز سے یہ ہوگا کہ جس عورت نے فوجداری عدالت میں لعان کی کارروائی مکمل کی اس کو نکاح فسخ کرانے کے لیے فیملی کورٹ میں نئے سرے سے کارروائی کرنی پڑے گی حالانکہ حدود آرڈیننس میں یہ کہا گیا تھا کہ پہلی عدالت ہی نکاح بھی فسخ کر دے گی اس میں عورت کو نئے سرے سے دھکے کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ چند موٹے موٹے نکات تھے جو مجوزہ بل کے جائزے کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مجوزہ بل میں بہت سے امور قابل اعتراض یا غور طلب ہیں لہٰذا ہم سب کی یہ حتمی رائے ہے کہ اس بل کو عجلت میں منظور کرنا بے شمار مسائل پیدا کرے گا۔ اسے بھی اسمبلی سے منظور نہیں کرانا چاہیے بلکہ غیر جذباتی انداز میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر اور تحقیق کے بعد پیش کیا جائے۔ اگر ہماری مذکورہ بالا معروضات منظور ہوں تو ہم بل کا دفعہ وار جائزہ لے کر اپنی مفصل رائے پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔

دوسری یادداشت:

اس پہلی یادداشت کے نکات جب حکومتی پارٹی کے علم میں آئے تو اس نے ایک ایسے اجتماع کا اہتمام کیا جس میں مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین، وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی، جناب جسٹس منظور احمد سیکرٹری وزیر قانون، جناب مخدوم اثار فی جنرل اور مسلم لیگ ق کے چیف وہیپ اور بل کی سلیکٹ کمیٹی کے چیئرمین سردار نصیر اللہ دریشک سے علما کمیٹی کے ارکان کی ان نکات پر مفصل گفتگو ہوئی جو دو روز جاری رہی۔ مختلف مسائل پر بحث کے بعد یہ تحریر تیار کی گئی۔

11 ستمبر 2006ء قومی اسمبلی میں "تحفظ حقوق نسواں" کے عنوان سے حدود آرڈیننس میں ترامیم کا جو بل زیر بحث ہے اس کے بارے میں پاکستان مسلم لیگ ق کے سربراہ چوہدری شجاعت حسین نے علمائے کرام سے کہا کہ تحفظ حقوقِ نسواں بل کے بارے میں یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ اس میں قرآن وسنت کے منافی باتیں بھی شامل ہیں اس لیے ہم نے

آپ حضرات کو زحمت دی ہے کہ بل کا جائزہ لے کر قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی کریں، کیونکہ ہم کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جو حدودِ شرعیہ اور قرآن و سنت کے منافی ہو بلکہ ہم ایسا سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

اس پر علمائے کرام اور ماہرین قانون نے بل کی متعدد دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا جو 10 ستمبر 2006ء بروزِ اتوار صبح نو بجے سے کھانے اور نماز کے وقت کے ساتھ رات تین بجے تک جاری رہا اور اگلے روز 3 بجے سہ پہر تک بھی مشاورت جاری رہی اور متعدد اصولی امور پر اتفاق رائے ہو گیا جس کے مطابق مندرجہ ذیل معاملات طے پائے:

(1) زنا بالجبر اگر حد کی شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

(2) حدود آرڈیننس میں زنا موجبِ تعزیر کی بجائے ''فحاشی'' کے عنوان سے ایک نئی دفعہ کا تعزیراتِ پاکستان (PPC) میں اضافہ کیا جائے گا جس کا متن درجِ ذیل ہے:

A man and womand willfully having sexual intercourse with one another without being married to each other shall be guilty of committing lewdness and shall be punished with imprisonment which may extend to five years and shall also be liable to fine.

(3) زنا آرڈیننس کی دفعہ تین کی جگہ یہ دفعہ تحریر کی جائے گی:

In the interpretation and application of this ordinance the injunctions of Islam as laid down in the Holy Qur'an and Sunnah shall have effect notwithstanding any thing contained in any other law for the time being in force.

اجلاس میں شریک علمائے کرام نے کہا کہ حقوقِ نسواں بل کے بارے میں قرآن و سنت کے حوالے سے اصولی طور پر قرآن و سنت کے منافی کوئی بات باقی نہیں رہی تاہم بعض ذیلی امور پر اگر ہمیں مزید وقت دیا گیا تو تفصیلی سفارشات پیش کر دی جائیں گی۔

اجلاس میں علمائے کرام نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں بعض اہم سفارشات پیش کیں۔

تیسری یادداشت:

یادداشت نمبر 2 میں جن نکات پر اتفاق رائے ہو گیا تھا۔ جب انہیں مجوزہ بل میں سمونے کے لیے نیا ترمیمی بل تیا کیا گیا تو اس کا جائزہ لینے کے لیے مورخہ 17 ستمبر 2006ء کو علما کمیٹی کا اسلام آباد میں دوبارہ اجلاس ہوا جس میں مجوزہ بل کے مختلف نکات پر گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو کے نتیجے میں علما کمیٹی نے ایک تیسری یادوشات تیار کر کے چوہدری شجاعت حسین کے حوالے کی ہے اس یادداشت کا متن درج ذیل ہے:

(1) تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ بی-496 کا جو اضافہ کیا جا رہا ہے اس کے عنوان اور متن میں Fornication کا لفظ طے شدہ لفظ Lewdness کی بجائے بدل دیا گیا ہے، اسے بدل کر Lewdness یا Siyahkari کرنا ضروری ہے کیونکہ Fornication صرف غیر شادی شدہ افراد کے ''زنا'' کو کہتے ہیں اس بات سے زبانی طور پر اتفاق کر لیا گیا تھا مگر آخری مسودے میں اس کو یقینی بنانا ضروری ہے۔

(2) کمیٹی نے جب اپنی سابقہ سفارش میں یہ کہا تھا کہ زنا بالجبر پر بھی حد نافذ کی جائے تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ تھا کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ میں ''زنا بالجبر'' موجب حد کی جو تعریف اور جو احکام درج ہیں، انہی کو بحال کیا جائے لیکن نئے مسودے میں اس کی بجائے وہاں دوسری تعریف درج کر دی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں سولہ سال سے کم عمر لڑکی کو نابالغ قرار دے کر اس کی مرضی کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے حالانکہ شرعاً بلوغ کے لیے علامات بلوغ (Puberty) کافی ہیں اور اس کے بعد اس کی رضامندی شرعاً معتبر ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک زنا آرڈیننس کی دفعہ 6 کو جوں کا توں بحال کر دینا ضروری ہے اور اگر موجودہ دفعہ برقرار رہے تو مجوزہ مسودے کی دفعہ اے 21 کی ذیلی دفعہ (5) اس طرح بنائی

جائے:

With or without her consent when she is non-adult.

(3) مجوزہ مسودے کی دفعہ بی 12 کے ذریعے جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء میں دفعہ A-6 کا اضافہ کرنے کی تجویز دی گئی ہے جو ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے اور اس سے وہ متفقہ امور غیر مؤثر ہو جائیں گے جن پر ہماری پہلی نشست میں اتفاق رائے ہوا تھا۔ تمام فوجداری قوانین میں یہ بات مسلم رہی ہے کہ اگر ملزم پر بڑا جرم ثابت نہ ہو سکے تو وہی عدالت ملزم کو کمتر جرم کی سزا دے سکتی ہے بشرطیکہ وہ کمتر جرم اس پر ثابت ہو جائے لیکن نجانے کیوں جرم زنا بالجبر اور زنا بالرضا کو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی خاتون نے ملزم کے خلاف زنا بالجبر موجب حد کا مقدمہ درج کرایا ہو لیکن عدالت کے سامنے موجبِ حد جرم ثابت نہ ہو سکا تو عدالت اس خاتون کی فریاد رسی کے لیے ملزم کو تعزیری سزا نہیں دے سکتی۔ اس کے لیے اس کو دوبارہ مقدمہ دائر کرنا ہوگا یا پھر ظلم پر صبر کر کے بیٹھ جانا ہوگا۔

لہٰذا ہمارے نزدیک آرڈیننس میں دفعہ اے 6 کا اضافہ کرنے کی جو تجویز دی گئی ہے وہ قطعی غیر منصفانہ اور غلط ہے اور اسے حذف کرنا ضروری ہے اور اسے حذف کرنے کے نتیجے میں جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 20 کی پہلی Prouiso کو بحال رکھنا ضروری ہے جسے مجوزہ بل میں حذف کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔

(4) مجوزہ مسودے کے پیراگراف نمبر 3 میں سی 203 کا اضافہ کرنے کی تجویز دی گئی ہے اور اس کی ذیلی دفعہ 2 میں استغاثہ درج کرانے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مستغیث دو عینی گواہ پیش کرے۔ اوّل تو یہ تعزیری جرم ہے اور اس کے لیے مناسب یہ ہوتا ہے کہ اسے قابل دست اندازی پولیس Congnizalate قرار دے کر اس کے غلط استعمال سے بچنے کے لیے کم از کم ایس پی کے درجے کے پولیس آفیسر کو تفتیش کا اختیار دیا

جاتا اور عدالت کے وارنٹ کے بغیر گرفتاری کو ممنوع کر دیا جاتا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس کو استغاثہ Compalint ہی کا کیس بنانا ضروری سمجھا جائے تو دو عینی گواہوں کی شہادت پیش کرنا یہاں غیر ضروری ہے کیونکہ تعزیر کے ثبوت کے لیے دو عینی گواہ ضروری نہیں ہوتے بلکہ ایک قابل اعتماد گواہ قرائنی شہادت Circumstantial Evidance بھی کافی ہوتی ہے لہٰذا ہماری نظر میں اس دفعہ میں At least two eye withnesses کی بجائے Evidence as available such لکھنا چاہیے۔

(5) جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 7 کو زیر نظر مسودے سے حذف کر دیا گیا ہے، اس کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، ہمارے نزدیک جن امور پر اتفاق رائے ہوا تھا ان کے مؤثر نفاذ کے لیے مندرجہ بالا پانچ ترمیمات نہایت ضروری ہیں اور ان کے بغیر ان متفقہ امور کے غیر مؤثر ہو جانے کا قوی خدشہ ہے لہٰذا مذکورہ اتفاق رائے کے بعد زیر نظر مسودے سے ہمارا اتفاق ان ترمیمات پر موقوف ہے۔ امید ہے کہ مسودے کو بامعنی بنانے کے لیے یہ ترمیمات مسودے میں شامل کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ ہم نے زیر نظر بل کے بارے میں شروع ہی میں یہ عرض کیا تھا کہ اس کا نام تو تحفظ حقوق نسواں کا بل ہے مگر اس میں ساری بحث زنا آرڈیننس سے متعلق ہے اور خواتین کے حقیقی مسائل اور حقوق کو اس میں نہیں چھیڑا گیا۔ چنانچہ ہم نے خواتین کے حقیقی مسائل سے متعلق جو سفارشات پیش کی تھیں، ان کے بارے میں بھی ہم دوبارہ تاکید کرتے ہیں کہ ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سینٹ میں مولانا سمیع الحق کے خطاب کا متن

سینیٹر مولانا سمیع الحق صاحب

تحفظ حقوق نسواں بل پر 23 نومبر 2006ء کو ایوانِ بالا میں عام بحث کے دوران جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ سینیٹر مولانا سمیع الحق نے خطاب فرمایا اگر چہ وقت کی تنگی کی بناء پر چیئرمین سینٹ کے بار بار روکنے کی وجہ سے مولانا اپنے خیالات کا مکمل اظہار نہ کر سکے تاہم 20-25 منٹ کے اس خطاب میں حدود آرڈیننس کی تنسیخ و ترامیم کے اصل محرکات وعوامل خواتین سے متعلق اسلامی قوانین، دیت، شہادت، وراثت اور حدود کے بارہ میں اسلامی سزاؤں پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔ مولانا سمیع الحق نے حکومت کے ترمیمی بل میں علماء کی تجاویز کی روشنی میں دس اہم ترامیم بھی داخل کیں، جسے مغرب کے بعد دوسری خواندگی کے دوان ایک ایک کر کے دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا مگر ایوان نے حکومتی کثرتِ رائے کی بنیاد پر ان سب کو مسترد کر دیا۔ مولانا کا خطاب اور ترامیم (سینٹ سیکرٹریٹ کی رپورٹنگ شدہ) یہاں من وعن پیش کیا جا رہا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمدللہ! آپ نے بڑے کھلے دل سے سب کو موقع دیا ہے اور حیالات پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگائی۔ آپ نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ میں گزارش کروں گا کہ میں چار پانچ منٹ میں اپنی بات پوری نہ کر سکوں گا۔ میں ایک پارلیمانی جماعت کا لیڈر ہوں اور جس طرح اور جماعتوں کے ساتھ آپ نے بڑے اچھے رویے کا مظاہرہ کیا ہے تو مجھ ناچیز کو بھی کچھ تفصیل سے موقع عطا فرمائیں مجھے احساس ہے کہ بہت لمبی لسٹ ہے۔

جناب چیئرمین: آپ اپنی تقریر شروع کریں۔ آپ کی تقریر کے متن اور جو آپ جو بات کریں گے اس کے اوپر دارومدار ہے۔ اسی حساب سے دیکھ لیں گے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین صاحب! میں گزارش کروں گا کہ یہ ساری صورتحال جو پیدا ہوئی ہے اسلامی قوانین کے بارے میں احکام کے بارے میں بالخصوص ترمیمی آرڈیننس کی شکل میں، حقیقت یہ ہے کہ اس کے بنیادی عوامل دو ہیں۔ایک جو ساری دنیا میں سلسلہ چل رہا ہے جسے ہم خارجی عوامل کہیں گے، اس کے محرکات سب کو معلوم ہیں۔ حدود آڈرنینس 29 سال سے ہے۔کوئی اچانک ایسا حادثہ نہیں ہوا کہ آسمان گر پڑا اور حدود آرڈیننس سے بہت سارے مسائل پیدا ہو گئے۔

اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف مغربی دباؤ:

یہ ساری جنگ جو عالم اسلام کے خلاف، امتِ مسلمہ کے خلاف، مغربی طاقتوں نے شروع کی ہے اور اس کو وہ تہذیب کی جگن قرار دے رہے ہیں، اس تہذ ب کی جنگ کی وج یہ ہے کہ انہوں نے امت محمد یہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کو ہرگز برداشت نہیں کرنا ہے اور اسلامی ممالک میں سیاسی، معاشی، مادی وسائل (Sources) پر قبضہ کرنے اور سارے اسلامی امت کو غلام بنانے اور ان کو دوبارہ کالونی سسٹم میں تبدیل کرنے کے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس ام تکا اسلامی تشخص اس کی شناخت اور کوئی بھی ایسی چیز باقی نہ رہے جو ان کو مؤمن اور مسلم رکھے۔ان کو اپنی آزادی کا تحفظ سکھائے، ایک وسیع جنگ شروع ہے۔ یہ اسی کا ایک حصہ ہے۔ وہ برداشت نہیں کرتے کہ ہماری شناخت کا کوئی اپنا نظام ہو، ہماری اپنی تہذیب ہو اور جہاں جہاں اسلامی تہذیب اور آزادی کی جدو جہد شروع ہوتی ہے وہاں امریکہ اور ساری طاقتیں پہنچتی ہیں اور اس کو مٹاتی ہیں، ان طاقتوں کو ختم کرتی ہیں۔ طالبان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ صورتحال بہت تیزی سے شروع ہے ہمارے دوستوں کو علم ہے اور ان کو معلوم ہے کہ کئی سالوں سے امریکہ نے یہ رپورٹیں تیار کی ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے اخبارات میں انہوں نے صراحتاً کہا ہے کہ پاکستان میں اسلامائزیشن کا جو کام ہوا ہے اس کو ہم نے ختم کرنا ہے۔ اس میں حدود آرڈیننس بھی ہے۔ اس کے بعد

قادیانیوں کا سلسلہ آئے گا۔ ہم خود وہ رپورٹیں پڑھتے ہیں، وہ بار بار دباؤ ڈالتے ہیں وہ توہین رسالت ایکٹ کے خلاف مستقل جدوجہد کر رہے ہیں کہ کسی طرح توہین رسالت قانون کو ختم کیا جائے تو ایک ایک چیز آگے چل کر آئے گی۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور کسی ایک جگہ ختم نہیں ہوگا۔ ہم جتنا بھی حدود آرڈیننس کو مسخ کر دیں، اسے تبدیل کر دیں، اس میں لچک پیدا کر دیں اسے نرم کر دیں، پھر بھی وہ خوش نہیں ہوں گے۔ اگر حدود کا لفظ اور اصطلاح بھی قوانین میں ہو تو امریکہ اس سے مطمئن نہیں ہوگا۔ ابھی آپ نے قومی اسمبلی میں بل پاس کیا تو دوسرے تیسرے دن امریکہ کے ذمہ دار افراد کے بیانات آئے کہ ہم اس سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔ ابھی پورا کام نہیں ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح اشارہ ہے کہ ﴿ ولن ترضی عنك الیهود و لا النصاریٰ حتی تتبع ملتهم ﴾ الایۃ جب تک اسی تہذیب کو نہیں اپناؤ گے اپنے کو مکمل اسی سانچے میں نہیں ڈھالو گے تو یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جوان کی تہذیب ہے، جانوروں کی، حیوانات کی، بے حیائی کی، فحاشی کی اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چاہیں گے کہ تم بھی ایسے ہی بن جاؤ۔ تہذیب اور شرافت کو چھوڑ دو۔

دورے یا غیروں کی چھاپہ مار مہم؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کچھ قربان کر کے بھی ان کی دوستی، ان کی رضامندی حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ہم نے پوری وسائل کو، دفاع کو، آزادی کو، خودمختاری کو ان کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ اپنے پڑوسی اسلامی ملک کو تباہ کیا اور اپنے تمام سورسز و وسائل ان کو مہیا کیے لیکن کیا وہ ہم سے راضی ہو گئے؟ آج بھی وہ سارا ملبہ ہم پر ڈال رہے ہیں۔ کرزئی بھی ہمیں گالیاں دے رہا ہے، ممبئی سے بھی اعلانات ہوتے ہیں اور امریکہ آ کر ہمیں بار بار پٹی پڑھاتا ہے۔ کل میرے سینیٹر دوست نثار میمن نے یہاں کہا کہ ہماری کتنی اہمیت بڑھ گئی ہے سارا یورپ اور ساری دنیا کی طاقتیں پاکستان کے دورے کر رہی ہیں مگر

میں کہتا ہوں کہ افسوس ہے کہ یہ دورے ہمیں کچھ دینے کے لیے نہیں ہو رہے ہیں بلکہ وہ سب کچھ چھیننے کے لیے آتے ہیں، کہ ان کی کچھ شناخت رہ گئی ہے تو اسے بھی مٹا دیں۔ وہ بستہ نمبر دس کے بدمعاشوں کی طرح ہمیں صبح و شام چیک کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک چھاپہ مار مہم ہے۔ ٹونی بلیئر بھی آتا ہے، رمز فیلڈ بھی آتا ہے یہ سب چھاپہ مار مہم کا حصہ ہے۔ وہ چیک کرتے ہیں کہ کچھ بچا بھی ہے یا نہیں یا ہر چیز ختم کر دی ہے۔ جناب والا! میری کیا اہمیت ہے؟ کل اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کا وفد جو پاکستان آیا ہے بڑا اہم وفد ہے انسداد دہشت گردی ٹیم، وہ کل اکوڑہ خٹک میں میرے پاس آئی اور پانچ گھنٹے وہ میرے ساتھ رہے کیا یہ ان کی میرے ساتھ کوئی محبت تھی یا میری بڑی عظمت تھی، بہت احترام تھا کہ پوری ٹیم اکوڑہ خٹک میں میرے گھر پر پانچ گھنٹے تک رہی۔ ایک بجے آئے شام کو پانچ بجے واپس گئے۔ وہ ہمارے تعلیمی نظام اور اسلامی طرزِ حیات اور خیالات کو خورد بین سے چیک کر رہے تھے۔ اس لیے میں کل کے اجلاس میں مجبوراً حاضر نہیں ہو سکا تھا۔ انہوں نے سب کچھ دیکھا وہ ندامت محسوس کر رہے تھے کہ ہم کسی غلط فہمی میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نیویارک میں ہم آپ کے بارے میں کچھ اور سنتے تھے مدرسے کے بارے میں بھی مگر یہاں تو ہم اور کچھ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے پریس کو کہا کہ ہمیں ایسی بریفنگ دی گئی کہ ہمارے سارے خدشات ختم ہو گئے۔ لیکن پرنالہ پھر بھی وہیں کا وہیں رہے گا۔ تو یہ کوئی ہمارے ہمدرد نہیں ہیں کہ وہ اکوڑہ جیسے دور افتادہ علاقے میں اپنے آپ کو خطرات میں ڈال کر آتے ہیں۔ فخر کی بات نہیں کہ وہ بار بار آ رہے ہیں اور ہمیں کچھ دے رہے ہیں۔

جناب والا! ٹونی بلیئر نے آکر اعلان کر دیا کہ مدرسوں کو ختم کر دو، تو اتنے پیسے اور زیادہ لے لو تو یہ خوشی کی بات تو نہیں ہے اگر ہم یہ سلسلہ اسی طرح چلاتے رہیں گے تو کبھی مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

حکمران اپنے آئیڈیل ترکی اور مصطفیٰ کمال سے سبق سیکھیں۔

ہمارے سامنے آئیڈیل ہے مصطفیٰ کمال، ہمارے سامنے آئیڈیل ہے ترکی۔ جنرل صاحب بھی ان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ترکی نے کیا کچھ قربان نہیں کیا خلافت کو گنوا بیٹھے اور سارا عالم اسلام ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر اسلام تہذیب اور شناخت ختم کر دی گئی۔ عربی زبان پر پابندی لگادی گئی۔ اذان پر پابندی لگائی اور بدقسمتی سے ہم بھی اسی رخ پر چل پڑے ہیں۔ ہم نے بھی ٹونی بلیئر کے لیے شاہ فیصل مسجد میں اذان بھی رکوائی اور نمازِ عصر بھی تو یہ سب کچھ ہوا۔ انہوں نے اپنا سارا ملک مغربی تہذیب میں ڈبو دیا۔ مسجدیں بند کر دیں، اذان، عربی رسم الخط بند کر دیا لیکن ترکی کو کیا ملا؟ آج تک ترکی یورپ کے دروازے پر کھڑا ہے، دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ سو سوا سو برس کی جدوجہد کے باوجود بھی ان کو داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں ان ساری قربانیوں کا بدلہ ان کو کیا ملا ہم نے بوسنیا کی حالت دیکھی، بوسنیا ایک یورپی ملک تھا، یورپ کے درمیان میں ایک جزیرہ تھا، ان بے چاروں پر یورپ نے اپنا ہم قوم ہونے کے باوجود ترس نہیں کھایا کہ وہ مغربی تہذیب میں پورے ڈوب گئے تھے ان کی تہذیب، حیاء، شرافت انگریزوں سے بھی زیادہ گئی گزری تھی۔ لیکن چونکہ ان کی لا الہ الا اللہ اور اسلام سے نسبت تھی انہوں نے ان کو برداشت نہیں کیا۔ اس کو تباہ کیا۔ میں گزارش کروں گا کہ یہ سارا پس منظر موجود ہے آپ اس کی ہزار بار تردید کریں اب آپ کے سامنے ایک تلوار لٹکنے والی ہے کہ توہین رسالت ایکٹ ختم کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی حق آپ کو نہیں ہے۔ جو چاہے جو کرے سو کرے۔ جو چاہیں وہ کریں اب بھی وہ بار بار ہمارے احتجاجوں کے باوجود کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے ناموس انبیاء کا کوئی قانون بنایا؟ ہم چیختے چلاتے رہے کہ ہمارے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔

اقوامِ متحدہ: دہشت گردی کی تعریف کرے؟

کل کی ملاقات میں میں نے سیکورٹی کونسل اور اقوام متحدہ والوں سے کہا کہ بھئی ساری

دنیا کی نظریں آپ پر ہیں، انصاف کرو اور پہلے ٹیررازم کی تعریف کرو۔ اس کی حدود متعین کرو، بش کو بھی مجبور کرو، ٹونی بلیئر کو بھی مجبور کرو کہ دہشت گردی کی یہ تعریف ہوگی اوز اپنی بقا کی جنگ کی یہ ہوگی۔ پھر آپ مظلوم اور ظالم قوتوں کا فرق کریں اور ہماری تہذیب اور ثقافت نہ مٹائیں، ہمیں اپنا علم پڑھنے، پڑھانے دیں آپ نے اگر ہمارے نظام تعلیم کو سیکولر بنا دیا تو قرآن وسنت اور حدیث اور فقہ پڑھنے والا کہاں جائے گا؟ تم نے اگر تعلیم کی یہ تفریق ختم کردی، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم لازم کرادی تو تمام مدرسے خود بخود بیکار ہوجائیں گے۔ لیکن یہ تو کسی راستے پر آئیں گے ہی نہیں۔

داخلی عوامل، روشن خیال اور سیکولر ذہنیت:

جناب چیئر مین: گزارش یہ ہے کہ ایک تو یہ عوامل ہیں، دوسرے داخلی عوامل ہیں۔ ہمارے ملک میں روشن خیالوں کا ایک طبقہ ہے وہ علی الاعلان تو نہیں کہتا لیکن جب بھی ہم اسلام اور اسلامائزیشن کی بات کرتے ہیں تو یہ روکنے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میں نے اس سینٹ میں دس بارہ سال شریعت بل کے لیے جنگ لڑی ہے۔ اس دوران ہمارے چیئر مین غلام اسحاق خان صاحب اور جناب وسیم سجاد تھے۔ میرے سامنے جو یہاں موجود ہیں۔ اس وقت اتنا امریکی دباؤ نہیں تھا لیکن ایک روشن خیال طبقہ، سیکولر ذہن والا نہیں چاہتا تھا کہ اس ملک کا نظام اسلامی سانچے میں ڈھل جائے۔ اس ملک میں اسلامی احکام اور قوانین آجائیں اور وہ بظاہر علی الاعلان نہیں کہہ سکتا۔ کوئی بھی ہمار وزیر اور ممبر نہیں کہہ سکتا کہ ہم اسلامی تعلیمات کو برداشت نہیں کریں گے۔ اسلامی قوانین ہمیں قبول نہیں ہیں کیونکہ پھر وہ اس معاشرے میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن وہ طبقہ پھر اور دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے، وہ عورت کے کاندھے پر بندوق رکھ کر معاشرے کو غیر اسلامی بناتا ہے، وہ شور مچاتا ہے کہ عورت کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے وہ براہِ راست حملہ نہیں کرسکتا، وہ ایک بالواسطہ (Indirect) راستہ اختیار کرلیتے ہیں کہ اسلام میں تو عورت کے ساتھ ظلم نہیں ہے مگر یہ مولوی ظلم کر رہے ہیں۔

یہ تو قرآن وسنت کے قوانین کے نام پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور جب ''عورت دشمنی'' کا ذکر آتا ہے تو خواتین تو چیخ اُٹھتی ہی ہیں لیکن مرد بھی کہنے لگتے ہیں کہ ان پر اتنا ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام کا راستہ روکنے کے لیے وہ عورت دشمنی کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اکبرالہ آبادی نے یہی محسوس کیا تھا کہ

اکبر ڈرے نہ تھے کبھی دشمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

اسلامی قوانین کے بارے میں خواتین کو ورغلایا گیا۔

جنابِ چیئرمین: اب ان خواتین سے میں دو چار باتیں کروں گا، عورتوں کو ورغلایا گیا کہ قانون شہادت میں تیرے ساتھ ظلم ہوا عورت کو ورغلایا گیا کہ آپ کی دیت آدھی ہے، عورت کو ورغلایا گیا کہ آپ کی وراثت میں آپ کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے تو میں مختصراً دو تین باتیں گزارش کروں گا کہ یہ سراسر دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو ترجیحی رعایتوں سے نوازا ہے۔ کتنا غلط پروپیگنڈہ ہے کہ مرد کی دیت پوری ہے اور عورت کی آدھی۔

دیت:

حقیقت میں اگر ہم سوچیں تو مرد کی دیت آدھی ہے اور عورت کی دیت بالکل کامل ہے۔ وہ کیسے؟ مرد قتل ہوا ہے اور فرض کریں کہ دیت دس لاکھ روپے ہے اور مرد کا کوئی اور وارث نہیں اور اگر وارث ہیں بھی تو ان میں ایک اس کی بیوی بھی ہے اور اگر وارث صرف اس کی بیوی ہے تو دس کے دس لاکھ روپے اس کو مل گئے۔ مقتول تو دیت قبر میں نہیں لے جا سکتا وہ تو چلا گیا، قتل ہوا لیکن دس لاکھ روپے اس کی بیوی کو مل گئے تو مرد کی دیت اس کو کامل مل گئی اور اگر عورت قتل ہو گئی تو شوہر مرد جو زندہ ہے کو پانچ لاکھ ملیں گے تو مرد کو نقصان ہوا یا عورت کو۔ مرد تو بیچارا پانچ لاکھ سے محروم ہو گیا اور عورت کی دیت اس وجہ سے آدھی کر دی گئی ہے کہ عورت کی ساری ذمہ داریاں تو مردوں پر ہیں۔ بیوی قتل ہوئی ہے اور اس کا شوہر زندہ

ہے تو شوہر اس کے بچوں کو بھی سنبھالے گا ان کے تمام ضروریات اور گھر بار کو سنبھالے گا تو اللہ تعالیٰ ان حکمتوں کو خوب سمجھتا ہے۔

وراثت:

اب وراثت کی بات کر لیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہے اور بیٹی بھی ہے۔ بیٹے کو ایک پورا حصہ ملا، بیٹی کو آدھا ملا ہے۔ بظاہر دیکھیں تو عورت کو آدھا حصہ بھی ملنا نہیں چاہیے تھا اگر ہم سوچیں کہ کیوں؟ اس لیے کہ عورت گھر میں ہے تو اس کی ساری ضروریات کی ذمہ داری شوہر پر ہے یا باپ پر ہے۔

قانونِ شہادت:

یہی صورتحال قانونِ شہادت کی ہے، شور مچا ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ یہ ظلم ہے جبکہ یہ صورتحال نہیں ہے۔ حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔ قانونِ شہادت میں گواہی دینا حق نہیں ہے، ذمہ داری ہے۔ کسی کو گواہ ہونے پر مجبور کرنا، کسی کو گواہی کے کٹہرے میں لانا کوئی عزت اور فائدے کی چیز نہیں ہے۔ اس کو فقہ میں حق اور فرض کہتے ہیں۔ حقوق اور ہیں، فرائض اور ہیں۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے فرائض سے مستثنیٰ کر دیا ہے کہ یہ مصیبت میں نہ پڑیں۔ اور چار و ناچار اگر مجبوراً عدالت میں جانا بھی پڑے، عورت رحیم یار خان سے، گجر خان سے، چکوال سے، اور گلگت سے عورت بیچاری کیسے اکیلی جائے گی۔ عورت نامحرم کے ساتھ جا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کے ساتھ ایک دوسری خاتون ہونی چاہیے جو اس کی ڈھارس بندھائے، جو اس کا ساتھ دے خطرات سے محفوظ رکھے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ عدالت میں جرح کا کیا نظام ہے، کتنی غلاظت سے وکیل گواہوں پر چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ اب ایک خاتون بیچاری اکیلے ان حالات کی کیسے متحمل ہو گی؟ دل گردے والا کوئی مرد بھی اس کٹہرے میں وکیلوں کی جرح اور چیر پھاڑ برداشت نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمہارے ساتھ ایک خاتون ہونی چاہیے جو حوصلہ اس کو دلاتی رہے وہ اکیلے نہ جائیں۔

مرد سے بھی عدالت میں گھبراہٹ میں ہزار باتیں غلط ہو جاتی ہیں۔عورت بے چاری اگر بیانات میں، کٹہرے میں، جرح میں، گواہوں میں کہیں پھسل گئی، غلط فہمی میں آ گئی، گھبرا گئی تو دوسری عورت اس کو ٹوکے گی اس کی تصحیح کرے گی۔ بیچاری سے گڑ بڑ ہو گئی یا بات کرنے میں کمزوری آ بھی گئی تو دوسری خاتون اس کو تنبیہ کرے گی کہ تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ ایسی بات نہ کرو، ایسی بات کرو۔

قانونِ وراثت:

اب وراثت کے قانون کو دیکھتے ہیں انگریزوں کے زمانے میں وراثت تھی ہی نہیں، نہ انگریزوں کے ہاں اب بھی ایسا قانون وراثت ہے، جاہلیت کے دور میں عورت کو بالکل بھیڑ بکری کی طرح، مال کی طرح، جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر سب سے پہلے اس کو وراثت کا حق دار بنایا۔ اب دیکھیں ایک شخص باپ ہے اس کی بیٹی ہے اور بیٹا ہے۔ بیٹے کو دوگنا ملا، بیٹی کو اس سے آدھا ملا، کیونکہ اس کی پرورش تعلیم و تربیت سب باپ کرتا ہے لیکن جب وہ شوہر کے گھر چلی جائے گی تو ہر بوجھ اس کا شوہر پر ہے مگر وہ پھر بھی پچاس فیصد لے گئی تو یہ بھی اللہ کا انعام اور رحمت ہے ورنہ اس کو کیا ضرورت تھی؟ اس کا گھر بار چلانا، آٹا، روٹی، کپڑا، مکان اور بچے کی پرورش، بچے کے دودھ کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی۔ حتیٰ کہ مرد پر لازم ہے کہ بیوی کے لیے ایک خادمہ گھر میں رکھے گا۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ دو نوکر لازمی ہیں۔ ایک بازار سے سودا سلف لانے کے لیے باہر کے کاموں کے لیے ایک گھر کی خدمت کے لیے۔ تو جب وہ بیٹی ہے سارا بوجھ مرد باپ پر ہے۔ جب وہ ماں ہے تو مرد بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اسے سنبھالے، محنت مشقت کرے اور لا کر اسے دے۔ اگر وہ بیٹی ہے تو حضور نے فرمایا کہ جس نے بیٹیوں کی پرورش پر خرچ کیا، ان کی کفالت کی، ان کی تربیت کی اور اس کی تعلیم دلائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا کہ ایسا شخص میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں، وہ جنت میں

میرے ساتھ ایسے جائے گا تو وراثت میں بھی اللہ نے سراسر احسان کیا اور مرد کو وہاں پر مجبور کیا کہ عورت کروڑ پتی کیوں نہ ہو مگر اس کا نان نفقہ مرد پر ہے۔ مزدوری کرے مگر بیوی کو لا کر دے گا۔

جناب چیئر مین: آپ وقت کا ذرا خیال رکھیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب مجھے موقع دیں۔ یہاں پر تین تین گھنٹے تقریریں ہوتی ہیں۔

جناب چیئر مین: آپ بولیں لیکن بل پر رہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں مختصر کرتا ہوں۔

تعزیرات اور فوجداری قوانین میں اللہ کا کرم:

دنیا میں جرائم کا سلسلہ لامحدود ہے ہم غیر متناہی جرائم نئے نئے شکلوں میں پیدا ہوتے دیکھتے ہیں۔ اب لوگ سائنسی طریقے سے جرائم کرتے ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں لوگ جرائم کرتے ہیں تو ان تمام جرائم کی سزا متعین کرنے کی اللہ نے ہمیں کھلی چھٹی دی ہے۔ کہ سزا کا آپ خود فیصلہ کریں۔ اللہ نے فوجداری قوانین میں جتنی لچک کا مظاہرہ کیا ہے انسانوں کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اللہ نے کسی جرم کی سزا متعین نہیں کی بلکہ کہا ہے کہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ تمہارے قاضی، تمہارا جج جو سزا متعین کرے۔ تمہاری مقننہ جو سزا متعین کرے۔ تمہاری عدلیہ جو بھی سزا دے اسے اختیار ہے ان تمام جرائم کی سزا یعنی تعزیر اجتہادی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ کہاں بند ہے؟ آپ کسی بھی جرم میں اجتہاد کر کے کوئی تعزیر بنا سکتے ہیں۔ سو سال بھی ایک سال بھی دس سال بھی۔ اللہ نے تمارم فوجداری قوانین ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے ہیں۔ کوئی قدغن نہیں لگائی سوائے حدود کے۔

حدود اللہ کراس نہیں کیے جاسکتے:

سوائے حدود کے چار پانچ جرائم جس کا تعلق حکومت سے ہے، ملک سے ہے، معاشرے سے ہے، وہ حقوق اللہ میں شامل ہیں، باقی حقوق العباد ہیں لیکن حدود اللہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھ لیے، کیوں؟ وہ حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے، جس اللہ تعالیٰ وحی میں بیان کردہ سزا پر اصرار کرتا ہے یہ ضروری ہے وہاں اللہ کو پتہ ہوتا ہے کہ عقل پھسلے گی، انسانی عقل صحیح فیصلہ کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے زنا، قذف، جو زنا کا ایک حصہ ہے بظاہر دو ہیں حقیقت میں ایک۔ ڈکیتی وہ بھی سرقہ کا حصہ ہے اور شراب نوشی ہے تو اللہ نے حد متعین کر دیے کہ اب اس میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس میں ذرا گڑ بڑ کرنے سے کیا کیا معاشی بحران آئے گا۔ کیا معاشرتی بحران آئے گا۔ نسل انسانی اور خاندان بکھر جائے گا تو وہاں فرمایا: ﴿تلک حدود اللہ﴾ یہ میری مقرر کردہ ہیں۔ اب اسے کراس نہیں کرنا، بارڈر ہے، حد ہے اس بارڈر میں نقب نہ لگاؤ کسی بھی ملک کے بارڈر کو کراس کرتے ہیں تو گولی ماری جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس حد کو کراس نہیں کرنا۔ چار چیزیں ہیں اب اس کو کراس نہ کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تبدیلی کا حق نہیں:

﴿تلك حدو الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدو الله فأولئك هم الظلمون﴾ الآية

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ کسی حد کو وہ تبدیل کریں، نہ کر سکتے تھے۔

﴿قل ما يكون لى ان ابدله من تلقاء نفسى ان اتبع إلا ما يوحى الى﴾ الآية

مجھے حق نہیں ہے کہ میں اپنے طور پر اس میں کوئی تبدیلی کروں، جب تک وحی نہ آئے۔ ایک چوری ہوگئی، حدِ سرقہ کا مسئلہ آیا۔ فاطمہ مخذومی ایک مخذومی قبیلے کی عورت تھی اس سے

چوری سرزد ہوگئی، وہ بڑی بااثر خاندان اور قبیلے کی عورت تھی۔ ہلچل مچ گئی۔ سب نے کہا کہ اگر اس عورت کا ہاتھ کاٹا جائے گا تو بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ اسے بچایا جائے۔ کوئی جرات نہیں کر سکتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر سفارش کرے انہوں نے بالآخر تلاش کیا حضرت زید کو جو حضرت اسامہ بن زید کے والد تھے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد کی طرح عزیز تھے۔ اس کی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ٹالتے تھے ان کو تیار کیا گیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کر دیں کہ اس فیصلہ سے بڑے سیاسی نقصانات ہوں گے۔ قبائل اٹھیں گے کہ بڑے معزز خاندان کی خاتون ہے، خاتون اول ٹاپ کی چیز ہے۔ تو انہوں نے ڈر ڈر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ جلال میں آ گئے۔ فرمایا:

"انی حد من حدود الله ."

کہ اللہ کے بندے! تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے لگ گئے۔ پھر فرمایا:

"واللہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا ."

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو وہ فاطمہ مخزومیہ ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بنت محمد سے بھی خدانخواستہ معاذ اللہ چوری ہو جائے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ کے رہوں گا کیونکہ حد میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔

یہاں میں مختصر کرتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ مجھے دو تین گھنٹے دیتے۔

جناب چیئرمین: بعد میں بھی آپ تجاویز دے سکتے ہیں۔ ختم کریں لیکن تجاویز بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

سینیٹر وسیم سجاد (قائد ایوان): اسلام کا اصول یہ بھی ہے کہ ڈسپلن قائم کرو۔ یہ تو ویسے بھی عالم ہیں ساری بات کو کوزے میں بند کر لیتے ہیں۔

قوانین حدود کی حکمت:

اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا نہیں کہ خواہ مخواہ حد نافذ ہو۔ اللہ نے یہ حدود کا نظام رجم اور سو کوڑوں کی سزا عبرت کے لیے، ڈرانے کے لیے، خوف دلانے کے لیے رکھی، رجم کو بہت بھیانک بنا کر پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ رجم موت کے طریقوں میں سب سے کم خطرات اور زندگی بچانے کے امکانات کا طریقہ ہے۔ رحمت کا طریقہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر کوئی آ کر کہتا کہ میں غلطی کر بیٹھا ہوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ٹالتے تھے۔ خواہ مخواہ پیچھے نہیں پڑتے تھے۔ ایک صاحب آ کر کہنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، عورت سے زنا ہو گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ جاؤ "لعلک قبلتہا لعلک لمستہا" ان کو طریقے سے سمجھایا کہ شاید تم نے صرف بوس و کنار کیا ہوگا۔ تم نے ہاتھ وغیرہ لگایا ہوگا لیکن وہ اصرار کر رہا تھا اور اس نے صریح انداز میں کہہ دیا کھل کر کہ نہیں مجھ سے زنا والا کام ہوا ہے۔ ایک بار ایک عورت آئی اقرار کیا کہ مجھ سے زنا ہوا ہے مجھے پاک کرا دیجیے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جاؤ تمہارے پیٹ میں بچہ ہے۔ اب بچوں کو تم ہم سنگسار نہیں کر سکتے۔ جب وہ پیدا ہوگا تو پھر دیکھیں گے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو پانچ چھ مہینے وضع حمل تک گزار لے۔ ہم پیچھے نہیں پڑیں گے مگر وہ اللہ کی بندی، جس پر اللہ کا خوف غالب تھا وہ بچہ اٹھا کر لے آئی اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو مجھے پاک کر دیں۔ بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بچہ کیسے زندہ رہے گا، اس کو پالنے پوسنے اور دودھ پلانے کے لیے ماں کے علاوہ کون آئے گا؟ چلی جا۔ جب بچہ بڑا ہو جائے گا تو دیکھیں گے۔ دو ڈھائی سال بعد جب بچہ بڑا ہو گیا تو وہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر پھر چلی آئی اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو مجھے پاک کر دیں۔ ایک وہ لوگ تھے اور ایک ہم ہیں کہ ہم سب کچھ حلال کرانے کے پیچھے پڑ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اب تو کوئی چارہ نہیں ہے ہمارے لیڈر آف

دی ہاؤس نے کل ایک حوالہ مجھ سے سن کر دیا کہ ادروالحدود ما استطعتم مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حد ساقط کرانے کے پیچھے خواہ مخواہ پڑ جاؤ۔ اور اسے منسوخ کرا دو بلکہ ہر ممکن احتیاط کرو۔ کسی معقول اعتراض کی وجہ سے قانون شہادت میں معمولی کمی بھی آ گئی۔ ساڑھے تین فیصد بھی گواہ ہو گئے اور آدھا یا ایک فیصد نہیں ہے تو پھر بھی ٹال دو۔ لیکن جب حد کا فیصلہ ہو گیا تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں خود بھی اسے معاف نہیں کرا سکتا۔

جناب چیئرمین: ذرا ختم کریں مہربانی کر کے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: وقفہ کے بعد دوبارہ ٹائم دے دیجئے گا۔

جناب چیئرمین: نہیں دوبارہ تو موقع نہیں ہوگا۔ تجاویز آپ بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

سزائے موت اور رجم کی حکمتیں:

مولانا سمیع الحق: سزا کو حد سے نکال کر آپ نے اسے تعزیر میں ڈال دیا ہے۔ اب جب موت کی سزا آپ نے رکھ دی ہے تو موت کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ پھانسی کا پھندا ڈال دو۔ ایک یہ ہے کہ گولی مار دو۔ ایک یہ ہے کہ گیس والی جگہ پر ڈال دو۔ ایک یہ ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے مار دو۔ ایک یہ ہے کہ اسے زہریلا انجکشن دے دو۔ یہ سارے طریقے دنیا میں رائج ہیں، سزا دینے کے لیے لیکن قرآن میں ایک طریقہ اور ہے وہ ہے رجم کہ اسے سنگسار کرو۔ اب کون سی صورت میں زندگی بچتی ہے، ذرا میری بات غور سے سنتے لیں۔ رجم کرنے میں مجرم شخص کو اللہ نے ایک ہزار فیصد زندہ رہنے کا امکان رکھا ہے۔ گولی سے مار دیا تو پھر وہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ پھانسی کے پھندے سے پھر زندہ نہیں ہو سکتا لیکن رجم میں ایک ایک کنکری ماری جائے گی۔ دو گھنٹے میں، تین گھنٹے، چار گھنٹے میں جتنا وقت لگے اس دوران چاروں گواہ بھی موجود ہوں گے جج بھی موجود ہوگا حکمران بھی موجود ہوگا اور جب سنگساری شروع ہوئی تو کسی گواہ کا ضمیر بیدار ہوا کہ جناب میری گواہی سے یہ

زخمی ہو رہا ہے۔

جناب ایس ایم ظفر صاحب میری بات زیادہ سمجھتے ہیں یہ تو وکالت اور قانون کے ماہر ہیں اور غور سے متوجہ بھی ہیں۔

جناب چیئر مین: مولانا صاحب ذرا مختصر رکھیں مہربانی کر کے ابھی اور بھی بہت اسپیکرز باقی ہیں۔ دو منٹ میں بس ختم کریں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جی ہاں! مجھے رجم کی بات کرنے دیں۔ اگر ایک گواہ بھی ہٹ جائے، اگر ایک پتھر لگا جو مجرم کو کسی گواہ کے دل میں ترس آ گیا اوہ میں نے تو غلط گواہی دے دی اور وہ اٹھ کر کہے کہ میں نے غلط گواہی دی ہے۔ فوراً حد رک جائے گی۔ قاضی یا جج نے رشوت لی ہے پیسے لیے ہیں اس کا ضمیر جاگ گیا کہ یا اللہ کتنا بڑا ظلم ہوا مجھ سے یہ بیچاری عورت یا مرد زخمی ہو رہا ہے، تڑپ رہاہ، وہ جج کہنے لگا کہ مجھ سے غلط فیصلہ ہوا یا تزکیۃ الشہود غلط ہوا ہے کوئی یہ کہہ دے کہ یہ تزکیۃ الشہود صحیح نہیں تھا تو فوراً رجم رک جائے گا کسی جج کے بارے میں ثبوت ہو جائے کہ اس نے تو پیسے لیے تھے۔ کوئی ٹیپ ریکارڈر لے آ: ے کہ ان گواہوں نے تو وہاں منصوبہ بنایا تھا۔ بس سارا ''حد'' گر گیا اور وہ زندہ رہ گیا۔ جب تم نے ایک گولی کا برسٹ مارا تو وہ کہاں زندہ رہ سکے گا۔ تو ایک گواہ، دو گواہ، تین گواہ، چار گواہ ایک بھی بیچ میں سے نکل سکتا ہے یا مثلاً مجرم نے اقرار کیا ہے زنا کا اقبال جرم کیا ہے، عورت ہے یا مرد اور اس پر رجم شروع ہو گیا اور وہ دکھ سے چلا اٹھا۔ اس نے کہا میں نے غلط اقرار کیا ہے اقبالِ جرم سے منکر ہو گیا تو اسی وقت ''حد'' رک جائے گی۔

جناب چیئر مین: مولانا آپ تشریف رکھیں تا کہ میں دوسرے کو شروع کرا سکوں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں جناب تجاویز تو دے دوں۔

جناب چیئر مین: میں نے کئی بار موقع دیا ہے کہ جلدی ہے ایک دو منٹ میں ختم کریں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: امیر جمع ہیں، احباب دردِ دل کہہ دے پھر التفات دل دوستان

رہے ہیں۔

چونکہ ایک بات قانون شریعت اور فقہ کی آئی ہے تو آپ نے گھنٹے گھنٹے دیئے ہیں۔ اگر مجھے نماز کے بعد دوسری مرتبہ وقت دے دیں۔

آوازیں: اگلے سیشن میں (بل پاس ہونے کے بعد)

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں اگلے سیشن میں نہیں۔ (مذاق نہ کریں)

جناب چیئرمین: آپ تجاویز لکھ کر دے دیں ان کو میں ریکارڈ میں ڈال دوں گا۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: نہیں میں مختصراً اس بل کی اصلاح کے لیے ضروری بات کروں گا۔

جناب چیئرمین: زیادہ سے زیادہ ایک منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔ چونکہ بہت لمبی لسٹ ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب مجھے شام کو اپنی ترامیم کے موقع پر وقت دیں گے۔

جناب چیئرمین: میں وعدہ نہیں کرسکتا......

سینیٹر مولانا سمیع الحق: گوکہ میرا حق ہے پارلیمنٹ میں ترامیم پر بات کرنے کا اور میں اپنا وقت پورا کرنا چاہتا ہوں۔ میں بل کی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں یہ کوئی غیر ضروری بات نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: تجاویز تو دے دیں ناں۔ یہ ہم سب کے لیے چیلنج ہے۔ محدود وقت ہے اور اپنی تجاویز اور خیالات کا اظہار کریں۔ یہ ذمہ داری بھی ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: حضور ابھی تو پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے۔

جناب چیئرمین: پچیس منٹ ہو گئے ہیں۔ اذان کا وقت نکال کر پچیس منٹ ہو گئے ہیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: میں یہ عرض کر رہا ہوں، مختصر سی بات کہ آپ نے زنا اور زنا بالجبر سب باتوں کو تعزیر میں ڈال دیا ہے تو اگر چار گواہوں کا ثبوت نہ ہو تو اس طرح اس کو

تعزیرات میں ڈالا جاسکتا ہے۔لیکن اگر آپ ان دفعات میں ایک دولفظ بڑھادیں صرف یہ کہ بشرطیکہ وہ چار گواہ پیش نہ کر سکتے ہوں، اگر عدالت میں چار گواہ پیش نہ ہو چکے ہوں تو پھر تعزیر میں چلا جائے لیکن اگر واقعتاً کہیں چار گواہ پیش ہو گئے تو وہ زنا بالرضا ہو یا بالجبر ہو سب پر حد شرعی نافذ ہوگا۔

خواتین پر نظام عدل اور پولیس کی وجہ سے ظلم ہو رہا ہے:

دوسری میری تجویز یہ ہے کہ سارا شور یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔پولیس کا نظام ایسا کر رہا ہے تو آپ پولیس کے نظام کی کیوں اصلاح نہیں کر رہے۔پولیس تمام تعزیرات ہند، تعزیرات فوجداری و دیوانی پاکستان کے ساتھ کیا کچھ کرتی ہے۔ہزاروں عورتیں اب بھی ان تعزیرات کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں۔کیا آپ ان سب کو منسوخ کر یں گے۔زنا بالجبر میں عورت کو اللہ تعالیٰ کوئی سزا نہیں دیتا۔زنا بالجبر میں وہ مظلومہ ہے۔وہ عدالت میں جا کر فریاد کرے گی۔تو یہ شور مچا ہے کہ پولیس اس کو اندر کر دیتی ہے۔تو ہم اگر ایک لفظ بڑھادیں ایک دفعہ لگادیں کہ مستغیثہ کو اس وقت تک نہیں چھیڑا جائے گا جب تک عدالت مکمل فیصلہ نہ کر لے۔عدالت جب اس کیس کے بارے میں مکمل فیصلہ دے دے بریت کا یا مجرم ہونے کا اس وقت تک پولیس نے خاتون پر ہاتھ ڈالا یا گرفتار کیا تو وہ قابل تعزیر جرم ہوگا۔

جناب چیئرمین: آپ پولیس اصلاحات کو چھوڑیں۔آپ تجاویز دے دیں۔آدھے منٹ میں ختم کریں۔تجاویز دیں۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: جناب میں تو تجاویز ہی دے رہا ہوں میں یہ تجویز تو نہیں دے رہا کہ آپ لنچ میں جا کر ہمیں مرغ کھلائیں یا چاول کھلائیں۔بل ہی کی بات کر رہا ہوں۔

جناب چیئرمین: آپ کے اور ساتھیوں نے بھی بولنا ہے۔ان کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: دوسرا اس میں ایک دفعہ یہ رکھنا چاہیے کہ جب کسی ''حد'' کا فیصلہ

ہو جائے تو حکومت کو اس میں تخفیف، کمی یا معافی کا ہرگز اختیار نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی سے فرمایا ہے کہ انی فی حد من حدود اللہ۔ کیا حد کو بھی میں تبدیل کردوں؟ گویا رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے حق نہیں ہے کہ میں معاف کردوں۔ آپ نے صوبائی حکومتوں کو بھی اختیار دیا، مرکز کو بھی اختیار دیا کہ عدالت کے دیئے گئے فیصلے میں کمی بیشی کریں یا اس کو معاف کریں، اس چیز کو اس سے ختم کرنا چاہیے۔ اگر آپ دیکھیں کہ فحاشی، قابل دست اندازی پولیس نہیں۔ (بات مکمل کرنے نہیں دی گئی)

جناب چیئر مین: آپ مہربانی کر کے تشریف رکھیے میں دوسرے اسپیکر کو بلاتا ہوں، بہت زیادہ وقت ہو گیا ہے۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق: ترامیم میں آپ مہربانی کریں کیونکہ وہ میرا حق ہے۔

جناب چیئر مین: اس وقت میں دیکھوں گا، اگر وقت ہوا تو میں حاضر ہوں۔

حقوقِ نسواں بل کے مخالف علماء اسلامی تاریخ اور شریعت کی روح سے صرفِ نظر کر رہے ہیں:

مفتی عبدالقوی

(مفتی عبدالقوی علماء و مشائخ ونگ پاکستان مسلم لیگ (ق) کے مرکزی سینئر نائب صدر، چیئرمین دینی مدارس بورڈ پاکستان اور ملتان کے ایک معروف دینی ادارے دارالعلوم عبیدیہ کے مہتمم مفتی ہیں۔ ان سے تحفظ حقوق نسواں بل منظور ہونے کے بعد لیے گئے انٹرویو کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ قارئین کرام! آئندہ صفحات میں دیگر حضرات کے مضامین کے مطالعے سے موصوف کی باتوں اور پیش کردہ اعداد و شمار کی حقیقت جان لیں گے۔"

☆ حدود آرڈیننس اور تحفظ حقوق نسواں بل کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟

مفتی عبدالقوی: تحریک نظامِ مصطفیٰ کے نتیجے میں جس وقت سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو اس وقت کے حالات کے باعث اور ان کے خاندانی تعلقات کے حوالے سے پاکستان میں قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کا فیصلہ کیا گیا۔ بہت سے قوانین علماء و مشائخ کی مشاورت سے آرڈیننسز کی ذریعے نافذ کیے گئے ان میں سے ایک حدود آرڈیننس بھی تھا جسے قومی اسمبلی سے منظوری کے بعد نافذ کیا گیا۔ بدقسمتی سے صدر پاکستان اس وقت ایک مخصوص طبقے کے چند علماء کے ہاتھوں یرغمال تھے اور ان علماء کرام نے جو کچھ سمجھا اسے انہوں نے عین اسلام قرار دیا اور وہ جوں کا توں 1979ء میں نافذ ہو گیا لیکن اس میں دوسرے علماء سے مشاورت، ماہرین قانون سے آراء و تجاویز اور دینی اسکالرز کی تحقیقات سے چنداں راہنمائی حاصل نہ کی گئی آپ اندازہ کریں

کہ محض 46 دن کے انتہائی مختصر دورانیے میں صدارتی آرڈیننس کے نام سے ایک دستاویز تیار کر کے نافذ کر دیا گیا۔

☆ ان دونوں بلوں کے ذریعے (جواب قانون بن چکے ہیں) خواتین کے حقوق کے تحفظ میں کیا مدد ملے گی؟

مفتی عبدالقوی: 1979ء سے اب تک اس آرڈیننس کی وجہ سے پاکستان کے مظلوم طبقات پر کون کون سے ظلم ڈھائے گئے، جاگیرداروں اور پیشہ ور خواتین نے کس طرح پیسے بٹورے اور پولیس کے ذریعے اس قانون کو غلط انداز سے استعمال کیا یہ ہر ذی شعور پاکستانی اچھی طرح جانتا ہے اس کی ہر صوبے میں ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔ صرف جنوبی پنجاب میں اس آرڈیننس کو جس بھیانک انداز میں استعمال کیا گیا صرف اسی کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں۔ میں چونکہ ایک علمی و روحانی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جس کی بڑی تعداد اضلاع پنجاب کے سوالہ اضلاع میں آباد ہے اور میرے سامنے ایسے سینکڑوں واقعات ہیں کہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور وڈیروں نے اپنی باہمی دشمنی کے لیے اس آرڈیننس کو بطورِ آلہ استعمال کیا۔ پولیس کو رشوت دے کر اور پیشہ ور گواہوں کو خرید کر پیشہ ور عورتوں کو آلہ کار بنا کر ایک ایسی سیاہ تاریخ رقم کی گئی جس کو سنتے، سمجھتے اور پڑھتے ہوئے انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔ تھانوں میں سرعام رشوت کا بازار گرم ہوا۔ اسلام اور حدود آرڈیننس کی مناسبت سے بھاری رقم لے کر مقدمہ کاٹا جاتا، صرف جنوبی پنجاب میں اس قانون کے تحت پابندِ سلاسل خواتین کی 1981ء تا 2003ء تک تعداد 936 ہے جبکہ ملک بھر میں ایسی مظلوم خواتین کی تعداد 3000 ہے۔ حدود آرڈیننس کے نفاذ سے اب تک جو خامیاں اور خرابیاں سامنے آئیں ان میں سے بیشتر کا تعلق زنا آرڈیننس سے تھا چنانچہ موجودہ حکومت نے فیصلہ کیا کہ حدود آرڈیننس کی خرابیوں اور خامیوں کو دور کیا جائے۔

☆ ان ترامیم کو متعارف کرانے کے لیے علماء کرام کا کردار کیا ہے؟

مفتی عبدالقوی: ان ترامیم کو متعارف کرانے سے قبل حکومت نے علماء و مشائخ اور مذہبی سکالرز سے تجاویز اور آراء طلب کیں بل سلیکٹ کمیٹی نے منظور کیا۔ اس میں قرآن وسنت کی واضح تعلیمات اور احکام بطورِ حدود، تعزیرات بھی موجود ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدِ زنا کی بابت جو احکامات بیان فرمائے وہ سابقہ حدود آرڈیننس میں بھی موجود تھے تبدیلی چنداں نہیں کی گئی۔

☆ ترامیم کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟

مفتی عبدالقوی: سابقہ حدود آرڈیننس کی خامیوں کو دور کرنے اور 1980ء سے اب تک اس آرڈیننس کے باعث جو معاشرے میں ظلم وستم کا ایک خاص ماحول بنا رہا اس کے باعث تحفظ نسواں بل پیش کرنے کی ضرورت پڑی۔ موجودہ بل میں صرف 4 امور موضوع بحث رہے ہیں جن کے لیے ماہرین قانون، علماء، مذہبی دانشوروں سے آراء لی گئیں جن کا اس میں ذکر کیا گیا۔

☆ آپ کی توقعات اس بل کے حوالے سے کیا ہیں؟

مفتی عبدالقوی: موجودہ حقوق نسواں بل کے ذریعے پولیس کے رشوت خور اہل کار ہر علاقے کے بدکردار جاگیرداروں اور بھتہ خور سیاستدانوں کو اب یہ جرات نہ ہوگی کہ وہ زنا آرڈیننس کی آڑ میں شریف آدمی کو زنا جیسے قبیح مقدمے میں ملوث کر سکیں۔ اس بابت میرے علم میں ایسے سینکڑوں واقعات ہیں کہ ایسے قبیح مقدمے میں باعزت لوگوں کو ملوث کرنے کے بعد لاکھوں روپے بطورِ بھتہ وصول کیے گئے جبراً بڑی بڑی رقوم لے کر جھوٹے مقدمات کو واپس لے لیا گیا۔ سابقہ زنا آرڈیننس میں تیسری بڑی خرابی یہ تھی کہ شرعی چار گواہوں کی مکمل عدم دستیابی کی صورت میں فحاشی وعریانی کی دفعہ لگا کر اپنی جانب ہی سے سزا تجویز کر لی گئی تھیں میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت کے علماء کا یہ اقدام نہ صرف غیر شرعی تھا بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں قابل گردن زنی تھا۔ قرآن وسنت کی رو سے کسی نام نہاد عالم

اور مذہبی پوپ کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی ملزم کی سزا کا خود انفرادی یا اجتماعی طور پر تعین کرے قرآن وسنت کی روشنی میں اختیارات صرف مسلمان جج کو دیے گئے ہیں کہ وہ خلافتِ راشدہ اور اپنے سے پیش رو مسلم جج کے فیصلوں کے تناظر میں مجرم کے لیے سزا یا اسے باعزت بری کرنے کا فیصلہ دے...... موجودہ بل میں چوتھی اہم بات یہ ہے کہ اس میں ملزم کی عمر کے حوالے سے بھی سزا کی تجویز وتخفیف کو بطورِ قانون نافذ کیا گیا ہے کیونکہ اس سنگین جرم کی سزا چونکہ شریعت نے بہت سخت مقرر کی ہے اس لیے اس کی شرائط بھی شریعت نے بہت سخت متعین کی ہیں اس لیے معصوم اور کم عقل افراد کو یقیناً ایسی سزا نہ دیئے جانا مناسب ہے۔ جن میں کم عقلی کے باعث اس جرم کی سنگینی کا ادراک نہیں اور اس لیے عقل بلوغ اور پختگی کے حوالے سے عمر حد سولہ سال مقرر کی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید نے اپنی دو آیات کے ذریعے جرم اور مالیاتی امور کے حوالے سے جو کلمات بیان فرمائے ہیں ان کے مفہوم میں عقل، بلوغ، تجربہ اور پختگی موجود ہے اس لیے بعض مذہبی حلقوں کی جانب سے اس حوالے سے جو بات کی جارہی ہے وہ درست نہیں ہے اور اسے بغیر کسی وجہ کے بنیاد بنا کر اس پورے حقوق نسواں بل کو غیر اسلامی قرار دینا کسی حوالے سے مناسب نہیں ہے۔

☆ حقوق نسواں بل پر مذہبی حلقوں کا ایک گروہ مختلف اعتراضات کر رہا ہے؟ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

مفتی عبدالقوی: موجودہ حقوق نسواں بل کی کوئی بھی شق قرآنی آیت حدیث صحیح اور خلافتِ راشدہ کے فیصلے کے خلاف نہیں، یہ کہنا کہ موجودہ بل قرآن وسنت سے متصادم ہے تو یہ اللہ کے غضب کے اظہار کے مترادف ہے۔ خلافتِ راشدہ کے دور اور پوری تاریخ اسلام میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس میں گواہوں کا چار کا عدد پورا نہ ہونے پر کسی کو سزا دی گئی ہو بلکہ گواہوں کو تو کوڑے بھی مارے گئے ہیں...... اس بل سے خواتین کے

حقوق کا تحفظ ہوا ہے اور انہیں چار گواہوں کے بغیر بھی سزا دی جاسکے گی۔ یہ بل ان خامیوں اور جبر کے خاتمے کے لیے منظور کیا گیا ہے جو سابق صدر پاکستان کے زمانے میں زنا آرڈیننس کے نام پر نافذ کیا گیا تھا موجودہ بل قرآن وسنت میں بیان کردہ حدود اور تعزیر کے احکامات کے مطابق ہے اس بل کے مخالفین یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ تحفظ حقوق نسواں بل سے فحاشی وعریانی عام ہوگی یہ بالکل غلط ہے موجودہ حکومت نے ایسے اقدامات کیے ہیں کہ معاشرے میں فحاشی وعریانی، غیر اخلاقی افعال کا سدباب ہو علماء اسلام کا اب یہ مطالبہ ہونا چاہیے کہ اس بل کے تحت جب اختیارات جج اور پولیس کے اعلیٰ افسران کو منتقل کیے جائیں تو ایک ہفتے کے اندر اس کا فیصلہ ہونا چاہیے تین روز کے اندر واقعہ کی اصل بنیادوں پر تفتیش ہونی چاہیے اور اگر پرچہ بنتا ہو تو پرچہ درج کرنا چاہیے۔

(بشکریہ ہفت روزہ زندگی لاہور: 3 تا 9 دسمبر 2006ء)

''تحفظ نسواں بل'' قرآن وسنت کے صریح خلاف ہے

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نوٹ: تحفظ حقوق نسواں بل کے سینٹ سے منظوری سے اگلے دن 24 نومبر بروز جمعۃ المبارک صدر دارالعلوم کراچی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جامع مسجد میں جمعۃ المبارک کے خطاب کے دوران ایک عظیم مجمع سے خطاب کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کیا جو من وعن پیش کیا جارہا ہے۔

(ضبط وترتیب: مولانا محمد شفیق اعوان)

آپ حضرات نے اخبارات میں پڑھ لیا ہوگیا کہ نام نہاد تحفظ نسواں بل جو قرآن و سنت کے صریح خلاف ہے اور آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے۔ دستور پاکستان کے بھی خلاف ہے، نظریہ پاکستان کے بھی خلاف ہے قراردادِ مقاصد کے بھی خلاف ہے اور عورتوں کے حقوق کے بھی خلاف ہے اور عورتوں کو کوئی حق فراہم نہیں کرتا ان کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کرتا۔ ایسا نام نہاد تحفظ حقوق نسواں بل کل سینٹ نے بھی منظور کرلیا ہے۔ بہت سارے ممبران کی مخالفت کے باوجود اکثریت کی بناء پر اسے منظور کرلیا گیا ہے اور پہلے قومی اسمبلی نے اسے پاس کیا تھا اور اب سینیٹ نے بھی اسے منظور کرلیا ہے اور اب یہ قانون بن جائے گا اگر صدرِ پاکستان اس پر دستخط کرتے ہیں صرف دستخط کرنے کی بات رہ گئی ہے۔ (چنانچہ صدر نے دستخط کردیے ہیں: مرتب) پاکستان کی 59 سالہ تاریخ میں یہ پہلا الم ناک حادثہ اور سانحہ ہے کہ پارلیمنٹ نے کھلم کھلا قرآن وسنت کے خلاف ایک قانون پاس کیا ہے ابھی تک یہ سانحہ کبھی پیش نہیں آیا۔ ایوب خان نے بدنام زمانہ قوانین نافذ کیے تھے وہ پارلیمنٹ کے ذریعے نافذ نہیں کیے تھے آرڈیننس کے ذریعے سے ڈکٹیٹر تھا نافذ کردیے اس ملک میں فوجی ڈکٹیٹروں نے تباہی جو مچائی ہے اور اسلام کو نقصانات جو پہنچائے ہیں ان کی ایک طویل

داستان ہے ایوب خان کے بعد یحییٰ خان آیا اس نے پاکستان ہی کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور اب موجودہ ڈکٹیٹر ہے جو امریکہ کا غلام ہے اور پورے ملک اور قوم کو امریکا کا غلام بنا دینا چاہتا ہے۔ امریکا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کتنے بے گناہ مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکا کے حوالے کیا اور برطانیہ اور مغرب کو خوش کرنے کے لیے ایک قاتل جس کا جرم ثابت ہو چکا تھا اور عدالت نے اسے سزائے موت سنائی تھی ٹیکسی ڈرائیور کو قتل کرنے کی بناء پر اس کو معافی دے کر خصوصی طیارے سے برطانیہ بھیج دیا اور اسی امریکا کو خوش کرنے کے لیے باجوڑ کے مدرسہ پر بمباری کر کے 83 انسانوں کی جان لے لی۔ حکومتی بیانات میں کہا گیا ہے کہ اس میں 175 افراد تھے جو دہشت گردی کی تربیت حاصل کر رہے تھے ابھی تک اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکے یہ ایک دعویٰ ہے اگر واقعی وہ دہشت گردی کی تربیت حاصل کر رہے تھے تو قانون کا طریقہ تھا مہذب طریقہ تھا ایک آزاد قوم کا طریقہ تھا ان کو گرفتار کرتے عدالت میں مقدمہ چلاتے جس کا جرم ثابت ہوتا سزا دے دیتے حکومتی بیانات میں کہا گیا کہ وہ خلاف قانون سرگرمیوں میں ملوث تھے ہم نے بار بار انہیں وارننگ دی تھی ٹھیک ہے صرف وارننگ کیوں دی تھی گرفتار کر لیتے عدالت میں مقدمہ چلاتے ہم بھی تمہاری تائید کرتے۔ خلاف قانون کام کرنے کی تو ہم بھی اجازت نہیں دیتے ہم بھی حامی نہیں کہ انارگی پھیلائی جائے ہمارے وطن میں۔ یہ ہمارا بڑا عزیز وطن ہے، ہمارے بزرگوں نے بہت قربانیاں دے کر اسے حاصل کیا ہے اور اس کی سلامتی اور حفاظت کے لیے اب تک مسلسل ہماری قوم قربانیاں دیتی رہی ہے اور اسی وطن پاک کی حفاظت کے لیے یہاں کے غریب عوام اپنا پیٹ کاٹ کر فوج کا خرچ برداشت کر رہے ہیں تاکہ یہ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی بھی حفاظت کرے اور نظریاتی سرحدوں پر آنچ آنے لگے تو اس کی بھی حفاظت کرے تو ہم بھی پاکستانی ہیں اس پاکستان کا درد ہم رکھتے ہیں تو اگر پاکستان کے مفاد کے خلاف وہ کام کر رہے تھے پاکستانی قانون کے خلاف وہ کام کر رہے تھے ان 175 افراد کو

گرفتار کیا جاتا۔ آپ نے 75 کی تعداد بتائی ہے کہ وہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے مگر آپ نے ان پر بمباری کر دی کوئی جرم ثابت کیے بغیر یہ ماورائے عدالت قتل ہے۔ کوئی مہذب قوم اور ملک اس کو جائز نہیں کہہ سکتا۔ کوئی قانون اس کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اسی طریقے سے الزام لگا لگا کر بمباری کرنے لگیں گے تو کل تم اور کسی یونیورسٹی پر بمباری کر دو گے کل کسی اور ادارے پر تم بمباری کر دوں گے کہ یہاں فلاں کام ہو رہا تھا، فلاں کام ہو رہا تھا، دعویٰ کر لیا اور ثابت کیا نہیں عدالت سے اس کا حکم ثابت کیا اور تم نے بمباری کر کے اس میں بے گناہوں اور مجرموں سب کو ایک ساتھ قتل کر دیا۔ تو تم نے 175 افراد کی تعداد بیان کی ہے کہ وہ خلاف قانون حرکتوں میں ملوث تھے تو ان کو پکڑ کر ان کے خلاف مقدمہ چلاتے اور ان کو سزا دیتے بڑی اچھی بات تھی ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارے اس ملک میں قانونیت کی بالادستی قائم ہو اور لاقانونیت کا خاتمہ ہو۔ لیکن تم نے خود لاقانونیت کا برتاؤ کر رکھا ہے یہ کون سے قانون کے تحت تم نے بمباری کی اور جرم ثابت کیے بغیر قتل کیا یہ ماورائے عدالت قتل ہے۔ یہ جرم کیا تم نے قانون پاکستان کی روح سے بھی قانونِ شریعت کی رو سے بھی اور اخلاقی اعتبار سے بھی صرف امریکا کو خوش کرنے کے لیے۔ مغرب کو خوش کرنے کے لیے اور پھر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ 175 افراد ان خلاف قانون حرکتوں میں ملوث تھے اور پھر 83 شہید ہیں باقی جو آٹھ ہیں انہیں تو تمہارا دعویٰ بھی نہیں ہے کسی جرم کا وہ بچے تھے۔ پڑھ رہے تھے۔ ماں باپ ان کو رو رہے ہیں ان آٹھ کے خون کا جواب کون دے گا۔ یہ خون انشاء اللہ رنگ لائے گا۔ قاتلوں کو انشاء اللہ سزا ملے گی یا تو دنیا اور آخرت دونوں میں یا آخرت میں تو ملے گی ہی۔ آخرت میں پکڑے جائیں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ ومن يقتل مؤمناً متعمداً ...... وغضب الله عليه ...... عذاباً عظيما ﴾ (سورة النور)

”کسی ایک مؤمن کو اگر کوئی شخص ناحق قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ

ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اللہ کا غضب اس پر نازل ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے عذابِ الیم مقرر کر رکھا ہے۔"

یہ مضمون ہے قرآنی آیت کا۔

دائمی جہنم، اللہ کا غضب، اللہ کی لعن ولعنت اور اللہ نے اس کے لیے بہت عظیم سزا اور عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اتنے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں یہ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اور اپنے آقائے حقیقی کو بھول گئے یہ تاجدارِ دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں یہاں کے عوام بھی ان کے امتی ہیں۔ انہی کے نام پر یہ جان دینے والے۔ رب کائنات کو بھول گئے جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو تمہیں رزق بھی دیتا ہے اور پالتا ہے۔ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے یہ حرکتیں کیں کہتے ہیں کہ وہ قانون کی خلاف ورزیاں کر رہے تھے تم نے کونسا قانون کی موافقت کی ہے یہ حرکت کر کے قانون کی دھجیاں بکھیر دی ہیں تم نے اور ابھی یہ زخم مندمل نہیں ہوا تھا کہ دوسرا ایک اور یہ ناپاک قدم اٹھایا کہ قرآن وسنت کے بالکل صریح خلاف قانون پاس کیا یہ دعویٰ کر کے کہ عورتوں کے حقوق دلوائے ہیں۔ یہ میرے پاس اس کا پورا متن ہے جو بل پاس ہوا ہے پہلے پارلیمنٹ نے اسے پاس کیا اور کل سینیٹ نے پاس کیا ہے۔

(بشکریہ: www.deen-e-islam.com)

حدود قوانین......شریعت میں ان کی اہمیت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، سابق رکن شریعت اپلیٹ بنچ۔ سپریم کورٹ آف پاکستان

''حدودِ شرعیہ'' اُن سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو چند جرائم کے لیے قرآنِ کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مقرر کردی ہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا قانونِ فوجداری بڑا لچکدار ہے کہ اس میں چند گنے چنے جرائم کے سوا کسی بھی دوسرے جرم کی کوئی سزا ہمیشہ کے لیے مقرر نہیں فرمائی گئی، بلکہ تقریباً تمام جرائم کی سزا کا تعین حاکمِ وقت یا قاضی وقت یا آج کل کی اصطلاح میں مقننہ (Legislature) یا عدلیہ (Judiciary) پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات وواقعات کی مناسبت سے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں، جسے اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے۔ صرف چند جرائم ایسے ہیں جن کی سزا قرآن کریم یا سنت نے مقرر فرمادی ہے اور ان میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں دیا گیا۔ انہی سزاؤں کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا، شراب نوشی اور تہمتِ زنا جو ''حدود آرڈیننس'' کا اصل موضوع ہیں، انہی جرائم میں داخل ہیں۔ ان خاص جرائم ہی کو سزاؤں کے ابدی تعین کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ اور انہیں بھی دوسرے جرائم کی طرح مقننہ یا عدلیہ کی صوابدید پر کیوں نہیں چھوڑا گیا؟ اس سوال کے جواب میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور کہا گیا ہے، لیکن فی الحال وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

میں ذاتی طور پر اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں کہ وحی الٰہی کسی بات پر اسی وقت اصرار کرتی ہے جب عقلِ انسانی کے کسی معاملے میں ٹھوکر کھانے کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا اس معاملے کا تصفیہ عقلِ انسانی کے حوالے کرنے کی بجائے وحی الٰہی کی طرف سے اس کا دو ٹوک فیصلہ کردیا جاتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، یہ فیصلہ ہر حالت میں واجب التعمیل ہے۔ ایسے معاملات میں بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فیصلے کی تعمیل کچھ غیر مرئی یا

معنوی فوائد کی بھی حامل ہوتی ہے جن میں سبب اور مسبب (Cause and effect) کا رشتہ قابلِ دریافت نہیں ہوتا۔ شاید حدود کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت فرمایا کہ ''اللہ کی زمین میں کسی ایک حد کا عملی نفاذ چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔'' (سنن نسائی حدیث: 4821۔ کتاب قطع السارق، وابن ماجہ: 4821)

اس لحاظ سے ایک اسلامی ملک میں حدود کے نفاذ کی اہمیت بالکل واضح ہے اور اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ جب ایک سراسر غیر اسلامی نظام قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو تو اس میں ترجیحات (Priorities) کے تعین میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن جہاں تک نفاذِ حدود کا تعلق ہے اس کی اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ''حدود'' اسلامی نظامِ قانون کا ایک حصہ ہے، اسلامی قانون اس میں منحصر نہیں ہے، نیز اسلام نے قانون کی جکڑ بندی کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لیے بھی بہت سے احکام دیئے ہیں، جن سے جرائم کی روک تھام میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا کام صرف نفاذِ حدود نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے جس کے نتیجے میں نفاذِ حدود کی نوبت کم سے کم آئے، لیکن یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خود حدود اگر ٹھیک ٹھاک انصاف کے ساتھ نافذ کی جائیں تو وہ ایسا ماحول پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں اور ماحول کے مکمل پاکیزہ ہونے کے انتظار میں ان کے نفاذ کو غیر معین مدت تک معلق رکھنا بھی جائز نہیں۔

پاکستان میں حدود قوانین کا نفاذ:

ہمارے ملک میں 1979ء میں حدود کے قوانین نافذ ہوئے اور اس غرض کے لیے جو آرڈیننس جاری کیے گئے ان سب کو عرفِ عام میں حدود آرڈیننس کہا جاتا ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جہاں تک اللہ اور اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا آپ کے عطا فرمودہ قانون کا تعلق ہے وہ تو یقیناً اتنا مقدس (Sacrosanct) ہے کہ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں، لیکن جب اس حکم کو ایک مدون قانون (Coelified Law) کی شکل دی جاتی ہے تو یہ ایک انسانی عمل ہے جس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ قانون کی تسوید (Drafting) ایک انتہائی نازک عمل ہے۔ اس میں ہر ممکنہ صورتحال کا پہلے سے تصور کر کے الفاظ میں اس کا احاطہ کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی عقل قاصر رہتی ہے اور اس طرح مسودۂ قانون میں کمزوریوں کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ حدود آرڈیننس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اس میں بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس میں بھی اس نقطۂ نظر سے بعض امور قابلِ اصلاح ہو سکتے ہیں اور جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اس میں بھی ترمیم و اصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے اور جاری رہنا چاہئے، بشرطیکہ یہ عمل معروضی تنقید کے ذریعے ہو کسی عناد کا نتیجہ نہ ہو۔

حدود قوانین، اہم اعتراضات:

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں گروہ بندی کی فضا نے اس قسم کے معروضی طرز فکر کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔ جب کوئی مسئلہ خاص طور سے سیاسی سطح پر اٹھتا ہے تو لوگ فوراً دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ایک چیز کو سراپا سفید قرار دے کر اس میں کسی بھی دھبے کی نشاندہی کو کفر کے مترادف قرار دے دیتا ہے اور دوسرا گروہ اسے سراپا سیاہ قرار دے کر اس کی کسی خوبی کا اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورتحال اس وقت ''حدود آرڈیننس'' کے بارے میں پائی جا رہی ہے۔

ایک گروہ ہے جو ''حدود آرڈیننس'' پر مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے معروضی تنقید کرنے کی بجائے اس کے خلاف غلط اعتراضات اٹھا کر اسے بالکل منسوخ کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات وہ ہیں جنہیں دراصل یہ بات بذاتِ خود ناگوار ہے کہ کوئی

بھی اسلامی حکم قانون کے طور پر نافذ ہو، وہ دراصل اس سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے جسے ریاست کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہونا چاہئے۔ ''حدود'' کے معاملے میں ان کا رویہ اس لیے مزید سخت ہوگیا ہے کہ مغرب نے عرصۂ دراز سے جن اسلامی احکام کو اعتراضات کا نشانہ بنایا ہوا ہے ان میں ''حدود'' سرِ فہرست ہیں۔ اس لیے ''حدود آرڈیننس'' کتنی ہی بے داغ اور پاکیزہ شکل میں آجائے انہیں ہر قیمت پر اس کی مخالفت کرنی ہے۔ اس گروہ کی راہ میں مشکل صرف یہ ہے کہ اگر وہ کھل کر یہ کہے کہ ہمیں اسلامی قانون قابلِ تسلیم نہیں ہے تو یہ بات ایک مسلمان معاشرے، بالخصوص پاکستان میں سنی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا وہ براہِ راست اسلام یا اسلامی قانون پر اعتراض کرنے کی بجائے ایک بالواسطہ طریقہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ حدود آرڈیننس کے بارے میں بھی مؤثر ترین راستہ انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس قانون کو ''عورت دشمن'' قرار دے کر خواتین کو اس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم تو کہہ ہی گئے ہیں کہ

اکبر ڈرے نہ تھے کبھی دشمن کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے، بیگم کی نوج سے

اس لحاظ سے خواتین کا احتجاج مؤثر ترین احتجاج ہے کہ اگر ایک مرتبہ یہ نعرہ لگادیا جائے کہ کسی خاتون کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو ہر غیرت مند شخص جوش میں آجاتا ہے اور بعض اوقات اس جوش میں اصل صورتحال کی تحقیق بھی پس پشت چلی جاتی ہے۔

حدود آرڈیننس اور خواتین:

حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اس میں عورتوں سے امتیازی سلوک برتا گیا ہے اور اس کی بنا پر خواتین شدید ترین ظلم وستم کا شکار ہیں اور اس کی بنا پر خواتین بے قصور سزا یاب ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بات مختلف حلقوں کی طرف سے بے تکان دھرائی جارہی ہے، جس کی بنا پر غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک وشبہات کا

شکار ہو گئے ہیں، اس لیے حقیقتِ حال کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ضروری ہے۔

حدود آرڈیننس میں ایک دفعہ بے شک ایسی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے اور وہ ہے حدود کے مقدمات میں عورت کی گواہی کا مسئلہ لیکن اس دفعہ کی بنا پر آج تک کسی بے گناہ عورت کو سزا نہیں ہوئی نہ اس سے کوئی قابلِ ذکر عملی فرق رونما ہوا ہے۔ اس بات کی وضاحت ان شاء اللہ میں آگے کردوں گا، لیکن اس ایک مسئلے کو چھوڑ کر باقی جتنے معاملات میں ان قوانین پر عورت کے خلاف امتیاز برتنے والا قانون ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، وہ واقع کے مطابق نہیں ہے۔ یہ اعتراض قانون کے مطالعہ کے بغیر یا اس کے مضمرات کا کما حقہ جائزہ لئے بغیر کیا جا رہا ہے بلکہ بعض اوقات صرف اس بنا پر کیا جا رہا ہے کہ یہ بات پہلے سے دماغ میں فرض کر لی گئی ہے کہ اس قانون کو عورت کے خلاف تعصب کا قانون قرار دینا ہے لہٰذا قانون کو وہ معنی پہنائے جا رہے ہیں جو کسی بھی طرح اس سے نہیں نکلتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں عجیب و غریب قسم کے لطیفے بھی سامنے آئے ہیں۔ اس کی دو مختصر مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضات کس ذہنیت کے ساتھ کئے جا رہے ہیں۔

پہلی مثال:

حدود کے قوانین میں ایک قانون ''قذف آرڈیننس'' بھی ہے، قذف کے معنی ہیں زنا کی تہمت لگانا، اس قانون کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے تہمت لگانے والے پر سزا جاری کروائے۔ شریعت نے جہاں زنا کو بدترین جرم قرار دے کر اس کی سزا حد کے طور پر مقرر فرمائی ہے، وہاں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی بدترین جرم قرار دیا ہے اور اس کی سزا میں اسی (80) کوڑے بطورِ حد مقرر فرمائے ہیں، قذف آرڈیننس اسی سزا کی تنفیذ کے لیے جاری ہوا ہے، اس آرڈیننس میں ایک دفعہ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عدالت میں قذف کی شکایت کون

دائر کر سکتا ہے، یہ قانون کی دفعہ 8A ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

Who can file a complaint Qazaf?

(a) If the person in respect of whom the qzaf has been committed is alive. that person or any person authorized by him.

قانون قذف میں صیغۂ مذکر کا استعمال:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے، اگر وہ زندہ ہے تو وہ خود بھی درخواست دائر کر سکتا ہے اور کسی شخص کو اپنا نمائندہ بنا دے تو وہ نمائندہ بھی درخواست دائر کر سکتا ہے۔ انگریزی میں یہاں Any Person authorized by him لکھا ہوا ہے جس میں مذکر کی ضمیر him استعمال ہوئی ہے۔ قانون کا یہ مسلّم اصول ہے کہ جب کوئی عام اصول بیان کیا جا رہا ہو تو وہاں خواہ مذکر کا صیغہ (Musculine Gender) استعمال ہوا ہو مگر وہ مونث کو بھی شامل ہوتا ہے۔ دنیا کے بیشتر قوانین میں یہی صورتحال ہے جو معروف اور مسلّم ہے لیکن چونکہ مرد و عورت کے درمیان امتیاز کا الزام حدود آرڈیننس پر لگانا طے کر لیا گیا ہے لہٰذا بعض حلقے مذکورہ دفعہ کے صیغۂ مذکر کو پکڑ کر بیٹھ گئے کہ دیکھئے، یہاں قذف کی درخواست دائر کرنے کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اگر یہ اعتراض کسی ایسے شخص کی طرف سے ہوتا جو قانون کی تعبیرات سے مانوس نہ ہو تو کہا جا سکتا تھا کہ اس نے یہ اعتراض ناواقفیت کی بنا پر کر دیا ہے لیکن یہ اعتراض اس کمیشن نے عائد کیا ہے جو حدود آرڈیننس پر غور کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور جس میں متعدد ماہرین قانون شامل تھے یعنی:

National Commission For Status of Women

چنانچہ حدود آرڈیننس پر اپنی رپورٹ میں اس کمیشن نے قذف آرڈیننس کی مذکورہ بالا دفعہ 8A پر یہ تبصرہ فرمایا ہے:

"It is obvious from the wording used in this clause that the drafters of this law overlooked and completely ignored women..exclusion of the term her means that it is only a man

against whom qazf is committed is eligible to file a complaint"

''اس دفعہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس قانون کے بنانے والوں نے عورت کو مکمل طور سے نظر انداز کیا ہے......اس دفعہ سے مؤنث کے صیغے her کو نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف مرد ہی ہے جو اپنے خلاف جھوٹی تہمت کی سزا دلوانے کے لیے درخواست دائر کرسکتا ہے۔''

اس تبصرے کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس نے عورت کے خلاف اس حد تک تعصب برتا ہے کہ اگر مرد کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ تہمت لگانے والے کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے، لیکن اگر بے چاری عورت کے خلاف جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ عدالت میں نہیں جاسکتی۔

قانون کا مسلمہ اصول:

اب اس اعتراض اور تبصرے کو ایک لطیفے کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی بڑی قانون دانی کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ قانون کی کتابوں میں صیغۂ مذکر ہمیشہ صیغۂ مونث کو بھی شامل ہوتا ہے لہٰذا دفعہ کے مفہوم میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں اور دونوں درخواست عائد کرسکتے ہیں مثلاً اگر قانون میں یہ لکھا ہے کہ ''جو شخص چوری کرے گا اسے فلاں سزا دی جائے گی۔'' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ چونکہ قانون میں ''کرے گا'' لکھا ہے ''کرے گی'' نہیں لکھا، اس لیے صرف مرد چوری کرے گا تو اسے سزا ہوگی، عورت چوری کرے گی تو اسے سزا نہیں ہوگی۔ لیکن چونکہ حدود آرڈیننس کو ہر قیمت پر عورت کے خلاف ثابت کرنا طے کرلیا گیا ہے، اس لیے وہاں یہ سامنے کا قاعدہ بھی فراموش کردیا گیا۔

یوں تو یہ بات کہ صیغۂ مذکر میں مؤنث بھی داخل ہوتی ہے، ایک عام فہم اور معروف قاعدہ ہے، جس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ ''حدود آرڈیننس'' کو ایک نرالی مخلوق کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس لیے میں خود قانون کے حوالے سے عرض کردوں

کہ اس قانون میں بھی مذکر کا صیغہ مؤنث کو شامل ہوتا ہے لہٰذا مرد اور عورت دونوں جھوٹی تہمت کے خلاف عدالت میں جانے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ اس قانون کی دفعہ 2B کی رو سے اس قانون پر مجموعۂ تعزیرات پاکستان (Pakistan Penal Code) کی تمام تعریفات کا اطلاق ہوتا ہے اور مجموعۂ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 8 میں یہ صراحت موجود ہے کہ

"The Person he and its derivatives are used for any person whether male of female"

''مذکر کے صیغے he اور اس کے تمام مشتقات ہر شخص کے لیے استعمال ہوئے ہیں، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث۔''

تعزیراتِ پاکستان کی یہ تصریح قانون سے ذرا مَس رکھنے والے ہر شخص کو ازبر ہوتی ہے، لیکن حدود آرڈیننس کو عورت کے خلاف قرار دینے کے جذبے نے مذکر کے صیغے سے عورت کے خلاف تعصب برآمد کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

دوسری مثال:

اسی قسم کی دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے، جو ایک دوسرے لطیفے سے کم نہیں۔ حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ 5A میں اس زنا کا تعارف کرایا گیا ہے جو موجب حد ہو، یعنی اس کے نتیجے میں حدِ شرعی جاری ہو سکتی ہے۔ تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

Zina is Zina laible to hadd if it is committed by a man who is an adult and is not insane with a woman to whom he is not, and does not suspect, himself, to be married.(sec 5(1)(a))

سادہ لفظوں میں اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ مرد کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے جبکہ اسے اس عورت کے اپنی منکوحہ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو تو وہ زنا موجب حد ہوگا۔ یہاں مرد کے ساتھ تو adult یعنی بالغ کا لفظ موجود ہے مگر عورت کے ساتھ نہیں ہے، جس کی وجہ واضح ہے کہ زنا کرنے والا مرد اگر بالغ نہ ہو تو اس پر حد جاری نہیں

ہو سکتی لیکن اگر کوئی بالغ مرد کسی بھی عورت سے زنا کرے تو خواہ وہ عورت بالغ ہو یا نابالغ دونوں صورتوں میں مرد پر حد جاری ہوگی۔ زنا کرنے والے مرد کے لیے بالغ ہون کی قید لگائی گئی ہے، لیکن جس عورت کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے، اس کے ساتھ بالغ کی قید اس لیے نہیں لگائی گئی تا کہ زیادتی خواہ بالغ عورت کے ساتھ ہو یا نابالغ کے ساتھ، دونوں صورتوں میں زیادتی کرنے والے پر حد جاری کی جا سکے۔ لہٰذا حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ تعریف میں ''عورت'' کے لفظ کے ساتھ ''بالغ'' کی قید ہی نہیں ہونی چاہیئے تا کہ نابالغ بچیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر بھی حد کی سزا جاری ہو سکے، لیکن چونکہ اس بات کے دلائل تلاش کرنا ضروری تھے کہ حدود آرڈیننس نے عورت کے خلاف امتیاز برتا ہے، اس لیے جب یہ عبارت نظر آئی جس میں مرد کے ساتھ بالغ لکھا ہے اور عورت کے ساتھ نہیں لکھا تو نتائج کو سوچے سمجھے بغیر یہ اعتراض کر دیا گیا کہ یہ عبارت عورت کے خلاف تعصب کی علامت ہے۔

''نیشنل کمیشن فار اسٹیٹس آف ویمن'' نے حدود آرڈیننس پر اپنی جو رپورٹ مرتب کی، اس میں اس دفعہ پر تبصرہ کیا گیا ہے:

"As the term adult had been used for a man, it should aslo have been used for a woman.(P6)

''جب بالغ کی اصطلاح مرد کے لیے استعمال کی گئی تھی تو عورت کے لیے بھی استعمال کرنی چاہیئے تھی۔''

اب ذرا غور فرمایئے کہ اگر مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے ساتھ بھی ''بالغ'' کا لفظ بڑھا دیا جائے تو عبارت کیا بنے گی؟ اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کمیشن کی تجویز کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہیئے کہ ''اگر کوئی بالغ مرد کسی بالغ عورت سے زنا کا ارتکاب کرے تو وہ زنا موجب حد ہوگا۔'' اس کا واضح نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا کرنے والے مرد کو حد کی سزا اسی وقت ہوگی جب اس کی زیادتی کا شکار کوئی بالغ عورت ہو، لیکن اگر اس نے زیادتی کسی نابالغ بچی

کے ساتھ کی ہو تو وہ حد کی سزا سے بچ جائے گا۔

اندازہ فرمائیے کہ عورت کا تحفظ حدود آرڈیننس کی موجودہ عبارت میں زیادہ ہے یا کمیشن کی تجویز میں؟

ان دو مثالوں سے آپ یہ اندازہ فرماسکتے ہیں کہ حدود آرڈیننس کے خلاف اعتراضات کتنی سنجیدگی اور کیسی سوچ کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔

قومی خواتین کمیشن کی ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ رپورٹ میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ حدود قوانین کی مختلف دفعات کو خواتین کے خلاف امتیازی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور خواتین کو ان کی بنیاد پر بے بنیاد مقدمات میں الجھا دیا جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق جیلوں میں مقید 80 سے 90 فیصد خواتین حدود کے مقدمات میں زیر حراست ہیں۔ یہ حقیقی اعداد و شمار کے اعتبار سے قطعاً غلط اور بے بنیاد بات ہے۔

اس سلسلہ میں ویمن ایڈ ٹرسٹ کی تحقیق کے مطابق حقیقی صورت حال کچھ یوں ہے:

ستمبر 2003ء میں پاکستان میں مختلف مقدمات میں خواتین قیدیوں کی تفصیلات

نام جیل	تعداد	قتل کے مقدمات	منشیات کے مقدمات	حدود کے مقدمات	متفرق
اڈیالہ جیل راولپنڈی	125	24 19.2%	63 50.4%	31 24.8%	7 5.6%
کوٹ لکھپت لاہور	97	23 23%	26 26%	48 49%	- -
سینٹرل جیل کراچی	280	70 25%	50 18%	80 28%	80 28%
میزان	502	117 23%	139 28%	159 31%	87 17%

جولائی 2003ء میں صوبہ سرحد میں مختلف مقدمات میں خواتین قیدیوں کی تفصیلات

نام جیل	تعداد	قتل کے مقدمات	منشیات کے مقدمات	حدود کے مقدمات	متفرق
پشاور	58	5 8%	35 60%	10 18%	8 14%
ڈیرہ اسماعیل خان	23	4 17%	12 52%	6 26%	1 50%
کوہاٹ	29	2 10%	12 60%	6 30%	- -
مردان	18	4 22%	5 28%	7 38%	2 11%
سوات	16	5 31%	2 13%	6 38%	3 19%
بنوں	16	2 13%	6 38%	8 50%	- -
مانسہرہ	7	3 43%	- -	4 57%	- -
ایبٹ آباد	14	5 36%	- -	9 64%	- -
میزان	172	30 17%	72 41%	56 32%	14 8%

یہ اعداد وشمار اس بات کو مکمل طور پر ثابت کر دیتے ہیں کہ کمیشن کا یہ دعویٰ کہ جیلوں میں قید خواتین کی 80 فیصد سے زائد تعداد حدود مقدمات کی بناء پر سراسر بے بنیاد ہے۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کا منفی کردار:

حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ 20 کے تحت تعزیرات پاکستان 1898ء کا ان آرڈیننسوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے جس کی وجہ سے حدود مقدمات کے اندراج، تفتیش اور سماعت کے لیے کوئی نیا یا مختلف طریقۂ کار وضع نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس صورتحال میں پولیس کو حد کے کسی بھی مقدمہ میں اختیارات کے غلط استعمال کا اسی طرح موقع مل جاتا ہے جس طرح کہ عام مقدمات میں ہوتا ہے۔ نتیجتاً پولیس کی طرف سے ظلم، جبر اور ناانصافی یہاں بھی ایک عام

آدمی کا مقدر ٹھہرتے ہیں جن کو بعد میں جواز بنا کر حدود قوانین کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

تفتیش کا طریق کار:

لوگوں کے گھروں پر چھاپے مارنا، عام راہگیروں سے نکاح نامہ طلب کرنا اور محض شک کی بنیاد پر کسی فرد خاص طور پر عورتوں کو زیر حراست لے لینا اور انہیں مجرم گرداننا وغیرہ اس ضمن میں روزمرہ کی مثالیں ہیں جن کی شریعت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تعزیرات پاکستان کی دفعہ 173 کے تحت کسی بھی زیر حراست آدمی سے تفتیش کا مرحلہ 15 دنوں کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے لیکن سب کو معلوم ہے کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا اور یہ سلسلہ کئی کئی ماہ بلکہ سالہا سال چلتا رہتا ہے۔ عدالتوں میں چالان بروقت جمع نہیں کروائے جاتے، پولیس جن گواہوں کو عدالت میں پیش کرتی ہے، انہیں اس سارے عمل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور کئی صورتوں میں وہ عدالتی سمن کی پروا نہ کرتے ہوئے حاضر ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر بھی حد کے مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پولیس کے موجودہ نظام کو بہتر کیا جائے تاکہ اس نوعیت کے مسائل سامنے نہ آئیں۔

تعزیرات پاکستان اور وفاقی شرعی عدالت:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ صرف حدود قوانین ہی نہیں بلکہ ملک کے پورے نظام کو بااثر اور طاقتور طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ قوانین کا استعمال کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ انہیں مزید پریشان اور زیردست رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس لیے حدود قوانین کے خاتمے کا مطالبہ کرنے کی بجائے ان پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ بدقسمتی سے تعزیرات پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ کار سے باہر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان میں پائی جانے والی خامیوں کے تدارک کے

لیے کوئی تجویز نہیں دے سکتی۔ اس لیے کہنا یہ چاہیے کہ حدود قوانین نہیں بلکہ تعزیرات پاکستان 1898ء ناکام ہو چکی ہے جن میں اصلاح کی فوری ضرورت ہے۔

زنا بالجبر کی شکار خواتین کے ساتھ ظلم:

حدود آرڈیننس سے پہلے زنا بالجبر تو تعزیراتِ پاکستان کے تحت ایک جرم تھا، لیکن اگر دو مرد و عورت باہمی رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کریں جسے زنا بالرضا کہا جاتا ہے تو یہ کوئی جرم نہیں تھا۔ اور یہ ستم ظریفی چلی آتی تھی کہ ہمارے ملک میں بیوی کی اجازت کے بغیر کسی اور عورت سے شادی کرنا تو قانوناً جرم تھا لیکن کسی اور عورت سے زنا کرنا جرم نہیں تھا، بشرطیکہ وہ عورت رضامند ہو، حدود آرڈیننس نے پہلی بار ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار دیا۔ اب جو حضرات پرانے اینگلو سیکسن قانون کو بحال رکھنا مناسب سمجھتے تھے، یعنی ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار نہیں دینا چاہتے تھے، ان کے لیے کھلے بندوں یہ کہنا تو اس ملک میں مشکل تھا کہ رضامندی سے زنا کرنے کی اجازت ہونی چاہئے لیکن انہوں نے اس مطالبے کو عورت کے ساتھ ناانصافی کے خاتمے کا عنوان دے کر اعتراض کیا کہ جب سے حدود آرڈیننس نافذ ہوا ہے اس وقت سے جو عورتیں زنا بالجبر کی شکار ہوئی ہیں، وہ اس خوف سے رپورٹ درج نہیں کراتیں کہ اگر وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائیں گی تو انہیں ''زنا بالرضا'' کے جرم میں دھر لیا جائے گا، چنانچہ دعویٰ یہ کیا گیا کہ بہت سی ایسی خواتین جو مردوں کی طرف سے زیادتی کا شکار ہوئی تھیں، زنا بالرضا کے مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیلوں میں پڑی ہیں، جن کا کوئی پرسان حال نہیں جبکہ جن مردوں نے ان سے زیادتی کی، وہ آزاد پھر رہے ہیں۔

یہ بات اس کثرت سے کہی گئی ہے کہ غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو وہ انہیں اچنبھی معلوم ہوتی ہے حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ میں اتفاق سے سترہ سال حدود

آرڈیننس کے مقدمات کی سماعت کرتا رہا ہوں، پہلے فیڈرل شریعت کورٹ میں اور اس کے بعد سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ میں۔ اس طویل عرصے میں مجھے کوئی ایسا کیس یاد نہیں ہے جس میں کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی ہو اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا میں سزا دے دی گئی ہو۔

صفیہ بی بی مقدمہ:

ایک مقدمہ جس کو اس معاملے میں بہت شہرت حاصل ہوئی، صفیہ بی بی کا مقدمہ تھا۔ یہ ایک 21 سالہ غیر شادی شدہ لڑکی تھی (جسے بعض اخبارات میں غلط طور پر 13 سالہ لکھا گیا تھا) اسے نو ماہ کا حمل ظاہر ہو گیا تھا، خود اس کے باپ نے آ کر اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، جب لڑکی کو گرفتار کیا گیا تو اس نے اس وقت اپنے دفاع میں یہ کہا کہ میرے ساتھ فلاں شخص نے زبردستی زنا کیا تھا، لیکن وہ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہ کر سکی، اس لیے ٹرائل کورٹ نے اسے زنا بالرضا کے جرم میں تین سال کی سزا دے دی، مگر مقدمہ فوراً فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے اپیل میں چلا گیا اور فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب عورت زنا بالجبر کا دعویٰ کر رہی ہو تو صرف حمل ظاہر ہونے کی بنا پر اسے زنا کی سزا نہیں دی جا سکتی، چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے بری کر کے اس کی سزا منسوخ کر دی۔

یہ تھا وہ مقدمہ جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا کہ زنا بالرضا کو جرم قرار دینے سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورتیں بے گناہ پکڑی جا رہی ہیں۔ آپ ذرا تصور فرمائیں کہ اس مقدمے میں لڑکی نے زنا بالجبر کی رپورٹ درج نہیں کرائی تھی بلکہ خود لڑکی کا باپ اس کے خلاف زنا کی شکایت لے کر آیا تھا، ایک باپ کا اپنی بیٹی کے خلاف زنا کاری کی رپورٹ درج کرانا ہمارے معاشرے میں کوئی معمولی بات نہیں ہے، البتہ جب لڑکی پر مقدمہ چلا تو اس وقت اس نے اپنا دفاع یہ کہہ کر کیا کہ میرے ساتھ زبردستی ہوئی تھی اور بالآخر اسی بنا پر فیڈرل

شریعت کورٹ نے اسے رہا بھی کر دیا۔

عدالتی تجربات:

ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے کچھ واقعات اور بھی ہوئے ہوں جو میرے علم میں نہ آئے ہوں، لیکن سترہ اٹھارہ سال تک میں نے اغوا اور زنا کے جو سینکڑوں مقدمات سنے ہیں، ان میں کم از کم نوے فیصد کیس ایسے تھے جن میں سزا ہمیشہ مرد کو ہوئی اور عورت سزا سے بچ گئی حالانکہ حالات و واقعاتِ مقدمہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکی اپنی مرضی سے اپنے کسی آشنا (Paramour) کے ساتھ فرار ہوئی اور جب تک اس کے پاس رہی، یہی بیان دیتی رہی کہ میں اپنی مرضی سے اس کے ساتھ آئی ہوں اور اپنی مرضی سے اس سے نکاح کیا ہے، لیکن جب کسی طرح ماں باپ اُسے برآمد کر لیتے تو وہ یہ رپورٹ درج کراتی کہ مجھے زبردستی اغوا کر کے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا گیا۔ جس مرد کے خلاف رپورٹ درج ہوتی وہ دفاع میں یہ کہتا کہ لڑکی میرے ساتھ اپنی مرضی سے گئی تھی اور مجھ سے نکاح کیا تھا، لیکن چونکہ وہ نکاح کا کافی ثبوت پیش نہیں کر پاتا، اس لیے اسے تو تعزیری سزا ہو جاتی، لیکن لڑکی شک کا فائدہ حاصل کر کے چھوٹ جاتی۔ میرے علاوہ یہ مقدمات جو دوسرے جج صاحبان سنتے رہے ہیں اور جن سے میری گفتگو ہوئی میں نے ان سب کا تاثر یہی پایا۔ یہاں تک کہ کئی جج صاحبان نے حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ اس میں Elopement کو جرم قرار نہیں دیا گیا، اس لیے یہ از خود فرار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں ضرورت سے زیادہ نرم ہے، جس کے نتیجے میں عموماً سزائیں مرد ہی کو ہوتی ہیں اور عورت بچ نکلتی ہے۔

چارلس کینیڈی کی تحقیق:

یہ تو میرا اور میرے ساتھ کام کرنے والے متعدد جج صاحبان کا ذاتی تجربہ تھا، اب میں آپ کو ایک غیر جانبدار، غیر پاکستانی اور غیر مسلم کا تبصرہ سناؤں جو ان مقدمات پر باقاعدہ ریسرچ کرنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا ہے۔ یہ ایک امریکی اسکالر چارلس کینیڈی ہے، اس

نے حدود آرڈیننس کے بارے میں شور سنا کہ اس کے نتیجے میں خواتین ظلم کا شکار ہو رہی ہیں تو وہ ان مقدمات کا سروے کرنے کے لیے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈیننس کے تحت ہونے والے مقدمات کا جائزہ لیا، اعداد و شمار جمع کیے اور بالآخر اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کیے۔ اس رپورٹ میں جو حقیقت بیان کی ہے، وہ اس بات کے بالکل برعکس ہے جو حدود آرڈیننس کے ناقدین بیان کرتے ہیں اور اس بات کے عین مطابق ہے جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں بیان کی ہے، وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"Women fearing conviction under section 10(2) frequently bring charges of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10(2)..... the woman is exonerated of any wrong doing due to 'reasonable doubt'rule."

(Charles Kennedy: The status of Woman in Pakistan p.74)

''جن عورتوں کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف دفعہ ۱۰ (۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لیکر آجاتی ہیں، فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا کی) سزا دیدیتا ہے...... اور عورت ''شک کے فائدے'' والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔'' (پاکستان میں خواتین کی حالت زار، چارلس کینیڈی صفحہ ۷۴)

ان صاحب یعنی چارلیس کینیڈی نے پاکستان میں رہ کر اور پانچ سال میں حدود کے جو مقدمات ہوئے، ان کا مفصل سروے کر کے یہ رپورٹ مرتب کی ہے جسے انہوں نے ایک تحقیقی مقالے (Thesis) کی شکل میں یہاں اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بھی پیش کیا اور واشنگٹن اور نیویارک کے اسٹڈی سرکلز میں بھی۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے اسے پاکستان میں شائع کیا۔

یہ صاحب اپنے سروے کے ذریعے اسی نتیجے تک پہنچے ہیں جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں عرض کیا تھا۔

اس سلسلے میں انہوں نے جو اعداد و شمار جمع کیے ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

1980ء تا 1984ء کے دوران دی گئیں سزائیں: مردوں اور عورتوں کا تناسب

	ضلع عدالتیں			وفاقی شرعی عدالت		
جرم	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد
10(2)	145(56)*	144	259	71(70)	30	101
10(3)	163(99)	2	165	59(100)	0	59
11	128(97)	4	132	28(93)	2	30
16	67(86)	11	78	13(100)	0	13
18	62(100)	0	62	36(95)	2	38
12	41(100)	0	41	17(100)	0	17
14	20(91)	2	22	3(60)	2	5
19	7(78)	2	9	3(100)	0	3
5	5(56)	4	9	0	0	0
15	1(100)	0	1	0	0	0
زنا (تمام)	639(82)	139	778	230(86)	36	266
غیر زنا	159(95)	9	168	113(98)	2	115
میزان	798(84)	148	946	343(90)	38	381

10(2)= شادی شدہ زانی (3)10= عصمت دری 11= اغواء 12= بدفعلی 14= عصمت فروشی میں ملوث کرنے کی سازش 16= جرم کی تحریص دلانا 18= عصمت دری کی کوشش 19= زنا کے جرم میں اعانت کرنا 5= شادی شدہ زانی پر حد کا نفاذ 15= دھوکہ دہی سے شادی کرنا۔

* فیصد مرد (حوالہ)

Islamization of Laws and Economy, Institute of Policy Studies, Islamabad, 1996,63.

اس نقشے میں 1980ء سے 1984ء تک پانچ سال کے ان مقدمات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو حدود آرڈیننس کی مختلف دفعات کے تحت عدالتوں میں گئے اور دائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر دفعہ کے تحت ڈسٹرکٹ کورٹ سے کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کو سزا ہوئی اور بائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپیل کے بعد بالآخر کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کی سزا کو بحال رکھا۔ اس میں خاص طور سے دفعہ 10(2) کو دیکھیے، کیونکہ یہ دفعہ زنا بالرضا سے متعلق ہے،، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس دفعہ میں مرد چھوڑ دیے جاتے ہیں اور سزا یافتہ خواتین سے جیلیں بھری ہوئی ہیں۔ سروے کے مطابق اس دفعہ کے تحت نیچے کی عدالتوں سے پانچ سال میں 145 مردوں کو سزا ہوئی، اور 144 عورتوں کو، لیکن جب ان کی اپیلیں فیڈرل شریعت کورٹ میں پہنچیں تو 145 مردوں میں سے صرف 71 مردوں کی سزا بحال رہی اور عورتوں میں صرف تیس خواتین کی۔ یعنی پانچ سال میں صرف تیس خواتین ہیں جن کی سزائیں باقی رہیں، جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اس دفعہ کے تحت عورتوں سے جیلیں بھری پڑی ہیں۔

دوسری دفعہ 10(3) ہے جو زنا بالجبر سے متعلق ہے۔ اس میں پانچ سال کے دوران نیچے کی عدالتوں سے 163 مردوں کو سزایاب کیا گیا اور دو عورتوں کو، لیکن فیڈرل شریعت کورٹ نے 163 مردوں میں سے 59 مردوں کی سزا بحال رکھی، اور جن دو عورتوں کو ماتحت عدالتوں نے اس دفعہ کے تحت (غالباً اعانت جرم کی بنا پر) سزا سنائی تھی، ان دونوں کی سزا فیڈرل شریعت کورٹ نے ختم کر دیا، لہٰذا اس دفعہ کے تحت سزایاب عورتوں کی تعداد صفر ہے۔

اس سروے سے آپ پر اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ حدود آرڈیننس عورتوں پر ظلم کا سبب بن رہا ہے اور اس کے تحت مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ سزا یاب ہو رہی ہیں۔

مظلوم خواتین کا قذف میں ماخوذ ہونا

دوسرا اعتراض حدود آرڈیننس پر یہ کیا گیا ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا شکار ہوئی ہو، اس سے یہ قانون مطالبہ کرتا ہے کہ ملزم کے خلاف چار گواہ پیش کرے اور چونکہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکتی، اس لیے اسے قذف (یعنی ملزم کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت) کے جرم میں پکڑا جا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بھی حدود آرڈیننس کو صحیح طور پر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں نہ اس قسم کی کسی صورتِ حال کا امکان ہے اور نہ آج تک ایسا کوئی کیس ہوا ہے۔ قذف آرڈیننس میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا الزام لگانے کے لیے کسی قانونی اتھارٹی کے پاس جائے، وہ اگر اپنا الزام ثابت نہ کر سکے، تب بھی اسے قذف کی سزا نہیں ہو سکتی کیونکہ قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے دوسرے استثناء کے الفاظ یہ ہیں:

"it is not 'Qazf' to refer in good faith an accusation of 'zina' against any person any of those who have lawful authority over that person...."

''یہ بات قذف نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف نیک نیتی سے زنا کا الزام کسی ایسے شخص تک پہنچائے جو اس دوسرے شخص پر قانونی اتھارٹی رکھتا ہو۔''

البتہ اس عبارت میں تین استثناء بھی رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کی رُو سے ''زنا بالجبر'' کی درخواست لانے والی خاتون کو صرف اس وقت قذف کی سزا ہو سکتی ہے جب عدالت پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹا الزام عائد کیا ہے۔ صرف اس بنا پر سزا نہیں ہو گی کہ وہ اپنا الزام ثابت نہیں کر سکی۔

مطلقہ خواتین کو دوسری شادی کرنے پر سزا:

ایک اور اعتراض جو حدود آرڈیننس کے خلاف کافی شد و مد سے عائد کیا گیا، یہ ہے کہ

مطلقہ عورتیں جب عدت گزار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرتی ہیں تو ان کے سابق شوہر ان کے خلاف حدود آرڈیننس کی دفعہ 10(2) کے تحت زنا کا مقدمہ درج کرا دیتے ہیں اور ان کو سزا بھی ہو جاتی ہے۔

اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ شروع کے سالوں میں ایسے متعدد کیس ہوئے ہیں جن میں عورتوں کو واقعتاً مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کی وجہ حدود آرڈیننس کا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ اس کی اصل وجہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی ایک خلافِ شرع دفعہ تھی۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت اگر کسی مرد نے بیوی کو طلاق دی ہو تو جب تک اس طلاق کا نوٹس یونین کونسل کے چیئرمین کو نہ بھیجا جائے اس وقت تک وہ طلاق قانوناً موثر نہیں ہوتی یعنی قانوناً وہ عورت طلاق دینے والے شوہر ہی کی بیوی سمجھی جاتی ہے، شرعی اعتبار سے طلاق کے موثر ہونے کے لیے کسی سرکاری اتھارٹی کو نوٹس بھیجنا کوئی ضروری نہیں۔ لہٰذا اگر ایسا نوٹس نہ بھیجا گیا ہو تب بھی بیوی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے اور عدت گزارنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

مسلم فیملی لاز آرڈیننس:

لیکن مسلم فیملی لاز آرڈیننس نے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خواتین کے تحفظ کے لیے بنایا گیا تھا عورت کو پابند کیا ہوا ہے کہ جب تک اس کے سابق شوہر کی طرف سے طلاق کا نوٹس نہیں بھیجا جائے گا اس وقت تک وہ اسی شوہر کی بیوی سمجھی جائے گی اور دوسرا نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس طرح فیملی لاز آرڈیننس نے مرد کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دے دیا ہے کہ وہ طلاق دینے کے باوجود اس کا نوٹس چیئرمین یونین کونسل کو نہ بھیجے، اور اگر عورت عدت کے بعد دوسری شادی کرے تو اس کے خلاف پرچہ کرا دے کہ اس نے میری بیوی ہونے کے باوجود دوسری شادی کی ہے، جو زنا کے مترادف ہے۔ چنانچہ کئی مقدمات میں طلاق دینے والے شوہروں نے مطلقہ سے دشمنی نکالنے کے لیے ایسے پرچے کرائے لیکن

اس میں قصور حدود آرڈیننس کا نہیں بلکہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کا تھا جس نے مطلقہ کو مطلقہ ماننے سے انکار کیا۔ اگر بالفرض حدود آرڈیننس درمیان میں نہ ہوتا تب بھی تعزیرات پاکستان کی دفعہ 494 موجود تھی جس میں پہلے نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کو جرم قرار دے کر اس کی سزا سات سال قید مقرر کی گئی ہے۔ جب حدود آرڈیننس موجود نہ تھا، تب بھی ایسا بدنیت شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو دفعہ 494 کے تحت سات سال کی سزا کا پرچہ کرا سکتا تھا، کیونکہ عائلی قوانین کے تحت نوٹس کے بغیر طلاق قانونی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ میری قانونی بیوی ہے اور اس نے دوسرا نکاح کر کے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 494 کی خلاف ورزی کی ہے۔ حدود آرڈیننس آیا تو اس میں دفعہ 494 کی جگہ دفعہ 10(2) آگئی جس میں 7 سال کی بجائے 4 سال سے لے کر 10 سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ سزا کا یہ تھوڑا سا فرق ضرور ہے لیکن جرم کی صورت حال میں حدود آرڈیننس نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، اصل قصور فیملی لاز آرڈیننس کا ہے جو طلاق واقع ہونے کے باوجود محض ایک تکنیکی نوٹس نہ ہونے کی بنا پر طلاق کو موثر نہیں مانتا۔

سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بینچ کا فیصلہ:

لیکن جب یہ صورتحال سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ میں ہمارے سامنے آئی تو ہم نے متعدد دلائل کے ساتھ یہ فیصلے دیئے کہ محض اس تکنیکی بنیاد پر عورت کو زنا کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان فیصلوں کے بعد الحمدللہ، مطلقہ خواتین کے ساتھ اس زیادتی کا دروازہ تو بند ہو گیا کہ انہیں حدود آرڈیننس کے تحت سزا دلوائی جا سکے لیکن چونکہ مسلم فیملی لاز کی وہ دفعہ جس میں نوٹس کو لازمی قرار دیا گیا ہے، ابھی تک برقرار ہے اس لیے مجھے یہ بات بعید از قیاس نہیں لگتی کہ عورتوں سے دشمنی رکھنے والے شوہر ایسی خواتین کے خلاف حدود آرڈیننس کی بجائے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 494 کے تحت پرچہ کرا کر انہیں پریشان کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

زنا بالجبر کی سزا:

ایک اور اعتراض بعض حلقوں کی طرف سے یہ سننے میں آیا کہ حدود آرڈیننس میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں کی سزا ایک جیسی رکھی ہے، حالانکہ زنا بالجبر زیادہ بڑا جرم ہے اور اس کی سزا زیادہ سخت ہونی چاہیے۔

یہ اعتراض اس لیے درست نہیں ہے کہ اگر زنا کا مجرم شادی شدہ ہے اور محصن کی تعریف میں آتا ہے تو اس کی سزا آرڈیننس میں رجم قرار دی گئی ہے خواہ وہ زنا بالرضا کا مرتکب ہوا ہو یا زنا بالجبر کا۔ رجم کی سزا کا مطلب یہ ہے کہ اسے سزائے موت ہوگی۔ اب سزائے موت کے بعد کسی مزید سخت سزا کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟

ہاں! اگر مجرم شادی شدہ یا محصن کی تعریف میں نہیں آتا تو وہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق ممکن ہے کیونکہ ایسے شخص کی حدِ شرعی سو کوڑے ہیں۔ چنانچہ حدود آرڈیننس نے یہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق رکھا ہے۔ زنا بالرضا میں سزا صرف سو کوڑے ہے اور زنا بالجبر میں آرڈیننس کی دفعہ 6(3)B میں سو کوڑے کے علاوہ عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کوئی اور سزا بھی دے سکتی ہے جس میں سزائے موت بھی داخل ہے۔ اسی طرح تعزیر میں بھی زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جو آرڈیننس کی دفعہ 10(2) اور 10(3) کا موازنہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی واقعے کے مطابق نہیں ہے۔

عورت کی گواہی:

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ حدود آرڈیننس کی ایک دفعہ واقعتاً ایسی ہے جس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے اور وہ ہے حد کے مقدمے میں گواہی۔ حدود آرڈیننس میں کسی شخص کے خلاف حد کی سزا جاری کرنے کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کے خلاف تمام گواہ مرد ہوں، عورتوں کی گواہی کو حد کے معاملے میں معتبر قرار نہیں دیا

گیا لیکن اس سلسلے میں حقیقت پسندی کے ساتھ چند نکات پر غور کرنا ضروری ہے:

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان یہ فرق صرف حد کی سزا میں رکھا گیا ہے تعزیر میں نہیں، یعنی تعزیر کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی بھی نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ حدود آرڈیننس کی رُو سے اگر گواہی صرف عورت ہی کی ہو تو دوسرے قرائن (Circumstantial Evidence) کے ساتھ مل کر صرف عورت کی گواہی پر بھی ملزم کو سزایاب کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت 99 فیصد سے بھی زائد مقدمات تعزیر کے ہوتے ہیں، حد کی شرائط چونکہ بہت کڑی ہیں، اس لیے عملاً پچھلے بیس پچیس سال میں حد کے مقدمات انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور ان میں بھی بالآخر میری معلومات کی حد تک صرف ایک حدِ قذف جاری ہوئی ہے، لہٰذا اب تک حد کے معاملے میں عورت کی گواہی معتبر نہ ماننے سے کوئی حقیقی عملی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے حدود میں جہاں سزائیں بہت سخت رکھی ہیں، وہاں اس کے نفاذ کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کے نفاذ کی نوبت نہ آنے دو، مقصد بظاہر یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم نافذ ہوں، لیکن جب نافذ ہوں تو وہ مجرموں پر اپنی دھاک بٹھا دیں، یہی وجہ ہے کہ نہایت معمولی معمولی شبہات کی بنا پر کسی شخص پر حد جاری ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ یوں تو ہر جرم میں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جرم کے ارتکاب میں یا اس پر سزا کے واجب النفاذ ہونے میں کوئی معقول شبہ ہو، وہاں ملزم کو شک کا فائدہ دے کر بری کر دیا جاتا ہے لیکن حدود کے معاملے میں بات معقول شبہ سے بھی آگے ہے، اگر شبہ محض تکنیکی نوعیت کا ہو، تب بھی حد جاری نہیں کی جاتی۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ چور کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی حد اسی وقت جاری ہو سکتی ہے جب گواہوں نے چور کو سامان باہر نکالتے وقت دیکھا ہو، اگر ایک چور سامان لے کر کسی کے گھر سے باہر نکل آیا ہے اور اس وقت گواہوں نے اسے

دیکھا تو حد جاری نہیں ہوگی بلکہ ایسا شخص تعزیر کا مستوجب ہوتا ہے۔

(3) تیسری بات یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی کے بارے میں قرآن کریم کی سورۂ بقرہ میں ایک نص ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ قرار دیا جائے۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں عورت کی گواہی کو مرد کے نصف قرار دیا گیا ہے۔ بہت سے حضرات نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، مثلاً بعض حضرات نے کہا ہے کہ عورت میں کچھ حیاتیاتی عوامل (Biological Factors) ایسے ہیں جن کی بنا پر خاص خاص حالتوں میں اسے اپنی سوچ میں توازن برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں، لیکن میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اگر قرآن کریم نے واضح طور پر کوئی حکم دیا ہو تو اس کی تعمیل کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی تمام حکمتیں ہماری سمجھ میں ضرور آجائیں، ایک مؤمن ہونے کے ناطے وہ ہمیں تسلیم کرنا ہی ہوگا، خواہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

بہر حال قرآن کریم نے عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کے نصف قرار دیا ہے، اس کی بنا پر فقہاء کرام کی اکثریت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ بات عورت کی گواہی میں ایک ایسا تکنیکی شبہ پیدا کر دیتی ہے جو کسی ملزم سے حد کی سخت سزا ساقط کر دینے کے لیے کافی ہے۔

جب اسلامی نظریاتی کونسل میں یہ مسودۂ قانون زیر بحث تھا تو اس وقت اس مسئلے پر طویل غور وفکر ہوا، اس وقت کونسل کے ارکان میں جناب اے کے بروہی، جناب خالد اسحاق، جناب جسٹس افضل چیمہ اور جناب جسٹس صلاح الدین بھی موجود تھے لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔ تاہم چونکہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے جس میں بعض تابعی فقہاء کا یہ موقف ہے کہ سورۂ بقرہ کے نصاب شہادت کے مطابق حدود میں بھی خواتین کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے اس لیے اس موضوع پر مزید غور وفکر اور تحقیق کی گنجائش موجود ہے لہٰذا اہل علم کے کسی اجتماع میں اس مسئلے کا تحقیقی مطالعہ کیا جاسکتا ہے لیکن صرف

اس بنا پر ''حدود آرڈیننس'' کو بالکل ختم کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، جیسا کہ بعض حلقوں کی طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے۔

چند تجاویز:

اب میں حدود آرڈیننس کے چند ان امور کا مختصر ذکر کروں گا جو خود میری رائے میں قابلِ اصلاح ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام تو ہر تنقید سے بالاتر ہیں، لیکن ان احکام کو قانونی شکل دینے کے لیے جو مسودہ تیار کیا جاتا ہے وہ چونکہ ایک انسانی عمل ہے اس لیے اس میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ حدود کے قوانین اگرچہ علماء شریعت اور ماہرینِ قانون کی مشترک کاوش کے نتیجے میں بنے ہیں اور ان پر مختلف مرحلوں پر اور مختلف دائروں میں طویل غور و فکر ہوا ہے۔ اس کے باوجود نہ انہیں غلطیوں سے پاک کہا جا سکتا ہے، نہ ان میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ بند سمجھنا چاہیے۔

میری نظر میں چند امور جو ان قوانین میں اصلاح طلب ہیں:

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے ناقص مطالعے کی حد تک قرآن و سنت کی روشنی میں ''زنا موجبِ تعزیر'' (Zina Laible to tazir) کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن و سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا یا تو موجبِ حد ہے یا پھر وہ زنا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے مجھے اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک شخص کے خلاف زنا موجبِ حد ثابت نہ ہو پھر بھی اسے زانی یا زانیہ کہا جائے۔ حدود آرڈیننس میں صورتحال یہ ہے کہ جہاں حدِ زنا کی شرائط پوری نہ ہوں، پھر بھی اسے زنا کہہ کر ہی تعزیر دی جاتی ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ بات قابلِ اصلاح ہے۔ ایسی صورت میں ملزم کے جرم کو زنا نہیں کہا جا سکتا، اسے زنا سے کمتر کوئی اور جرم قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً فحاشی یا سیہ کاری وغیرہ لیکن اسے زنا قرار دینا درست نہیں۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ آرڈیننس میں حد کی تمام سزاؤں میں گواہوں کے لیے

''تذکیۃ الشہود'' لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ''تزکیۃ الشہود'' کا مطلب ہے گواہوں کی جانچ کہ وہ عدالت کے مطلوب معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں لیکن اس کا کوئی متعین طریق کار فراہم نہیں کیا گیا۔ ماضی کی اسلامی حکومتوں میں عدالتوں کے ساتھ ''تزکیۃ الشہود'' ایک باقاعدہ انسٹی ٹیوشن کے تحت انجام دیا جاتا تھا۔ عدالت کے ساتھ گواہوں کی تفتیش کے لیے باقاعدہ مزکّی مقرر ہوتے تھے۔ آج یہ انسٹی ٹیوشن موجود نہیں ہے اور آج کے کرپٹ ماحول میں اس کو ایک انسٹی ٹیوشن کے طور پر وجود میں لانا بھی آسان نہیں، لہٰذا اس کا کوئی متبادل انتظام ضروری ہے، جو آج کے حالات میں گواہوں کے معیارِ صداقت کو جانچ سکے۔ چونکہ حدود کے قوانین میں اس کا کوئی متعین طریقہ موجود نہیں اس لیے عدالتیں اپنے طور پر تزکیہ کی شرط کو جس طرح سمجھ میں آتا ہے پوری کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جس سے بعض اوقات بڑی مضحکہ خیز صورتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ آج کے ماحول میں گواہوں پر جرح کے وقت مخالف پارٹی کی طرف سے ایسے سوالات کیے جاسکتے ہیں جو تزکیہ کا مقصد پورا کر سکیں۔ اگر مخالف پارٹی کو ایسے سوالات پوچھنے کا ایک نظام بنایا جائے جو گواہ اور معیارِ عدالت سے متعلق ہوں اور اس میں موجودہ طریق کار کے مقابلے میں مزید توسیع سے کام لیا جائے تو شاید اس سے تزکیہ کا منشا پورا ہو سکے۔ اس موضوع پر بھی علماء و ماہرین قانون اور عدالت کے تجربہ کار حضرات کو غور کرنا چاہیے۔

(3) یہ بات درست ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم جاری ہوں، اسی بنا پر حد کے لیے شرائط بہت سخت رکھی گئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ شریعت کا یہ منشا بھی نہیں ہے کہ حدود بالکل معطل ہی ہو کر رہ جائیں۔ اس لحاظ سے بھی ''حدود آرڈیننس'' پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کہ اس میں کون سی ایسی شرائط ہیں جو منصوص نہیں ہیں اور حدود میں تعطل کا سبب بن رہی ہیں؟

(4) حدود آرڈیننس میں جہاں ان جرائم کے بارے میں قانون سازی کی گئی ہے جن

پر شریعت نے حد مقرر کی ہے وہاں ان سے ملتے جلتے دوسرے جرائم بھی شامل کیے گئے ہیں اور ان میں قید کی بہت لمبی لمبی سزائیں تجویز کی گئی ہیں اور ہوا یہ ہے کہ بہت سے جرائم جو تعزیراتِ پاکستان میں شامل تھے ان قوانین میں انہیں اس طرح منتقل کر دیا گیا ہے کہ ان میں قید کی سزاؤں کی میعاد بڑھا دی گئی ہے اسلام کا منشاء یہ نہیں ہے کہ لوگ عمریں جیلوں میں گزار دیں، ان کے خاندان مصائب کا شکار ہوتے رہیں اور ان کی اصلاح و تربیت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اسلامی نظامِ قانون میں جیل کا بے شک تصور ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کچھ اصلاحات بھی چاہتا ہے تاکہ مجرم کی قید کے باعث اس کا خاندان کم سے کم متاثر ہو اور ان کی اصلاح و تربیت کا انتظام ہو۔ فقہاء کرام نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی کو لمبی قید ہوئی تو اسے سزا کے دوران ایسے مناسب وقفے دینے چاہئیں جن میں وہ اپنے اہل خاندان کی ضروریات پوری کر سکے۔

(5) یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ "حدود کے قوانین" اسلام کی تعلیمات اور احکام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں، یہ کل اسلام نہیں ہیں۔ ان قوانین کا نفاذ معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا ایک مرحلہ تھا، منزل نہیں تھی۔ ان قوانین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت، ریاستی انتظامات، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں اور عدلیہ ہر سطح پر مربوط اور منظم اصلاحات کی ضرورت تھی۔ افسوس ہے کہ حدود کے قوانین نافذ کرنے کے بعد "اسلامائزیشن" کا عمل اس منصوبہ بندی کے مطابق جاری نہیں رہا جس کے ایک حصے کے طور پر یہ قوانین نافذ کیے گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مطلوب نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ بعض حضرات اس صورتحال کے پیش نظر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمہ جہتی اصلاح کا یہ عمل جاری نہیں رہ سکا، اس لیے یہ قوانین بھی ختم کر دینے چاہئیں حالانکہ بدیہی طور پر یہ الٹا فلسفہ ہے۔ اگر ایک قدم صحیح سمت میں اٹھا ہو لیکن اس کے لوازم پورے نہ ہونے کی بنا پر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے ہوں تو صحیح طریقہ یہ نہیں کہ وہ قدم پیچھے ہٹا لیا

جائے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے لوازم پورے کرنے میں جو کچھ کوتاہی ہوئی ہے اسے دور کر کے صحیح سمت میں اٹھے ہوئے قدم کو موثر بنایا جائے۔ ہمارے نظامِ قانون میں ہر جرم کے لیے کوئی نہ کوئی سزا موجود ہے، لیکن تفتیش واحتساب اور عدلیہ کی کمزوریوں کی بنا پر جرائم کی شرح میں کمی آنے کی بجائے اضافہ ہو رہا ہے، ہیروئن کی خرید وفروخت اور استعمال پر وقفوں وقفوں سے سخت سزائیں نت نئے قوانین کے ذریعے نافذ کی گئی ہیں، لیکن جرم ہے کہ اس میں کمی آ کر نہیں دے رہی۔ لیکن اس صورتحال کا کوئی یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ ان تمام جرائم کی یہ سزائیں ختم کر دینی چاہئیں۔ اس کے بجائے مسئلے کا حل یہی بتایا جاتا ہے کہ تفتیش سے لے کر مقدمہ چلنے تک کا جو نظام ہے اسے درست کیا جائے لیکن جب حدود قوانین کا معاملہ آتا ہے تو یہ منطق الٹی کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حالات کی اصلاح کرنے کی بجائے ان قوانین ہی کو ختم کر دینا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس موضوع پر آپ حضرات کا بہت سا وقت لے لیا ہے اور اب میں آپ کے صبر وضبط کا مزید امتحان لینے کی بجائے اس شکریے کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ نے میری خشک گزارشات کو صبر وتحمل کے ساتھ پڑھا۔

تحفظ حقوق نسواں بل...... سسٹم کو درست کیا جائے

حضرت مولانا ابو عمار زاہد الراشدی دامت برکاتہم

حدود آرڈیننس اور تحفظ حقوق نسواں بل کی بحث پھر سے قومی حلقوں میں شدت اختیار کرنے والی ہے، اس لیے کہ 10 نومبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا گیا ہے، جس کے بارے میں وفاقی وزیر قانون کا کہنا ہے کہ اس میں تحفظ حقوق نسواں بل کو سلیکٹ کمیٹی کی تجویز کردہ صورت میں منظور کر لیا جائے گا، جبکہ متحدہ مجلس عمل نے اس دھمکی کا پھر سے اعادہ کیا ہے کہ "خصوصی علماء کمیٹی" کی سفارشات کے بغیر اس بل کو منظور کیا گیا تو اس کے ارکان اسمبلیوں سے مستعفی ہو جائیں گے، مگر اس بحث اور تقابل سے قطع نظر راقم الحروف نے گزشتہ دنوں بعض ایسے حضرات سے رابطہ قائم کیا جو عدالتی سسٹم سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں خاصے تجربے کے حامل ہیں۔ میری شروع سے رائے ہے کہ حدود آرڈیننس کے غلط استعمال یا جرائم کے کنٹرول میں ان کے مؤثر نہ ہونے کے حوالے سے جو شکایات عام طور پر پائی جاتی ہیں، ان کا تعلق قوانین سے نہیں، بلکہ ہمارے معاشرتی رویے اور عدالتی سسٹم سے ہے، اس لیے ان حضرات سے رائے لینی چاہیے، جو عدالتی سسٹم کا عملی تجربہ رکھتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں گزشتہ ربع صدی سے قضا اور افتاء کا نظام سرکاری طور پر موجود ہے اور جج صاحبان کے ساتھ قاضی صاحبان اور مفتی صاحبان بھی تحصیل اور ضلع کی سطح پر عدالتی فرائض سرانجام دیتے ہیں، آزاد کشمیر میں ڈسٹرکٹ سیشن جج کے ساتھ ضلع قاضی بھی شریک کار ہوتے ہیں اور اسلامی قوانین کے حوالے سے دونوں مشترکہ طور پر فیصلے کرتے ہیں، چنانچہ اس ضمن میں ان کا تجربہ اور معلومات زیادہ مستند اور وسیع ہیں۔ اس پس منظر میں راقم الحروف نے آزاد کشمیر کے بعض سیشن جج، ضلع قاضی اور ضلع مفتی صاحبان سے اس بارے میں رائے

طلب کی ہے۔ ان میں سے تین بزرگوں نے اپنی رائے اور تجاویز سے نوازا ہے۔ مولانا قاضی بشیر احمد آزاد کشمیر کے بزرگ علماء میں سے ہیں۔ کم وبیش ربع صدی تک ضلع قاضی کے طور پر فرائض سرانجام دینے کے بعد گزشتہ سال ریٹائرڈ ہوئے ہیں اور اب ضلع باغ میں باڑی کہل کے مقام پر ایک دینی درس گاہ چلا رہے ہیں۔ مولانا مفتی رویس خان ایوبی بھی آزاد کشمیر کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے تعلیم یافتہ ہیں، طویل عرصے سے میر پور کے ضلع مفتی ہیں، جبکہ سردار ریاض احمد نعمانی باغ کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مستند عالم دین بھی ہیں۔

مولانا قاضی بشیر احمد نے لکھا ہے کہ "نیشنل کمیشن فار اسٹیٹس ویمن" نے حدود آرڈیننس کو عورتوں کے مفاد کے خلاف قرار دے کر ان میں ترامیم کا مطالبہ کیا ہے، اس مسئلے پر آج کل پورے ملک میں گرما گرم بحث ہو رہی ہے، چنانچہ اس وقت قومی اسمبلی میں تحفظ حقوق نسواں بل پیش ہے اور معاملے کو سلجھانے کے لیے حکومت نے اپوزیشن کے مشورے کے بعد خصوصی علماء کا ایک کمیشن قائم کیا ہے، اس کمیشن نے کافی غور وخوض کے بعد اپنا موقف پیش کیا ہے۔ ہمیں خصوصی علماء کے اس موقف سے مکمل اتفاق ہے۔ حدود میں کسی طرح کی ترمیم یا تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قومی خواتین کمیشن کا یہ اعتراض کہ حدود قوانین کی مختلف دفعات کو خواتین کے خلاف امتیازی طور پر استعمال کیا اور ان کو عرصہ دراز تک بے بنیاد مقدمات میں الجھا کر جیلوں میں رکھا جاتا ہے، درست نہیں ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ویمن ایڈ ٹرسٹ کی تحقیق خود اس دعوی کی تردید کرتی ہے۔

درحقیقت یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں: ایک قانون اصل یعنی Substantive Law، دوسری چیز طریقہ کار یعنی Procedure، جہاں تک امر اول کا تعلق ہے اس میں کوئی رد وبدل ممکن نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عورتوں کے ساتھ کوئی زیادتی بھی نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک دوسری چیز یعنی طریقہ کار کا تعلق ہے یہ قابل غور ہوسکتا ہے:

1- تعزراتِ پاکستان کے تحت چالان پندرہ دن کے اندر عدالت مجاز میں پیش ہونا چاہیے، جیسا کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 173 کا منشاء ہے، لیکن اس میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے، اس کا ازالہ کرنے کے لیے چالان کو بروقت عدالت مجاز میں پیش کرنے کو یقینی بنایا جائے۔

2- مقدمے کی سماعت کی رفتار کو مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ گواہان وغیرہ کی حاضری کو مقررہ تاریخ پر یقینی بنایا جائے۔ اس ضمن میں فریقین مقدمہ اور ان کے وکلاء کی عدالت مجاز میں موجودگی کے علاوہ خود عدالت مجاز کے پریذائیڈنگ آفیسر کی حاضری کو بھی یقینی بنایا جائے۔

3- چالان کی فہرست میں غیر ضروری گواہان اور ملزمان کو درج نہ کیا جائے، ورنہ مقدمے کی کارروائی غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گی۔

4- حدود قوانین کا ایک مخصوص مزاج ہے اس کو سمجھنے کے لیے پولیس کو خصوصی تربیت دی جائے، تاکہ پولیس عدالتِ مجاز میں غلط چالان پیش نہ کرے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی رپورٹ (FIR) کی بنیاد پر پولیس چالان پیش کر دیتی ہے اور مقدمے کی کافی عرصے تک سماعت کے بعد عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ پولیس نے چالان غلط پیش کیا ہے، لہٰذا وہ کسی دوسری عدالت مجاز میں از سر نو کارروائی کرتی ہے اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔

5- حدود کا معاملہ دیگر قوانین سے بہت مختلف ہے۔ عدالت مجاز سماعت مکمل کرنے کے بعد اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ حد کا جرم تو ثابت ہو چکا ہے لیکن اس جرم کی جو سزا تجویز ہے وہ نافذ نہیں کر سکتی اس لیے کہ اس سزا کو نافذ کرنے کی شرائط پوری نہیں تو ایسی صورت میں اگر عدالت اپنے زیر سماعت دفعہ سے ملزم کو بری کر دے یا یہ قرار دے کہ اس کو اس عدالت میں پیش کیا جائے جو تعزیراتِ پاکستان کے تحت سماعت کی مجاز ہو تو اس طرزِ عمل

سے بہت ساری پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، لہٰذا اس طرح کی پریشانیوں کے ازالے کے لیے ضروری ہے کہ قانون کے اندر یہ قرار دیا جائے کہ حدود کے مقدمات کو سماعت کرنے والی عدالت اپنے زیرِ سماعت مقدمات میں اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ جرم تو ثابت ہو چکا ہے، لیکن کسی فنی وجہ سے اس کو حد کی سزا نہیں دی جا سکتی تو اس عدالت کو اختیار ہے کہ وہ اسی مواد کی بنیاد پر جو اس کے سامنے پیش ہوا ہے متبادل سزا تجویز کرے۔ اس صورت میں مقدمہ یکسو ہو جائے گا اور طوالت سے بچ جائے گا۔

-6 خواتین کی شکایت کا ازالہ حدود کے قوانین میں ترمیم یا تنسیخ سے نہیں ہوگا، بلکہ سماعت کے طریق کار اور پولیس کی تفتیش کے طریق کار میں اصلاح کرنے سے ہوگا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 20 کے تحت تعزیراتِ پاکستان 1898ء کا اس آرڈیننس پر بھی اطلاق ہوتا ہے اس کا نقصان یہ ہوا کہ حدود کے مقدمات کے اندراج اور تفتیش میں پولیس کو اختیارات کے غلط استعمال کا موقع مل جاتا ہے اور لوگوں کو ظلم، جبر اور ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو جواز بنا کر وہ حدود کے قوانین پر اعتراض کرنے لگتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ پولیس کی تفتیش اور مقدمات کے اندراج کا ایک نیا اور مخصوص طریق کار وضع کیا جائے جو حدود کے مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔

-7 تعزیراتِ پاکستان 1898ء میں اصلاح کرنے سے خواتین کی شکایات کا ازالہ ممکن ہے، اس ضمن میں ضروری ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار میں تعزیرات پاکستان کو بھی شامل کیا جائے، تاکہ وہ خامیوں کا ازالہ اور نشاندہی کر کے ظلم اور زیادتیوں کا ازالہ کر سکے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا ہے۔

یہ تحریر مولانا قاضی بشیر احمد کی ہے جس پر باغ کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سردار ریاض احمد نعمانی صاحب سے راقم کو سو فی صد اتفاق ہے، اگر طریق سماعت کی پیچیدگیوں کو احسن

طریق پر لایا جائے، پولیس کی تربیت بھی ہو اور ان کی نزاکت سے ان کو واقف کیا جائے تو درستی کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں۔ جبکہ میر پور کے ضلع مفتی مولانا قاضی رویس خان ایوبی لکھتے ہیں کہ ''آپ کی تجویز کردہ تمام ترامیم اگر منظور بھی کر لی جائیں تو بھی کسی قانون کا عملی نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک ہمارا عدالتی نظام درست سمت میں حرکت نہ کرے۔ پولیس کا فرنگیانہ سسٹم جب تک چلتا رہے گا، کسی بھی قانون کا قانون بن جانا مفید نہیں۔ پولیس وہ بنیادی پتھر ہے، جہاں سے تنفیذ کی دیوار کی نیو کھڑی ہوتی ہے۔ ایف آئی آر کیا ہے؟ ضمنیاں کیا ہوتی ہیں؟ ''حد'' کسے کہتے ہیں؟ شبہ کیا شئے ہے؟ اس کی کتنی قسام ہیں؟ حبس اور تعذیب میں کیا فرق ہے؟ نصاب شہادت پورا نہ ہو تو تعزیری سزاؤں کی کیا صورت ہوگی؟ اگر مقدمہ حدود آرڈیننس کے تحت درج ہوا ہے اور حد ثابت نہیں ہو سکی تو تمام تر قرائن کے باوجود مجرم صرف اس لیے بچ نکلتا ہے کہ جس دفعہ کے تحت عدالت میں چالان پیش ہوا ہے، استغاثہ اسے ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے...... جب تک تھانوں میں فقہ اور حدیث پر معلومات رکھنے والے لوگ نہیں ہوں گے، حدود آرڈیننس بازیچہ اطفال بنا رہے گا۔ قصور حدود آرڈیننس کی دفعہ بندی یا قانون کی توضیح کا نہیں، یہاں صورت حال یہ ہے کہ ''کلاشنکوف'' نابالغوں کے ہاتھ میں تھما دی گئی ہے اور ان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ تم چوروں کا پیچھا کرو۔ شریعت کورٹ یا اپیلٹ بینچ وفاقی سطح پر قائم ہیں اور مقدمے کی ابتداء وسطانی سطح (سیشن جج) سے شروع ہوتی ہے یا تعزیری جرائم میں تحتانی (سب جج) سے، جبکہ تحصیل، فوجداری عدالت اسلامی فقہ جاننے والوں سے خالی ہے، سیشن کورٹ خالی ہے تو مقدمات یکسو کیسے کیے جا سکتے ہیں؟''

حدود آرڈیننس کے موثر نہ ہونے یا ان کے غلط استعمال کے بارے میں یہ تاثرات ان حضرات کے ہیں جو عدالتی سسٹم کا حصہ ہیں، مقدمات سنتے اور فیصلے کرتے آ رہے ہیں اور ان سے میری اس گزارش کی تائید ہوتی ہے کہ حدود آرڈیننس کے بارے میں جو شکایات کی

درجے میں جائز بھی ہیں، ان کی ذمہ داری قوانین پر نہیں بلکہ سسٹم اور پروسیجر پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن ہم اس کی طرف توجہ دینے کی بجائے حدود آرڈیننس کے پیچھے لٹھ لیے پھر رہے ہیں، جس سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ تحفظ حقوق نسواں بل کے نام سے حدود آرڈیننس میں تجویز کی جانے والی ترامیم کا اصل مقصد ان قوانین کی اصلاح اور انہیں قابل عمل بنانا نہیں بلکہ ان کو ختم کرنا یا مزید غیر موثر بنا دینا ہے اور اس کی وجہ مغرب کا وہ دباؤ ہے جو پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے اور چند نافذ شدہ اسلامی قوانین کو ناکام بنانے کے لیے مسلسل جاری ہے۔ میں اپنے اس موقف کی تائید میں ایک اور شہادت کا اضافہ کرنا چاہوں گا اور وہ اس معاملے کے سب سے اہم فریق پولیس کا ہے۔ اسے پنجاب پولیس کے سابق آئی جی حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

روزنامہ ''نیشن'' لندن میں 9 اگست 1998ء کو شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں پنجاب پولیس کے سابق سربراہ فرماتے ہیں کہ: ''کچھ عرصہ ہوا میں باہر گیا، وی آنا میں یونائیٹڈ نیشنز کا فورم تھا۔ یو این او والوں نے مجھے انوی ٹیشن کارڈ براہ راست بھیجا تھا۔ میں ایشین ممالک کی نمائندگی کر رہا تھا اس طرح یورپ کے علاوہ ایشیا کے نمائندے بھی تھے، وہاں ہم نے کرائم پریونیشن (Crime Prevention) پر ایجنڈا تیار کرنا تھا۔ میں نے پیپر پڑھا: ''انٹروڈکشن آف اسلامک لاء ان پاکستان'' میں ضیاء الحق کے سزا کے نظریے کے خلاف بولا۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ''تھیوری آف پنشمنٹ'' کیا ہوتی ہے؟ میں نے کہا کہ آگ آپ کے سامنے ہے، اس میں بچہ یا کوئی پاگل یا کوئی بندہ انگلی مارے تو آگ سے اس کی انگلی جل جاتی ہے تو وہ دوبارہ آگ کے قریب نہیں جائے گا، چاہے بچہ ہو، چاہے پاگل ہو یا کوئی اور ہو، اگر آپ نے آگ میں انگلی دی اور آپ کی انگلی نہیں جلی تو پھر آپ آگ میں انگلی داخل کرتے رہیں گے۔ میں نے کہا یہ اقدام قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ اسلام کہتا ہے: ''اسلام میں داخل ہو جاؤ'' ''کافتہ'' پورے کے پورے۔ آپ بائی پارٹ نہیں آسکتے۔

آپ مسلمان ہوں گے تو پورے ہوں گے یا تو آپ مسلمان یا نہیں؟ جاہل آدمی بھی یہ قدم نہیں اٹھائے گا کہ سسٹم تو وہی ہے، لیکن سزائیں آپ قرآن کی انٹرڈیوس کریں۔

میں نے کہا: سسٹم جو ہے، وہ سرمایہ دارانہ ہے۔ آپ کا اقتصادی نظام غیر قرآنی۔ آپ کا سیاسی نظام آپ کا عدالتی نظام غیر قرآنی۔ آپ کا سوشل اکنامک نظام غیر قرآنی ہے۔ پولیٹیکل سسٹم غیر قرآنی تو آپ سزائیں قرآنی کیسے دے سکتے ہیں؟"

ان گزارشات اور حوالہ جات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بے چارے حدود آرڈیننس کو "چاند ماری" کی مشق کا ہدف بنائے رکھنے کی بجائے صورت حال کا اس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے، کیونکہ یہ صرف حدود آرڈیننس کا مسئلہ نہیں، بلکہ دوسرے قوانین کے حوالے سے بھی یہی شکایت ہے کہ موجودہ عدالتی سسٹم اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارا عمومی معاشرتی رویہ قوانین کے موثر نفاذ اور اس کے نتیجہ خیز ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، مگر ہم اس رکاوٹ کو دور کرنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کی بجائے کوہلو کے بیل کی طرح قوانین میں ترامیم اور ترامیم در ترامیم کے بے مقصد عمل کے گرد چکر کاٹتے جا رہے ہیں۔ (بشکریہ: روزنامہ پاکستان کراچی: 4 نومبر 2006ء)

حدود آرڈیننس: تاثرات و خیالات

حضرت مولانا ابو عمار زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ

حدود آرڈیننس کے بارے میں آزاد کشمیر کی عدلیہ اور افتاء سے تعلق رکھنے والے تین حضرات کے تاثرات اور تحفظ حقوق نسواں بل کے حوالے سے ان کے خیالات گذشتہ کالم میں پیش کر چکا ہوں۔ اب پنجاب کے ایک ضلع میں عدالتی خدمات سرانجام دینے والے حاضر سروس ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے تاثرات انہی کے قلم سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان سیشن جج صاحب کا نام اور ضلع مصلحتاً درج نہیں کر رہا۔ ان کی تحریر کا مطالعہ کیجئے اور یہ دیکھئے کہ حدود آرڈیننس اور عورتوں کے حقوق و مسائل کے بارے میں موجود کشمکش اور بحث و مباحثے کو عدلیہ کے ذمہ دار لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ تحریر مجھے گذشتہ دنوں دبئی آتے ہوئے موصول ہوئی ہے اور میں نے اس کا مطالعہ دوبئی میں کیا ہے، میں چھ نومبر کو شام دوبئی پہنچا ہوں اور تیرہ نومبر کو واپسی کا ارادہ ہے، اس دوران قارئین کو اپنے مشاہدات اور تاثرات سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ

جرم کی تعریف اور اسکی نوعیت مختلف ادیان میں مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے۔ جبکہ ہر معاشرے نے اپنی اقدار کے اعتبار سے اسکی تعریف میں ہمیشہ ترمیم و تبدیلی کی ہے اور سزاؤں کے اطلاق میں مختلف آراء موجود ہیں۔ جو آفاقی ادیان آج روئے زمین پر باقی ہیں، ان کے پیروکاروں میں سزاؤں کا اطلاق اپنی مرضی سے ہے اور وہ اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں جبکہ مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حد اور تعزیر دو اقسام کی سزائیں ہیں اور حد جو کہ اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہے، اس میں کوئی تبدیلی و تغیر ممکن نہیں ہے، کیونکہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ہماری اخلاقیات اور قوانین تمام کی تمام کے تابع ہیں۔ مگر کچھ عرصے سے ایک طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ قانون ایسا ہو جو کہ لوگوں کی مرضی اور طبائع کے

مطابق ہو، بلکہ ایک طبقے کی خواہشات کا آئینہ دار ہو اور اس میں حتیٰ کہ ''حدود'' کی ضمن میں تبدیلی کا اختیار کسی ادارہ، پارلیمنٹ یا طبقے کو حاصل ہو۔ خصوصی طور پر ''حد'' کی خاص شکل جو ''نسواں'' کے جرائم سے متعلق ہے، اس کو ایک خاص طریقے سے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے اور ''اسلامی حدود'' اور سزاؤں کو متنازعہ بنا کر پیش کرنے میں اس کا خاص عمل دخل ہے۔ مذہب نے حفظ ماتقدم کے طور پر ان تمام عوامل کو بھی جرائم کی فہرست میں شامل کیا ہے جو کہ بڑے جرم جن پر ''حد'' نافذ ہوتی ہے، کے ہونے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسلئے معاشرت اور معاشرتی نظام کو مذہب نے بڑی اہمیت دی ہے اور اسے بے لگام نہیں چھوڑا، بلکہ عبادات سے زیادہ احکامات معاشرت اور معاشرتی نظام پر ہیں، جن میں لین دین، رشتے داری، تعلقات، سماجی مسائل، شادی، طلاق کے مسائل اور دیگر امور شامل ہیں۔ زنا کا خصوصی حوالہ ہمارے خطے کے اعتبار سے خطے کی ثقافت کے اعتبار سے اور ہماری مذہبی اقدار اور روایات کے حوالے سے بہت اہم ہے۔

زنا کی عمومی صورتیں یہ ہیں:

زنا کا ہونا، زنا کرنا، زنا بالجبر، زنا بالرضا

ہمارے ملکی قانون میں زنا بالجبر اور بالرضا کی الگ الگ تعریف موجود ہے اور اسکی سزائیں بھی الگ الگ وضاحت کے تحت ہوتی ہیں اور اس پر کافی قانونی شکل موجود ہے، مگر دونوں کا اطلاق ''حد'' کے زمرے میں آتا ہے، مگر مختلف قانونی دفعات کی شکل میں ہے، جبکہ شریعت میں زنا، ایک ہی لفظ اور ایک ہی مفہوم کے ساتھ آیا ہے، اسکی سزا کا بھی ''حد'' میں تعین کیا گیا ہے۔ یہ بحث بہت ہو چکی ہے کہ ''حد'' کب لگتی ہے، اسکے کیا اجزاء اور عوامل ہیں۔ مگر یہ طے ہے کہ ''حد'' جب لگے گی، جب کوئی واقعہ قانون کی گرفت میں لایا جائے گا۔ یہ مروّجہ اصول ہے کہ جب کسی شے کی اہمیت ختم کرنا مقصود ہو تو اسے متنازعہ بنا کر اس پر بحث شروع کر دی جائے۔

اب تک جو بحث عوام وخواص، حتیٰ کہ علمائے کرام میں جاری رہی یہی ہے کہ ''حد'' کیا ہے؟ کیا ''زنا بالجبر'' اور ''زنا بالرضا'' دونوں ''حد'' کی زد میں آتے ہیں اور دونوں پر حد جاری ہوسکتی ہے یا نہیں، بالخصوص ''زنا بالجبر''۔

یہ نکتہ قانونی طور پر بہت اہم ہے کہ اسکی ذمہ داری پولیس پر ہے کہ دیکھے کہ زنا بالجبر ہے یا زنا بالرضا، تاکہ اس کے مطابق کاروائی ہو۔ اسکا نتیجہ موجودہ قانونی کی روشنی میں ہوگا اور ہو رہا ہے کہ زنا بالجبر ہی کے تمام معاملات لائے جائیں گے اور زنا بالرضا کا تصور ہی ختم ہوجائے گا۔ عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ عورت جس فریق کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ اسکے حق میں ہی بیان دیتی ہے۔ واقعات اور حقائق چاہے کچھ بھی ہوں، اس مرض کا کیا علاج ہے؟ قانون صرف ان الفاظ پر حرکت میں آئے گا جو شہادتیں، بیانات، حقائق پولیس اکٹھی کرے گی اور ضلع کا ایس پی درجے کا افسر اس پر قانون کا اطلاق کرے گا۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ معاشرے کو برائی کیلئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ مرد عورت کے آزادانہ اختلاط کو قانونی طور پر جائز قرار دے دیا گیا کہ جب تک 4 افراد زنا بالرضا کے گواہ نہ ہوں گے تو نہ ہی اس پر کوئی دوسرا جرم لگے گا۔ مقامی پولیس کو تو اسپر گرفت اور چیک کا اختیار ہی نہیں۔

مقدمہ درج ہوتے ہوتے کتنے تکلیف دہ مراحل متاثرین برداشت کریں گے۔ اسکا تصور ہی نہیں کیا گیا۔ مقدمہ درج کرانے کا اس قدر مشکل طریقہ بنادیا گیا کہ ہر آدمی کی استطاعت سے باہر ہے، یہ تو صرف وسائل اور قوت والے لوگوں کیلئے رعایت ہے کہ ان کے پاس افراد اور مال دونوں موجود ہیں اور وہ اپنی مرضی سے اسکا اطلاق کراسکیں گے۔ جب وقوعہ کی رپٹ بھی درج نہیں ہوتی تو غریب آدمی کہاں ایس پی درجے کے افسر کے پاس 4 افراد کو لے جاکر اپنی بات سنائے گا۔ توہین رسالت کی دفعات کو جب قانون میں شامل کیا گیا تو اس کے اطلاق کیلئے بھی ایسے ہی عوامل درپیش تھے، تاہم اس ضمن میں کئی مقدمات درج ہوئے، مگر زنا بالرضا کا معاملہ بہت حساس پورے معاشرے کی معاشرتی

اقدار کو بے دردی سے تبدیل کرنے کی منفی خواہش ہے۔نو جوان نسل کو تباہ کرنے کی سازش ہے اور یہ قانون اس کی بنیاد ہے۔عورت کے ذہن سے معاشرے کی طرف سے قدغن کا خوف ختم ہو گیا تو سارا معاملہ اور ماحول بگڑ جائے گا۔قانون بنانا اتنا مسئلہ نہیں ہے، جتنا اسپر عمل کروانا۔یا اس کا اجزاء کرنا مسئلہ ہوتا ہے۔

اب تک جو بحث علمائے کرام کے مابین رہی، وہ بھی یہی تھی کہ قانون شرعی ہے یا غیر اسلامی۔بات سزاؤں پر تھی، اسکے اطلاق پر تھی۔اصل نکتہ نہ تو علماء کو بحث کیلئے پیش کیا گیا، نہ ہی ان سے اس کے متعلق رائے مانگی گئی۔غلط واقعات پر جیسے لوگ مرضی کا فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں۔گورنمنٹ نے بھی یہی کیا اور اب تشہیر شروع کر دی کہ علماء کمیٹی نے اس کو شرعی قرار دیا ہے۔علمائے کرام کے سامنے سوال جرم کے شرعی ہونے اور اس کے شرعی اطلاق اور سزا متعلق تھا۔نہ تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا اطلاق قانونی طور پر کیسے ہوگا، مقدمہ درج کرانے کی شرائط، مقدمہ کے بارے میں قانونی نکات کے ضابطے کو کون کون لوگ ہینڈل کریں گے۔اس بارے میں کوئی بات نہ بتائی گئی، نہ پوچھی گئی۔اب قانون کی زبان میں اصلاحات اور ان کی تعریف میں کوئی کمی یا زیادتی نکالے گا۔انہوں نے سوال کے مطابق صحیح جواب دے دیا، مگر حکمرانوں کی نیت چونکہ شروع سے خراب تھی، اس لئے اللہ نے عوام میں ایسا طبقہ سامنے رکھا، جس نے مسلسل اسکی مخالف کی۔قانون کو اتنا مشکل بنا کر پیش کیا جائے کہ لوگ خود اس سے احتراز کریں۔

ایک ہے، لفظوں کے معنی اور ایک ہے انکی حقیقت۔اسی اعتبار سے قانون مین حد سے زیادہ گنجائش رکھ دی گئی کہ جرم جرم ہی نہ رہے اور لوگ اس کو جرم جاننا اور سمجھنا بند کر دیں۔اسی سازش کے تحت اسکے اطلاق کے قانون کو بنایا گیا۔دفعہ 156(B) ضابطہ فوجداری میں یہ بات طے کی گئی کہ جس حدود کیس میں عورت ملزم کی حیثیت سے ہو تو اسکو ایس پی (investigation) سے کم کا افسر تفتیش نہ کرے اور ملزمان کو بھی عدالت کی

اجازت کے بغیر گرفتار نہ کیا جائے۔ان دوشقوں کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

کیا پولیس کی powers کو کم کرنے کی کوشش کی گئی یا ان کی قوت واختیارات پہ check (چیک) لگایا گیا ہے یا پھر اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ پولیس ایسی کسی بھی اطلاع پر نہ چیک کر سکتے ہیں، نہ ہی اس میں مداخلت کا اختیار رکھتے ہیں۔ کیا یہ شق اور جرم کے لیے بھی لگائی گئی ہے؟

عورتوں کو صرف حدود کے کیس میں ہی یہ رعایت کیوں؟ ملزم خواہ عورت ہو یا مرد کہاں لکھا ہے کہ اس میں تفریق کی جائے۔یہ شق جو کہ قانون کے اطلاق کے سلسلے میں ہے خود بتاتی ہے کہ بنانے والوں کی نیت کیا ہے؟

1- عورتوں سے یہ خوف ختم کر دیا جائے کہ اگر وہ کوئی ایسا جرم کریں گی تو کوئی مزاحمت کرے گا نہ روکے گا۔

2- معاشرے میں بے راہ روی کو عام کرنے کا ایک طریقہ، بلکہ ترغیب ہے۔

اگر معاشرے میں چیک کا سسٹم ختم کر دیا جائے تو سارا معاشرہ جنگل ہو جائے گا، پھر اسلامی معاشرے میں ایسی شقوں کا اطلاق تو لوگوں کے مذہب سے بیگانہ کرنے کی سازش ہے، حالانکہ طے شدہ بات ہے کہ عمومی اختلاط مرد وزن کئی جرائم کو جنم دیتا ہے۔آپ اس کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہیں، بلکہ قانون بناتے ہیں کہ جو اس سے روکے گا وہ قانونی طور پر مجرم ہوگا پھر کم از کم حدود کے اطلاق کو تو اتنا مشکل نہ بنائیں کہ سارے معاملات منفی ہو جائیں۔ تفتیش ایک بات کے تہہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور طریقہ ہے اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے مگر جب اندراج وقوعہ ہی اتنا مشکل ہوگا، جب اس کے اطلاق میں ہی اتنی رکاوٹیں ہوں گی تو پھر کون جرأت کرے گا اس کو اٹھانے کی اور کس کے پاس اتنا وقت ہوگا کہ ان کے لیے جدوجہد کرے۔

295C کی تفتیش ایس پی کو دینے کے کئی مقاصد تھے۔مثلاً یہ کہ ہر کوئی ہر کسی پر جھوٹا

الزام نہ لگا دے اور پھر اس میں الفاظ کے استعمال، ان کی تعبیر و تشریح اور ان کے اطلاق اہمیت رکھتے تھے، مگر زنا تو ایک عمل ہے جو ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور اس کے بارے میں رائے دے سکتا ہے اور معاشرے کے طبقات اس کو محسوس کر سکتے ہیں۔ 295C میں ایسا نہیں ہے، معاشرے میں اس کے لیے ملزم کو بطورِ عبرت ہی گردانا جاتا ہے۔ جبکہ حدود کی ان شقوں کے اطلاق سے ملزم کی حیثیت VIP اور ہیرو کی سی ہو گئی ہے۔

295C میں تفتیش ایس پی کے حوالے کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کسی کو اس میں غلط طور پر نہ پھنسا دیا جائے، جبکہ حدود کیس ایس پی کے حوالے کرنے کا مقصد کوئی مقدمہ ہی درج نہ ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ 295C کے تحت آج تک جب سے قانون بنا ہے کتنے مقدمات درج ہوئے ہیں؟ حدود کے شاید روز اس سے زیادہ مقدمات بنتے ہیں اور واقعات ہوتے ہیں۔ اب انتظامی طور پر بھی دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ ایس پی رینک کے کتنے پولیس افسران ضلع میں ہوتے ہیں۔ پوچھ گچھ کیسے ہو گی؟ تفتیش کیسے کرے گا؟ اب تک اگر اس نے موقعہ ملاحظہ کرنا ہو گا تو کیسے ہو گا؟ شہادتیں کیسے اکٹھی کرے گا؟ پھر تو یہ ہو گا کہ ایس پی دفتر میں بیٹھا رہے گا اور سارا دن لوگ خود ہی جھوٹی سچی گواہیاں لا کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے۔ جن کو فوری طور پر جانچنے کا اس کے پاس کوئی پیمانہ نہ ہو گا، یوں غلط مقدمات کی بھر مار ہو جائے گی۔ طاقت ور وسائل والے لوگ مرضی سے مقدمات درج کرواتے رہیں گے کئی اضلاع میں ہیڈ کوارٹر سے فاصلے 5-4 گھنٹے سے زائد ہیں۔ کچے علاقے میں یہ فاصلے اور بھی زیادہ ہیں، کون اتنے گواہان کو لے کر روز ایس پی کے پاس جائے گا اور اپنی تفتیش کروائے گا اور پھر مقدمہ درج ہو گا نتیجہ یہ ہوا کہ اب مقامی پولیس بھی یہی کہتی ہے کہ زنا بالجبر کا پرچہ کروالو۔

10(2)/7/79, 16/7/79, 11/7/79 کی دفعات کے تحت پولیس والے پرچہ درج کرنے سے کتراتے ہیں کہ اتنا مشکل عمل ہے کیسے پورا ہو گا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتیں

بے باک ہو گئیں، گناہ اور جرم دونوں میں مرد و زن کے لیے کوئی تفریق نہیں ہے۔ مگر اس قانون کے اطلاق سے عورتوں کا تحفظ نہیں۔ ان کی رسوائی کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے انہیں جرم کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اور ترغیب دی جا رہی ہے۔ یہ بحث کہ جرم بنتا ہے صرف اسی لیے کی جاتی ہے کہ جرم کو بڑھانے جواز پیدا کیا جائے جرم کو Protection دی جائے اور اس کی ترغیب دی جائے۔ میری نظر میں جرم کے شرعی یا غیر شرعی ہونے سے زیادہ یہ اہم ہے کہ کس نیت سے اور کیا نتیجہ آپ اس بحث سے نکالنا چاہتے ہیں اگر حدود کو بھی اپنی مرضی سے اطلاق کرنا ہے اور اس میں بھی مداخلت کرنی ہے تو یہ کھلی بغاوت ہے اور ہم سب اس کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

گناہ کو گناہ سمجھ کر اس کو جرم قرار دینا چاہیے اور اس کا اطلاق بھی ویسے ہی ہونا چاہیے، جیسا شریعت نے کہا ہے۔ اس میں کسی سے کوئی رعایت صنف کی وجہ سے نہ ہو اس کی حیثیت کی وجہ سے نہ ہو۔ اگر ہم نیت کر لیں کہ جرم کو جرم سمجھنا ہے اور اس کی سزاؤں کا اطلاق شرعی طریقے سے کرنا ہے تو یہ معاملات رک سکتے ہیں ورنہ خالی بحث سے نئی نسل مذہب سے مزید دور ہو جائے گی اور ان کے خیالات کنفیوز ہو جائیں گے۔

قانون نافذ کرنے والا ادارہ، اس کی تفتیش کرنے والا ادارہ اگر صحیح مسلمان ہو جائیں تو 90% جرائم کا خاتمہ ویسے ہی ممکن ہے دوسرا معذرت کے ساتھ ہر شخص کو اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ مذہب کے احکامات کی خود سے تعبیر و تشریح کرے، مرضی کے معنی پہنائے، یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس کے حصول میں اپنا وقت اور زندگیاں لگائی ہیں۔ عام طبقات سے حدود میں بحث کروا کر مذہب کی اصل کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔ خصوصی طور پر ان طبقات سے جو مذہب کی بنیاد سے ہی ناواقف ہیں۔ چند کتابیں پڑھنے سے آدمی عالم نہیں ہوتا اصل اس کا کردار ہوتا ہے اس لیے اس بحث کو عوام الناس میں لے کر نہ جائیں اگر آپ کی نیت کسی اور طرح کا معاشرہ پیدا کرنا بنانا ہے تو اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کریں اور اس کا

اعلان اور اطلاق کریں۔ مذہب کی تعلیمات کو متنازعہ نہ بنائیں اس سے بے راہ روی پھیلے گی۔

علمائے کرام سے میری گزارش یہی ہے کہ ''حقوق تحفظ نسواں'' بل میں آپ کی سفارشات قابل قدر ہیں مگر آپ ''حدود'' پر اپنے رائے میں احتیاط برتیں۔ خصوصی طور پر اطلاق، تفتیش، اندارج مقدمے کے بارے میں جب تک تمام کام طے نہیں ہو جاتا اس پر شرعی اور غیر شرعی کا کوئی فتویٰ نہ دیں ورنہ قیامت کے دن ہم سب جواب دہ ہوں گے۔

کسی کی نیت کو جاننا بہت مشکل ہے مگر اس کے اعمال اقدام کچھ نہ کچھ قرائن بتاتے ہیں۔ حکمرانوں کے اقدامات اور لہجہ اور گفتگو نشاندہی کرتا ہے کہ وہ مذہب کو متنازعہ بنانے پر کوشاں ہیں۔ ہمیں اس کا حصہ نہیں بننا چاہیے، بلکہ ہماری کوشش یہی ہو کہ جو اللہ کے احکامات ہیں ان کا مکمل طور پر اطلاق ہو۔

اسلام نے جب عمومی اختلاط پر پابندی لگائی ہے تو پھر اس کے بغیر اگلی بات کیسے ممکن ہے؟ اسلام نے گناہ کے اسباب کو پہلے روکا ہے پھر سزاؤں کا تعین کیا ہے لہٰذا ہمیں پہلے اس کے اسباب کو روکنا ہوگا۔ اس کے جواز کو ختم کرنا ہوگا۔ پھر ہم اس کے بارے میں کوئی رائے زنی کر سکتے ہیں اس لیے اس بل کے منفی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے علمائے کرام کو بھی رائے میں اپنی حکمت عملی تیار کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں ایک اہم تذکرہ یہ ہے کہ جب سے حقوق نسواں تحفظ بل کا چرچا ہوا اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ عورتوں کے جرائم بے پناہ بڑھ گئے ہیں۔ لوگوں نے عورتوں کو ان جرائم میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اس طرح تذلیل نسواں کے نئے راستے اور باب کھل گئے ہیں۔ دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ جہاں وسائل اور قوت مجتمع ہوتے ہیں وہاں یہ بھی عام ہوا ہے کہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں Convert کر کے دوسرے بے گناہ لوگوں کو اس میں دھکیل دیا جاتا ہے اور یہ عمل بہت زیادہ تیز ہو گیا ہے۔ اس سے پولیس کے ''عام ریٹ'' بھی بڑھ گئے ہیں، عورت کو خوفزدہ کر کے اس سے مرضی

کے بیانات بے گناہ لوگوں کے خلاف دلوائے جاتے ہیں، اگر جرم حد کے زمرے میں ثابت نہ بھی ہو تو اخلاقی طور پر تعزیر کے زمرے میں تو آہی جاتے ہیں، اگر یہ خوف بھی ختم کر دیا جائے کہ حد کے بعد کوئی شے نہیں تو یہ بھی بہت بڑی بے راہ روی کا سبب بنے گا۔

یہاں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ "حد" پر قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، صرف اس کے اطلاق پر گفتگو ہونی چاہیے۔ اس کی سزاؤں پر کوئی تعبیر تشریح اس میں ردوبدل یا تغیر قابل قبول نہیں۔ ساری بحث کا محور یہ ہونا چاہیے کہ مقدمہ کیسے درج ہو؟ کون اس کی تحقیقات کرے اور تحقیقات کا اصل پیمانہ کیا ہے؟ اس ضمن میں ایک تجویز یہ بھی ہے کہ تھانہ کی طرز پر اسپیشل سیل تشکیل دیا جائے جو کہ ہر حدود کے مقدمہ کی تفتیش کرے۔ صرف ایس پی عہدے کے آفیسر کو تفتیش کا اختیار دینا غلط ہوگا۔ اس میں سیاسی، سماجی، معاشرتی دباؤ ایک شخص موجودہ حالات میں کیسے برداشت کرے گا؟ پھر ایک ضلع میں اگر روزانہ دس پانچ واقعات ہوں تو کیسے اس کو قانونی تقاضوں کے مطابق عمل کرے گا۔ ضابطہ میں ایک بات مزید اضافہ طلب ہے کہ اگر F.I.R بغیر تفتیش کے درج نہیں کرنی تو کم از کم واقعہ کی رپٹ ہی درج کی جائے، تاکہ واقعہ کی صداقت اور اس کے واقعات میں مشوروں کے بعد تبدیلی نہ ہو سکے اور تفتیش کرنے والے آفیسر کے لیے بھی آسان ہو اور بعد میں عدالت کے لیے بھی حقائق جاننے میں آسانی ہو۔ ورنہ FIR درج ہوتے ہوتے کئی بے گناہ لوگ اس میں مشوروں کے بعد ملوث کر دیے جائیں گے۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں اب یہ Tendency بہت زیادہ نوٹ کی گئی ہے کہ خواہ مخواہ بے گناہ لوگوں کو ہمراہ کر کے ملوث کر دیا جاتا ہے اور بے گناہ، اصل ملزم کے ساتھ سالہا سال مقدمے کی تفتیش اور ٹرائل بھگتتا رہتا ہے۔

اگر پرنٹ میڈیا، الیکٹرانکس میڈیا کو مادر پدر آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ مسائل یقیناً مزید بڑھیں گے، قانون کی پاسداری صرف ایک ہی طریقے سے ممکن ہے کہ لوگوں کو یقین ہو کہ

مقننہ جو کچھ قانون بنارہی ہے یہ کسی مراعات یافتہ طبقے کے لیے نہیں ہے، ہر آدمی پر اس کا اطلاق یکساں ہوگا۔ دوسرا میڈیا جرائم کو گلیمر کی صورت میں پیش کرے اس کی تشہیر بند کی جائے، سادگی اور امن کی تعلیمات دی جائیں۔ قانون ساز ادارہ اس ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری کرے حکومت اس بات کو پابند بنائے کہ تعلیمی نظام ان ضروریات کو پورا کرے، جس میں معاشرت کو امن اور سلامتی کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ حدود کے قوانین طے شدہ ہیں ان کے اطلاق کی شکلیں بھی موجود ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ ایسے جرائم سے اجتناب کریں اور ان کو جرم سمجھیں کہ یہ معاشروں کی تباہی کا سبب ہیں، بحث صرف اس بات پر مرکوز ہو کہ یہ جرم کیسے ختم ہو؟

اس کو جنم دینے والے اسباب کو تعزیر کی شکل میں نافذ کیا جائے اور اس پر تعزیر میں سخت سزائیں دی جائیں۔ قانون سازی صرف ان جرائم پر کی جائے جو کہ حد سے قبل اس کے وجود میں آنے کا سبب ہیں ان پر خوب عمل درآمد کروایا جائے۔ اس ضمن میں ایک حقیقت نامہ یہ ہے کہ حکومت نے خواتین کے مسائل کے لیے خواتین سیل تھانہ جات میں بنائے ان کا کیا انجام ہوا؟ ان کی کارکردگی کیسی رہی؟ انہوں نے کتنی سفارشات پر کس قدر عمل کروایا؟ اگر اس رپورٹ کا جائزہ لے لیا جائے تو بات کسی قدر سمجھ میں آجائے گی۔

جب تک ہم بنیادی حقوق کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نہیں دیکھیں گے اور اس پر عمل درآمد نہیں کروائیں گے۔ ''حدود'' پر بحث اور اس کی قانون سازی کی باتیں سب فضول اور وقت کا ضیاع ہے، بلکہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہم مغرب کو خوش کرنے کے لیے اپنی معاشرتی زندگی میں خود زہر گھول رہے ہیں اس بحث سے بے راہ روی آئے گی، مزید انارکی پھیلے گی۔ لوگ مذہب کی تعلیمات کے بارے میں کنفیوز ہوجائیں گے۔

میری گزارش ہے کہ ''حدود'' پر قانون سازی کی بحث کو ختم کیا جائے۔ اس پر قطعاً قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے، اس پر بحث مباحثہ بند کیا جائے۔ اس میں نہ کسی قانون

ساز ادارے کو کمی وبیشی کا اختیار ہے نہ ہی اس پر رائے زنی کی اجازت ہے۔

صرف اور صرف قانون کے اطلاق پر ذمہ داری اور نیک نیتی کے ساتھ عمل درآمد کروایا جائے۔ غلط مقدمات پر اس کی صحیح طور پر سرزنش کی جائے۔ اس پر بھی قانون موجود ہے۔ اس پر عمل درآمد کروایا جائے۔ میڈیا پر بے راہ روی کے پروگرام اور ترغیبات کی تمام شکلیں ختم کی جائیں۔ تعلیمی نصاب اسلامی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے ہر شخص کی رائے اس کی ذات کے لیے قابل قبول ہے۔ مگر اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اسلامی طے شدہ اصولوں میں تعلیمات میں اپنی رائے زنی کرکے اور اس کے نفاذ پر اصرار کرے۔ اس کو ختم ہونا چاہیے۔ نصاب کے لیے مستند علمائے کرام کی سفارشات لی جائیں اور کسی قسم کی بھی تنگ، تاریک اور روشن خیالی سے پرہیز کیا جائے۔ اسلام کے اصولوں اور تعلیمات طے شدہ ہیں قوانین موجود ہیں اس میں تبدیلی و ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یونیورسٹیوں میں بھی فقہ اور بنیادی حقوق کے عنوانات ہر کلاس میں لازمی ہوں، تاکہ لوگوں کو صحیح علم سے آشنائی ہو۔

اخلاق بہتر کرنے کا سب سے احسن طریقے اسلامی تعلیمات پر عمل ہے۔ اس سوچ کو معاشرے میں بڑھانا چاہیے اور پھر مقننہ، عدلیہ، پارلیمنٹ، انتظامیہ اپنے اپنے فرائض انجام دیں۔ ایک دوسرے میں مداخلت نہ کریں اور ایک دوسرے کی رائے کا اور اختیارات کا احترام کریں۔ تو اس کے بھی سوسائٹی اور معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

اگر ہم فوج کو میٹر چیک کرنے، سڑکیں بنانے اور ٹیکس وصولی کرنے پر لگا دیں گے تو پھر وہ صرف یہی کام کر سکے گی۔ دفاع میں ہمارا رویہ معذرت خواہانہ ہوتا جائے گا اور ہم دوسری طاقتوں کی ساری باتیں، ساری شرائط فون پر ہی مان لیا کریں گے۔ جیسا کہ ماضی قریب میں ہوتا آیا ہے۔ ایک طے شدہ اصول ہے کہ کسی ملک میں ٹریفک کا نظام بائیں جانب ڈرائیو کا ہے اور کہیں دائیں جانب ڈرائیو کا، یہ انتظامی معاملہ ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ اخلاقیات ہر ملک نے اپنے اپنے ثقافت کے حساب سے ترتیب دی ہیں۔

اس میں دوسرے کو مداخلت کا اختیار نہیں۔ پھر مذہب جیسی حساس چیز پر کیسے دوسرے لوگ ہمارے معاملے میں مداخلت کا حق رکھتے ہیں؟

ہمارا رویہ کیوں معذرت خواہانہ ہے۔ چلو اس شخص کا تو ہو جوان سے مراعات کا طالب ہے اور ان سے تحفظ چاہتا ہے اور ان کو سب کچھ جانتا ہے مگر ہم تو اللہ کے ماننے والے ہیں ہم کسی کو مذہب کی تعلیمات اور حدود اللہ میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتے۔

میری علمائے کرام سے گزارش ہے کہ تعلیمات میں معروف کا تعارف اور اس کے پھیلاؤ پر توجہ دیں منکرات کی باتوں اور فروعات پر بحث کو بند کر دیں۔ حدود کی کسی بحث کو جو کہ قانون سازی سے متعلق ہو اس میں قطعی طور پر ایسی رائے نہ دیں، جس سے اس کی سزاؤں میں تغیر و تبدیل کا شبہ ہو صرف اور صرف اطلاق اور اس کی قانونی شقوں کو موضوع بنائیں اور اس میں بھی تعزیر اور حد کا تعین ضروری کریں۔

پنجاب کے ایک حاضر سروس ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے تاثرات آپ نے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرما لیے۔ میں اس ضمن میں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مضمون میں ایک جگہ موصوف کے الفاظ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جن علماء سے تحفظ حقوق نسواں بل کے بارے میں رائے طلب کی گئی تھی، انہوں نے اسے شرعی قرار دیا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ میں بھی ان علماء میں شامل ہوں، ہم نے تحفظ حقوق نسواں بل کے اصل مسودے اور قومی اسمبلی کی سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ دونوں کو سامنے رکھ کر اس بل کی متعدد دفعات کو قرآن وسنت کے منافی قرار دیا ہے۔ انہیں درست کرنے کے لیے سفارشات اور تجاویز تحریری صورت میں پیش کی ہیں اور اس کے بعد کہا ہے کہ اگر خصوصی علماء کمیٹی کی ترامیم، سفارشات اور تجاویز کو بل میں شامل کر لیا جائے تو اس کے بعد یہ بل شرعی طور پر قابل قبول ہو سکتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ پاکستان کراچی: 12، 13 نومبر 2006ء)

تحفظ نسواں (قانون فوجداری) ترمیمی بل ایک جائزہ

وحیدہ خانم۔ویمن ایڈ ٹرسٹ

تحفظ نسواں بل کے تعزیرات پاکستان، ضابطہ فوجداری، جرم زنا آرڈیننس اور جرم قذف آرڈیننس میں اہم ترامیم تجویز کی جارہی ہے۔بل کا ابتدائی مسودہ وفاقی کابینہ سے منظور کے بعد ستمبر 2006ء کے اجلاس میں قومی اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کیا گیا جس پر مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے اراکین اسمبلی نے اسے قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کے منافی قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا اور زبردست احتجاج کیا لیکن اس احتجاج کے باوجود مذکورہ بل قومی اسمبلی کی منتخبہ کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا۔اس چودہ رکن رکمیٹی کا سربراہ نصر اللہ خان دریشک کو مقرر کیا گیا۔متحدہ مجلس عمل کو بھی اس کمیٹی میں نمائندگی دی گئی لیکن انہوں نے اس کمیٹی کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔ان کا مطالبہ تھا کہ چونکہ یہ ایک دینی معاملہ ہے لہٰذا اس پر علماء پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جائزہ لے۔منتخبہ کمیٹی نے مجوزہ بل پر چھ روز غور وخوض کرنے کے بعد اس میں بعض معمولی ترامیم تجویز کیں اور اسے قومی اسمبلی کو بھجوادیا۔منتخبہ کمیٹی کی پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والی رکن شیریں رحمٰن اور مسلم لیگ (ق) سے تعلق رکھنے والے رکن محمد نواز الحق قادری نے ان سفارشات سے اتفاق نہیں کیا اور اپنے تحفظات اختلافی نوٹ کی صورت میں پیش کیے۔قومی اسمبلی میں بحث کے دوران علماء کی طرف سے احتجاج کے بعد حکمران جماعت مسلم لیگ ق نے متحدہ مجلس عمل کا مطالبہ مانتے ہوئے مجوزہ بل ملک کے نامور اور جید علماء کرام پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کیا جس نے اپنی سفارشات حکومت کو پیش کیں اس پر حکومت کی اتحادی جماعت ایم کیو ایم اور مجوزہ بل کی حامی جماعت پیپلز پارٹی نے علمائے کرام پر مشتمل کمیٹی کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے اس کی سفارشات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ان کا اصرار

ہے کہ منتخبہ کمیٹی کا منظور شدہ بل ہی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ نتیجتاً بل کی منظور کا معاملہ ابھی تک التواء کا شکار ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ دینی جماعتوں سمیت ملک بھر کے تمام سنجیدہ طبقات نے اصولی طور پر اس بات پر اتفاق کرلیا ہے کہ حدود آرڈیننس میں ترامیم کر کے اسے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اس پورے عمل سے لاتعلق ہے۔ اس نے ابھی تک اپنا انتہا پسندانہ رویہ ترک نہیں کیا اور پوری شدومد کے ساتھ تمام حدود قوانین کی منسوخی کا مطالبہ دہرا رہا ہے۔ حالانکہ جرم زنا اور جرم قذف آرڈیننسز کے علاوہ دیگر حدود قوانین میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے کوئی مسائل پیش نہیں آئے۔

مذکورہ بالا تناظر میں منتخبہ کمیٹی کے منظور شدہ بل کے اہم دفعات اور ان کے ممکنہ اثرات کے حوالے سے ایک مختصر تبصرہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

1- جرم زنا آرڈیننس میں زنا بالرضا کے لیے دو قسم کی سزائیں ہیں یعنی ایک حد اور دوسری تعزیر، مجوزہ بل کے ذریعے زنا بالرضا کی تعزیری سزا کو ختم کیا جارہا ہے اب زنا بالرضا کے ملزم کو یا تو حد کی سزا دی جائے گی یا اسے بری کر دیا جائے گا۔ تعزیراً ایسے شخص کو کوئی سزا نہیں دی جاسکے گی۔ جرم زنا آرڈیننس کے نفاذ سے لے کر آج تک گزشتہ 26 سالوں میں پہلے بھی زنا بالرضا کی حد کی سزا کبھی نافذ نہیں ہوئی اور ہمیشہ اس جرم میں تعزیری سزا ہی دی جاتی ہے۔ زنا بالرضا کی تعزیری سزا ختم کرنے سے زنا بالرضا کا قانون عملاً معطل ہو کر رہ جائے گا۔ معاشرہ تیزی سے اخلاقی تنزلی کا شکار ہوگا اور بے حیائی اور بے راہ روی عام ہو جائے گی۔ زنا بالرضا کے مقدمات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوگی جس کی وجہ سے جرم زنا کے ارتکاب میں اضافہ کے ساتھ ساتھ یہ خدشہ بھی موجود رہے گا کہ پاکستان کے مخصوص معاشرتی حالات میں غیرت کے نام پر قتل کے واقعات میں اضافہ اور قانون کو ہاتھ میں لینے کا تناسب بڑھے۔ حد کی سزا دراصل سزا ہے جو انتہائی غیر معمولی

حالات میں دی جاتی ہے۔ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں زنا بالرضا کی حد کی سزا کے نفاذ کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں کیونکہ یہ محض ایک انسدادی تدبیر ہے۔ عموماً مقدمہ کے کوائف اور ملزم کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے زنا بالرضا کی کم تر سزا یعنی تعزیری سزا دی جاتی ہے لہٰذا اسے سرے سے ختم کر دینا قابل فہم ہے۔

2- مجوزہ بل کے ذریعے زنا بالرضا کی تعریف میں ردوبدل کر کے اسے مبہم بنا دیا گیا ہے۔ مجوزہ بل کے ذریعے نکاح پر نکاح کے مقدمات کو زنا بالرضا کی تعریف سے خارج کیا جا رہا ہے۔ نیز اب اس بات کا تعین بھی مشکل ہو جائے گا کہ کون سا عمل زنا بالرضا میں شمار ہو گا اور کون سا نہیں؟

3- کسی بھی جرم کے ارتکاب کی کوشش کرنا یا اس کی ترغیب دینا دنیا کے ہر قانون میں جرم ہے لیکن مجوزہ بل کے ذریعے زنا بالرضا کے ارتکاب کی کوشش یا اس کی ترغیب دینا جرم شمار نہیں ہو گا۔ جس کے منفی اثرات معاشرے پر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

4- جرم زنا آرڈیننس میں زنا بالجبر کی حد اور تعزیر دونوں قسم کی سزائیں موجود ہیں۔ زنا بالجبر کی حد کی سزا شادی شدہ مجرم کے لیے سنگساری کے ذریعے سزائے موت اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہیں لیکن مذکورہ سزا کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کم از کم چار مرد گواہوں کی گواہی سے یہ جرم ثابت ہو جائے۔ مجوزہ بل کے ذریعے زنا بالجبر کی حد کی سزا کو اس غلط فہمی کی بنیاد پر ختم کیا جا رہا ہے کہ زنا بالجبر کی شکار خاتون کی دادرسی کے لیے اس سے چار مرد گواہ طلب کیے جاتے ہیں اور اگر کوئی خاتون ایسے چار مرد گواہ پیش نہ کر سکے اور سینکڑوں خواتین بھی پیش کر دے تو تب بھی ملزم کو کوئی سزا نہیں ہوتی بلکہ اسے بری کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ زنا بالجبر کی شکار خاتون کی اکیلی گواہی پر بھی نہ صرف مقدمات کا اندراج ہوتا ہے بلکہ جرم ثابت ہونے پر عمر قید تک کی سزائیں دی جانا معمول کی بات ہے۔ ایسے مقدمات کی تعداد سینکڑوں میں ہے جن میں چار مرد گواہوں کی بجائے محض

خواتین کی گواہیوں کی بناء پر سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ زنا بالجبر کی حد کی سزا اس وقت تک نہیں دی جاسکتی جب تک گواہی کا مذکورہ بالا معیار پورا نہ ہو اور حد کی سزا پچھلے چھبیس سالوں میں ویسے بھی کبھی نہیں دی گئی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ زنا بالجبر کی حد کی سزا کسی وجہ سے عورتوں کے ساتھ ناانصافی کو فروغ مل رہا ہے محض ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس سزا کو باقی رکھنے کا یہ فائدہ بہر حال ضرور تھا کہ زنا بالجبر کے کسی واقعہ میں اگر مذکورہ معیار پر پورا اترنے والے چار گواہ مل جاتے تو گواہ زنا بالجبر کے ملزم کو سنگساری کے ذریعے سزائے موت یا سو کوڑوں کی عبرت ناک سزا مل جاتی۔ زنا بالرضا میں تو چار گواہوں کا ملنا واقعی محال ہے کہ دونوں فریق اس میں اخفاء کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں لیکن زنا بالجبر کے واقعات میں چار گواہوں کے دستیاب ہو جانے کا پورا امکان موجود ہے کیونکہ شور شرابہ سن کر چار گواہ جمع ہو سکتے ہیں۔

-5 مجوزہ بل کے تحت صرف مرد زنا بالجبر کا ملزم ہوگا۔ کوئی بااثر عورت اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرتی بھی ہے تو اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکے گی حالانکہ یہ پوری دنیا میں مسلمہ ہے کہ عورتیں بھی زنا بالجبر کا ارتکاب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا تاریخی واقعہ اس کی ایک اہم مثال ہے۔ نیز مغربی معاشروں میں آج بھی اس کی مثالیں عام ہیں۔

-6 مجوزہ بل کے مطابق اب اگر کوئی شخص جائز بیوی کے ساتھ بھی اس کی مرضی کے خلاف مباشرت کرے گا تو قانون کی نظر میں وہ زنا بالجبر کا مجرم قرار پائے گا یعنی Marital Rape کو بھی اس بل کے ذریعے قانون کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح کی لغو قانون سازی خاندانی نظام پر براہِ راست حملہ ہے۔

-7 مجوزہ بل کی رو سے سولہ سال سے کم عمر خاتون اگر اپنی مرضی سے بھی زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو وہ زنا بالجبر تصور ہوگا۔ اگر سولہ سالہ سے کم عمر کی لڑکیوں کو جرم زنا سے

مطلقاً مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ سولہ سال تک کی خواتین بلا خوف وخطر اس جرم میں ملوث ہوں گی اور گرفتاری کی صورت میں زنا بالجبر کا جواز پیش کر کے سزا سے بچ جائیں گی لہٰذا سولہ سال کی عمر کی بجائے بلوغت کو معیار بنانا چاہیے۔

-8 جرم زنا آرڈیننس کے نفاذ سے قبل تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ نمبر 497 کے تحت زنا بالرضا کا ارتکاب صرف اس صورت میں جرم تھا جب کوئی شخص کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ اس کے خاوند کی مرضی کے بغیر زنا بالرضا کا ارتکاب کرتا تھا اس صورت میں بھی عورت ملزمہ نہیں ہو سکتی تھی بلکہ صرف مرد کے خلاف ہی مقدمہ قائم کیا اور چلایا جا سکتا تھا۔ غیر شادی شدہ، بیوہ یا مطلقہ خواتین کے ساتھ زنا بالرضا کا ارتکاب کوئی جرم نہیں تھا۔ جرم زنا آرڈیننس کی دفعہ نمبر 19 کے ذریعے تعزیرات پاکستان کی مذکورہ دفعہ اور اغواء اور عصمت فروشی سے متعلق دیگر دفعات کو منسوخ کر دیا گیا تھا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرتے ہوئے زیادہ بہتر شکل میں جرم زنا آرڈیننس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ مجوزہ بل کے ذریعے جرم زنا کی آرڈیننس کی دفعہ نمبر 19 کے متعلقہ حصہ کو منسوخ کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں تعزیراتِ پاکستان کی منسوخ شدہ دفعات از خود بحال ہو جائیں گی، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جرم زنا آرڈیننس کے ساتھ ساتھ سابقہ قانون بھی موجود رہے گا اور جرم زنا کے حوالے سے دو متوازی قوانین ملک میں بیک وقت موجود ہوں گے۔ یہ تکنیکی طور پر بھی غلط ہے۔ اسے بہر حال بنانے والوں کی معصوم غلطی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

-9 جرم زنا آرڈیننس کے تحت کسی مقدمہ کی سماعت کرنے والی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر دورانِ سماعت یہ بات سامنے آئے کہ ریکارڈ پر موجود شہادتوں کے ذریعے کسی دیگر قانون کے تحت کسی جرم کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ اس قانون کے تحت ملزم کو سزا دے سکتی ہے۔ لیکن مجوزہ بل کے ذریعے جرم زنا آرڈیننس کے تحت کسی مقدمہ کی سماعت

کرنے والی عدالت یہ اختیار واپس لیا جا رہا ہے جس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ اب اگر کسی مرد اور عورت کے خلاف زنا آرڈیننس کے تحت زنا بالرضا کے مقدمات کی سماعت کے دوران یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب ہوا ہے اور اصل حقائق کو چھپا کر اسے زنا بالرضا کا رنگ دیا گیا تھا تو ایسی صورت میں عدالت مرد کو زنا بالجبر کی سزا نہ دے سکے گی کیونکہ زنا بالجبر تعزیراتِ پاکستان کے تحت جرم ہوگا اور عدالت کو مذکورہ ترمیم کی وجہ سے کسی دیگر قانون کے تحت کسی ملزم کو سزا دینے کا اختیار ختم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ زنا کا ارتکاب تو نہیں ہوا لیکن عورت کا اغواء کیا گیا ہے یا اسے بہلا پھسلا کر لے جایا گیا ہے یا اسے عصمت فروشی کی غرض سے خریدا یا بیچا گیا ہے یا کرایہ پر لیا یا دیا گیا ہے تو ملزم کو کوئی سزا نہیں دی جا سکے گی۔

-10 جرمِ زنا آرڈیننس کی اس دفعہ کو بھی مجوزہ بل کے ذریعے منسوخ کیا جا رہا ہے جس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جرم زنا آرڈیننس دوسرے قوانین پر حاوی ہوگا۔ اگر مجوزہ بل کے ذریعے زنا بالرضا سے متعلق سابقہ دفعات بھی بحال کر دی جائیں تو اس طرح زنا بالرضا کے حوالے سے دو طرح کے قوانین موجود ہوں گے لیکن چونکہ جرم زنا آرڈیننس کی دفعات دیگر قوانین پر حاوی نہیں ہوں گی نتیجتاً تعزیراتِ پاکستان کی دفعات کے تحت ہی سزا دی جائے گی کیونکہ یہ تسلیم شدہ قانونی ضابطہ ہے کہ اگر کوئی جرم دو قوانین کے تحت قابل سزا ہو تو مجرم کو اس قانون کے تحت سزا دی جائے گی جس میں سزا کم ہوگی۔ اس طرح جرم زنا آرڈیننس عملاً معطل ہو کر رہ جائے گا۔

-11 مجوزہ بل میں تعریفات کے ذیل میں اعتراف جرم کی تعریف کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اضافہ اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ اس میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ صرف مذکورہ مقدمہ کی سماعت کرنے والی سیشن کورٹ کے روبرو کیے جانے والے اعتراف جرم کو ہی جرم زنا کے ثبوت کے لیے اعتراف سمجھا جائے گا۔ لیکن بہتر ہوتا کہ اسلامی نظریاتی کونسل

کی اس سفارش کو بھی اس میں شامل کرلیا جاتا کہ اعتراف چار مرتبہ ہوگا اور چار مختلف اوقات میں ہوگا۔ نیز اگر مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر 164 کی ذیل دفعہ (3) میں بیان کیا گیا طریق کار بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو یہ قرآن وسنت اور انصاف کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہو جائے گا۔ جس میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ملزم کا اعترافی بیان قلمبند کرنے سے پہلے ملزم پر یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ یہ بیان دینے کا پابند نہیں ہے اور اس کا یہ بیان اس کے خلاف بطورِ شہادت استعمال ہوسکتا ہے۔ نیز جج پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ملزم سے مختلف سوالات کر کے اس بات کا یقین کرلے کہ ملزم کا اعتراف جرم ہر لحاظ سے رضا کارانہ ہے۔

-12 مجوزہ بل کے ذریعے جرم زنا کو نا قابل دست اندازی پولیس بنایا جا رہا ہے یعنی اب اس جرم میں پولیس سے مقدمہ درج کرنے اور ملزم کو گرفتار کرنے کا اختیار واپس لیا جا رہا ہے اب اگر کوئی شخص کسی کے خلاف جرم زنا کے ارتکاب کا مقدمہ درج کروانا چاہتا ہے تو وہ اپنی شکایت براہِ راست سیشن کورٹ میں لے کر آئے گا نیز اس کے لیے ضروری ہے ہوگا کہ وہ چار چشم دید گواہ بھی اپنے ہمراہ عدالت میں لائے۔ مستغیث اور گواہوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد اگر عدالت یہ محسوس کرے کہ یہ جرم زنا کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ ملزمان کو بذریعہ سمن عدالت میں طلب کرے گی اور انہیں اپنے ضمانت نامے داخل کرنے کے لیے کہے گی یعنی اب یہ جرم قابل ضمانت ہوگا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران کسی ملزم کو گرفتار کر کے جیل نہیں بھیجا جائے گا الا یہ کہ کوئی ملزم ضمانت نامہ داخل کرنے میں ناکام ہو جائے۔ خواتین تو پہلے ہی صدارتی آرڈیننس 2006ء کے ذریعے یہ سہولت حاصل کر چکی ہیں تاہم اس ترمیم کا فائدہ مرد حضرات کو ملے گا۔ مجوزہ بل میں یہ بھی طے کیا جا رہا ہے کہ اگر مستغیث اور گواہوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد عدالت یہ محسوس کرے کہ جرم زنا کا ارتکاب ثابت نہیں ہوتا تو وہ بغیر کسی مزید کارروائی کے فوری طور پر مستغیث کے خلاف

قذف کی سزا کا حکم جاری کر سکتی ہے۔ جرمِ زنا آرڈیننس کو قابل ضمانت بنانا، قبل دست اندازی پولیس بنانا اور جرم ثابت نہ ہونے پر قذف کی سزا کا فوری نفاذ مناسب ترامیم ہیں اور امید کی جانی چاہیے کہ مذکورہ ترامیم سے بہت سی ناانصافیوں کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مجوزہ بل بغیر کسی پیشگی تیاری یا ضروری مشاورت کے عجلت میں تیار کیا گیا ہے اسی بناء پر اسلامی نظریاتی کونسل کے بعض اہم ارکان نے اپنے استعفے حکومت کو پیش کر دیے ہیں۔ چنانچہ حدود قوانین میں ترمیم کا معاملہ علمی بحث کی بجائے سیاسی تنازعہ بن گیا ہے لہٰذا ضرورت اس امت کی ہے کہ مجوزہ بل ملک کے نامور ماہرین قانون اور جید علمائے کرام کے حوالے کیا جائے اور ان کی آراء کی روشنی میں اسے ازسرنو مرتب کر کے قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے۔

(بشکریہ: روزنامہ پاکستان کراچی: 9 نومبر 2006ء)

حدود ترمیمی بل کیا ہے؟

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، سابق رکن شریعت اپیلٹ بنچ۔ سپریم کورٹ آف پاکستان

حال ہی میں ''تحفظ خواتین'' کے نام سے قومی اسمبلی میں جو بل منظور کرایا گیا ہے، اس کے قانونی مضمرات سے تو وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو قانونی باریکیوں کا فہم رکھتے ہوں، لیکن عوام کے سامنے اس کی جو تصویر پیش کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس نے خواتین پر جو بے پناہ مظالم توڑ رکھے تھے، اس بل نے ان کا مداوا کیا ہے اور اس سے نہ جانے کتنی ستم رسیدہ خواتین کو سکھ، چین نصیب ہوگا۔ یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ اس بل میں کوئی بات قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے۔

آیئے ذرا سنجیدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ دیکھیں کہ اس بل کی بنیادی باتیں کیا ہیں؟ وہ کس حد تک ان دعوؤں کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ پورے بل کا جائزہ لیا جائے تو اس بل کی جوہری Substantive باتیں صرف دو ہیں:

(1) پہلی بات یہ ہے کہ زنا بالجبر کی جو سزا قرآن وسنت نے مقرر فرمائی ہے اور جسے اصطلاح میں ''حد'' کہتے ہیں، اسے اس بل میں مکمل طور پر ختم کردیا گیا ہے، اس کی رو سے زنا بالجبر کی کسی بھی حالت میں شرعی سزا نہیں دی جاسکتی، بلکہ اسے ہر حالت میں تعزیری سزا دی جائے گی۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں جس جرم کو زنا موجب تعزیر کہا گیا تھا اسے اب ''فحاشی'' Lewdness کا نام دے کر اس کی سزا کم کردی گئی ہے اور اس کے ثبوت کو مشکل تر بنادیا گیا ہے۔

اب ان دونوں جوہری باتوں پر ایک ایک کرکے غور کرتے ہیں:

زنا بالجبر کی شرعی سزا (حد) کو بالکلیہ ختم کردینا واضح طور پر قرآن وسنت کے احکام کی

خلاف ورزی ہے لیکن کہا یہ جا رہا ہے کہ قرآن وسنت نے زنا کی جو حد مقرر کی ہے وہ صرف اس صورت میں لاگو ہوتی ہے جب زنا کا ارتکاب مرد وعورت نے باہمی رضا مندی سے کیا ہو، لیکن جہاں کسی مجرم نے کسی عورت سے اس کی رضا مندی کے بغیر زنا کیا ہو۔ اس پر قرآن وسنت نے کوئی حد عائد نہیں کی۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ یہ دعویٰ کس حد تک صحیح ہے؟

(1) قرآن کریم نے سورۂ نور کی دوسری آیت میں زنا کی حد بیان فرمائی ہے:

﴿ الزانية و الزاني فا جلد و اكل واحد منهما مائة جلدة ﴾

جو عورت زنا کرے، اور جو مرد زنا کرے، ان میں سے ہر ایک کو 100 کوڑے لگاؤ۔ (النور: آیت 2)

اس آیت میں ''زنا'' کا لفظ مطلق ہے جو ہر قسم کے زنا کو شامل ہے۔ اس میں رضا مندی سے کیا ہوا زنا بھی داخل ہے، اور زبردستی کیا ہوا زنا بھی، بلکہ یہ عقلِ عام Common Sense کی بات ہے کہ زنا بالجبر کا جرم رضا مندی سے کئے ہوئے زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے، لہٰذا اگر رضا مندی کی صورت میں یہ حد عائد ہو رہی ہے تو جبر کی صورت میں اس کا اطلاق اور زیادہ قوت کے ساتھ ہوگا۔

اگرچہ اس آیت میں ''زنا کرنے والی عورت'' کا بھی ذکر ہے، لیکن خود سورۂ نور ہی میں آگے چل کر ان خواتین کو سزا سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ و من يكر ههنّ فان الله من بعدا كراههنّ غفور رحيم ﴾

اور جو ان خواتین پر زبردستی کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی زبردستی کے بعد (ان خواتین کو) بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ جس عورت کے ساتھ زبردستی ہوئی ہو۔ اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ البتہ جس نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے اس کے بارے میں زنا کی وہ حد جو سورۂ

نور کی آیت نمبر 2 میں بیان کی گئی تھی۔ پوری طرح نافذ رہے گی۔

(2) 100 کوڑوں کی مذکورہ بالا سزا غیر شادی شدہ اشخاص کے لئے ہے، سنتِ متواترہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر مجرم شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کیا جائے گا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگساری کی یہ حد جس طرح رضامندی سے کئے ہوئے زنا پر جاری فرمائی، اسی طرح زنا بالجبر کے مرتکب پر بھی جاری فرمائی۔

"چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادے سے نکلی، راستے میں ایک شخص نے اس سے زبردستی زنا کا ارتکاب کیا اس عورت نے شور مچایا تو وہ بھاگ گیا بعد میں اس شخص نے اعتراف کرلیا کہ اس نے عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا تھا، اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر حد جاری فرمائی، اور عورت پر حد جاری نہیں کی۔"

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث اپنی جامع میں دو سندوں سے روایت کی ہے اور دوسری سند کو قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب الحدود باب 22 حدیث 1454,1453)

لہٰذا قرآن کریم، سنتِ نبویہ علی صاحبہا السّلام اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے یہ بات کسی شبہ کے بغیر ثابت ہے کہ زنا کی حد جس طرح رضامندی کی صورت میں لازم ہے، اسی طرح زنا بالجبر کی صورت میں بھی لازم ہے اور یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ قرآن و سنت نے زنا کی جو حد (شرعی سزا) مقرر کی ہے، وہ صرف رضامندی کی صورت میں لاگو ہوتی ہے۔ جبر کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر کس وجہ سے زنا بالجبر کی شرعی سزا کو ختم کرنے پر اتنا اصرار کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ دراصل ایک انتہائی غیر منصفانہ پروپیگنڈا ہے جو حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت سے بعض حلقے کرتے چلے آرہے ہیں۔ پروپیگنڈا یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت اگر کوئی مظلوم عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرائے تو اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے

کہ وہ زنا بالجبر پر چار گواہ پیش کرے، اور جب وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکتی تو الٹا اسی کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ عرصہ دراز سے بے تکان دہرائی جا رہی ہے اور اس شدت کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں اور یہی وہ بات ہے جسے صدر مملکت نے بھی اپنی نشری تقریر میں اس بل کی واحد وجہ جواز کے طور پر پیش کیا ہے۔

جب کوئی بات پروپیگنڈے کے زور پر گلی گلی اتنی مشہور کر دی جائے کہ وہ بچہ بچہ کی زبان پر ہو تو اس کے خلاف کوئی بات کہنے والا عام نظروں میں دیوانہ معلوم ہوتا ہے لیکن جو حضرات انصاف کے ساتھ مسائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں میں انہیں دلسوزی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں کہ وہ براہ کرم پروپیگنڈے سے ہٹ کر میری آیندہ معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں خود پہلے وفاقی شرعی عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر 17 سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بنچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہِ راست سماعت کرتا رہا ہوں اتنے طویل عرصے میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بنا پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکی اور حدود آرڈیننس کے تحت ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت چار گواہوں یا ملزم کے اقرار کی شرط صرف زنا بالجبر موجب حد کے لیے تھی، لیکن اسی کے ساتھ دفعہ 10(3) زنا بالجبر موجب تعزیر کے لیے رکھی گئی تھی جس میں چار گواہوں کی شرط نہیں تھی، بلکہ اس میں جرم کا ثبوت کسی ایک گواہ، طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کار کی رپورٹ سے بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ زنا بالجبر کے بیشتر مجرم اسی دفعہ کے تحت ہمیشہ سزایاب ہوتے رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو مظلومہ چار گواہ نہیں لا سکی، اگر اسے کبھی سزا دی گئی ہو تو

حدود آرڈیننس کی کون سی دفعہ کے تحت دی گئی ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اسے قذف (یعنی زنا کی جھوٹی تہمت لگانے) پر سزا دی گئی تو قذف آرڈیننس کی دفعہ 3 استثنیٰ نمبر 2 میں صاف صاف یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ جو شخص قانونی اتھارٹیز کے پاس زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائے اسے صرف اس بناء پر قذف میں سزا نہیں دی جاسکتی کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکا/ کر سکی۔ کوئی عدالت ہوش وحواس میں رہتے ہوئے ایسی عورت کو سزا دے ہی نہیں سکتی، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اسی عورت کو رضا مندی سے زنا کرنے کی سزا دی جائے لیکن اگر کسی عدالت نے ایسا کیا ہو تو اس کی یہ وجہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خاتون چار گواہ نہیں لا سکی، بلکہ واحد ممکن وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عدالت شہادتوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ عورت کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد پر یہ الزام عائد کرے کہ اس نے زبردستی اس کے ساتھ زنا کیا ہے اور بعد میں شہادتوں سے ثابت ہو کہ اس کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ رضامندی کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوئی تو اسے سزایاب کرنا انصاف کے کسی تقاضے کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن چونکہ عورت کو یقینی طور پر جھوٹا قرار دینے کے لیے کافی ثبوت عموماً موجود نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی مثالیں بھی اِکا دُکا ہیں، ورنہ 99 فیصد مقدمات میں یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ عدالت کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوتا کہ مرد کی طرف سے جبر ہوا ہے، لیکن چونکہ عورت کی رضامندی کا کافی ثبوت بھی موجود نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسی صورت میں بھی عورت کو شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حدود آرڈیننس کے تحت پچھلے 27 سال میں جو مقدمات ہوئے ہیں ان کا جائزہ لے کر اس بات کی تصدیق آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ میرے علاوہ جن جج صاحبان نے یہ مقدمات سنے ہیں ان سب کا تاثر بھی میں نے ہمیشہ یہی پایا کہ اس قسم کے مقدمات میں جہاں عورت کا کردار مشکوک ہو، تب بھی عورتوں کو سزا نہیں ہوتی، صرف مرد کو سزا ہوتی ہے۔

حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت ہی سے یہ شور بکثرت مچتا رہا ہے کہ اس کے ذریعے

بے گناہ عورتوں کو سزا ہو رہی ہے اس لیے ایک امریکی اسکالر چارلس کینیڈی یہ شورس کران مقدمات کا سروے کرنے کے لیے پاکستان آیا۔اس نے حدود آرڈیننس کے مقدمات کا جائزہ لے کر اعداد وشمار جمع کیے اور اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کیے جو شائع ہو چکی ہے۔اس رپورٹ کے نتائج بھی مذکورہ بالا حقائق کے عین مطابق ہیں۔وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے۔

"Women Fearing conviction under section 10 (2) frequently bring carges of rape under10 (3) against theur alleged partners, The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10 (2) the women is exonerated of any wrong doing due to reasonable doubt, rule"

(Charles Cannedy: the status of women in Pakistan in Islamization of Laws P.74)

''جن عورتوں کو دفعہ 10 (2) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف دفعہ 10 (3) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لے کر آ جاتی ہیں۔فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی ایسی قرائنی شہادت نہیں ملتی جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ 10 (2) کے تحت (زنا بالرضا) کی سزا دے دیتا ہے......اور عورت ''شک کے فائدے'' والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔''

یہ ایک غیر جانبدار غیر مسلم اسکالر کا مشاہدہ ہے جسے حدود آرڈیننس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور ان عورتوں سے متعلق ہے جنہوں نے بظاہر حالات رضامندی سے غلط کاری کا ارتکاب کیا، اور گھر والوں کے دباؤ میں آ کر اپنے آشنا کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرایا۔ان سے چار گواہوں کا نہیں، قرائنی شہادت (Circumstantial evidence) کا مطالبہ کیا گیا، اور وہ قرائنی شہادت بھی ایسی پیش نہ کر سکیں جس سے جبر کا عنصر ثابت ہو سکے اس کے باوجود سزا صرف مرد کو ہوئی اور شک کے فائدے کی وجہ سے اس صورت میں بھی

ان کو کوئی سزا نہیں ہوئی۔

لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی رو سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کو چار گواہ پیش نہ کرنے کی بناء پر اُلٹا سزا یاب کیا جا سکے۔

البتہ یہ ممکن ہے اور شاید چند واقعات میں ایسا ہوا بھی ہو کہ مقدمے کے عدالت تک پہنچنے سے پہلے تفتیش کے مرحلے میں پولیس نے قانون کے خلاف کسی عورت کے ساتھ یہ زیادتی کی ہو کہ وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی، لیکن انہوں نے اسے زنا بالرضا میں گرفتار کرلیا۔ لیکن اس زیادتی کا حدود آرڈیننس کی کسی خامی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس قسم کی زیادتیاں ہمارے ملک کی پولیس ہر قانون کی تنفیذ میں کرتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے قانون کو نہیں بدلا جاتا۔ ہیروئن رکھنا قانوناً جرم ہے۔ مگر پولیس کتنے بے گناہوں کے سر ہیروئن ڈال کر انہیں تنگ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہیروئن کی ممانعت کا قانون ہی ختم کر دیا جائے۔

زنا بالجبر کی مظلوم عورتوں کے ساتھ اگر پولیس نے بعض صورتوں میں ایسی زیادتی کی بھی ہے تو فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلوں کے ذریعے اس کا راستہ بند کیا ہے اور اگر بالفرض اب بھی ایسا کوئی خطرہ موجود ہو تو ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے۔ جس کی رو سے یہ طے کر دیا جائے کہ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کا آخری فیصلہ ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور جو شخص ایسی مظلومہ کو گرفتار کرے اسے قرار واقعی سزا دینے کا قانون بھی بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی بنا پر ''زنا بالجبر'' کی حدِ شرعی کو ختم کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لہٰذا زیرِ نظر بل میں زنا بالجبر کی حدِ شرعی کو جس طرح بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے، وہ قرآن و سنت کے واضح طور پر خلاف ہے، اور اس کا خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

فحاشی:

زیر نظر بل کی دوسری اہم بات ان دفعات سے متعلق ہے جو فحاشی کے عنوان سے بل میں شامل کی گئی ہیں۔ حدود آرڈیننس میں احکام یہ تھے کہ اگر زنا پر شرعی اصول کے مطابق چار گواہ موجود ہوں تو آرڈیننس کی دفعہ 5 کے تحت مجرم پر زنا کی حد (شرعی سزا) جاری ہوگی، اور اگر چار گواہ نہ ہوں، مگر فی الجملہ جرم ثابت ہو تو تعزیری سزا دی جائے۔ اب اس بل میں حدود آرڈیننس کی دفعہ 5 کے تحت زنا بالرضا کی حد شرعی تو باقی رکھی گئی ہے جس کے لیے چار گواہ شرط ہیں، لیکن بل کی دفعہ ۸ کے ذریعے اسے نا قابل دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر یہ ضروری قرار دے دیا گیا ہے کہ کوئی شخص چار گواہوں کو ساتھ لے کر عدالت میں شکایت درج کرائے۔ پولیس میں اس کی ایف آئی آر درج نہیں کی جاسکتی۔ اور اس طرح زنا قابلِ حد ثابت کرنے کے طریق کار کو مزید دشوار بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح چار گواہوں کی غیر موجودگی میں زنا کی جو تعزیری سزا حدود آرڈیننس میں تھی، اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں:

(1) حدود آرڈیننس میں اس جرم کو ''زنا موجب تعزیر'' کہا گیا تھا۔ اب زیر نظر بل میں اس کا نام بدل کر ''فحاشی'' (Lewdness) کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی بالکل درست اور قابلِ خیر مقدم ہے کیوں کہ قرآن وسنت کی رو سے چار گواہوں کی غیر موجودگی میں کسی کے جرم کو زنا قرار دینا مشکل تھا، البتہ اسے ''زنا'' سے کم تر کوئی نام دینا چاہیے تھا۔ حدود آرڈیننس میں یہ کمزوری پائی جاتی تھی جسے دور کرنے کی سفارش علماء کمیٹی نے بھی کی تھی۔

(2) حدود آرڈیننس میں اس جرم کی سزا دس سال تک ہو سکتی تھی، بل میں اسے گھٹا کر پانچ سال تک کر دیا گیا ہے، بہر حال! چونکہ یہ تعزیر ہے، اس لیے اس تبدیلی کو بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

(3) حدود آرڈیننس کے تحت ''زنا'' ایک قابل دست اندازیٔ پولیس

(Cognizable) جرم تھا۔ زیر نظر بل میں اسے نا قابل دست اندازیٔ پولیس جرم قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس جرم کی ایف آئی آر تھانے میں درج نہیں کرائی جاسکتی، بلکہ اس کی شکایت (Complaint) عدالت میں کرنی ہو گی اور شکایت کے وقت دو عینی گواہ ساتھ لے جانے ہوں گے، جن کا بیان حلفی عدالت فوراً قلمبند کرے گی۔ اس کے بعد اگر عدالت کو یہ اندازہ ہو کہ مزید کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود ہے تو وہ ملزم کو سمن جاری کرے گی، اور آئندہ کارروائی میں ملزم کی حاضری یقینی بنانے کے لیے ذاتی مچلکے کے سوا کوئی ضمانت طلب نہیں کرے گی اور اگر اندازہ ہو کہ کارروائی کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے تو مقدمہ اسی وقت خارج کر دے گی۔

اس طرح "فحاشی" کے جرم کو ثابت کرنا اتنا دشوار بنا دیا گیا ہے کہ اس کے تحت کسی کو سزا ہونا عملاً بہت مشکل ہے۔

اول تو اسلامی احکام کے تحت زنا اور فحاشی کا جرم معاشرے اور اسٹیٹ کے خلاف جرم ہے، محض کسی فرد کے خلاف نہیں، اس لیے اسے قابل دست اندازیٔ پولیس ہونا چاہیے، بلا شبہ اس جرم کو قابل دست اندازیٔ پولیس قرار دیتے وقت یہ پہلو ضرور مدنظر رہنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں پولیس کا جو کردار رہا ہے، اس میں وہ بے گناہ جوڑوں کو جا بجا ہراساں نہ کرے۔ اس بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے متعدد فیصلے موجود ہیں جن کے بعد یہ خطرہ بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ اور 27 سال تک یہ جرم قابل دست اندازیٔ پولیس رہا ہے، اور اس دوران اس جرم کی بنا پر لوگوں کو ہراساں کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہوئے ہیں لیکن اس خطرے کا مزید سدباب کرنے کے لیے یہ کیا جاسکتا تھا کہ جرم کی تفتیش ایس پی کے درجے کا کوئی پولیس آفیسر کرے اور عدالت کے حکم کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے۔ ان اقدامات سے یہ رہا سہا خطرہ ختم ہو سکتا تھا۔

دوسرے شکایت کرنے والے پر یہ ذمہ داری عائد کرنا کہ وہ فوراً حد کی صورت میں چار

اور فحاشی کی صورت میں دو عینی گواہ لے کر آئے ، ہمارے فوجداری قانون کے نظام میں بالکل نرالی مثال ہے۔ ہمارے پورے نظام شہادت میں حدود کے سوا کسی بھی مقدمے یا جرم کے ثبوت کے لیے گواہوں کی تعداد مقرر نہیں ہے، بلکہ کسی چشم دید گواہ کے بغیر صرف قرائنی شہادت (Circumstantial Evidence) پر بھی فیصلے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر جرم میں طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کی رپورٹیں شہادت کا بہت اہم حصہ ہوتی ہیں۔ تعزیر کسی ایک قابل اعتماد گواہ پر ہے اور حدود آرڈیننس میں صرف زنا بالرضا موجب حد کا جرم باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا اس ترمیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی مرد پر زنا موجب حد کا الزام ہو لیکن شہادتوں کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ مرد نے عورت پر زبردستی کی تھی، یا زنا ثابت نہ ہو لیکن عورت کو اغواء کرنا ثابت ہو جائے تو عدالت ملزم کو نہ ریپ کی سزا دے سکے گی، نہ اغواء کرنے کی اور عدالت یہ جانتے بوجھتے اسے چھوڑ دے گی کہ اس نے عورت کو اغواء کیا تھا اور اس پر زبردستی کی تھی۔ اس کے بعد یا تو ملزم بالکل چھوٹ جائے گا، یا اس کیلئے ازسرنو اغواء کی نالش کرنی ہوگی اور عدالتی کارروائی کا نیا چکر نئے سرے سے شروع ہوگا۔

قانون سازی بڑا نازک عمل ہے۔ اس کے لیے بڑے ٹھنڈے دل و دماغ اور یکسوئی اور غیر جانب داری سے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب پروپیگنڈے کی فضا میں صرف نعروں سے متاثر اور مرعوب ہو کر قانون سازی کی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ اسی قسم کی صورت حال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر عدالتیں نئے قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے عرصۂ دراز تک قانونی موشگافیوں میں الجھی رہتی ہیں، مقدمات ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور مظلوموں کی دادرسی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

زیر نظر بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں کچھ اور ترمیمات بھی کی گئی ہیں، مثلاً:

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب کسی شخص کے خلاف عدالتی

کارروائی کے نتیجے میں حد کا فیصلہ ہو جائے تو اس کی سزا کو معاف یا کم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 20 شق 5 میں کہا گیا تھا کہ ضابطۂ فوجداری کے باب 19 میں صوبائی حکومت کو سزا معطل کرنے، اس میں تخفیف کرنے یا تبدیلی کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے وہ حد کی سزا پر اطلاق پذیر نہیں ہوگا۔ زیر نظر بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں ایک اور اہم اور سنگین تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس کی اس دفعہ 2 شق 5 کو ختم کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عدالت کسی کو حد کی سزا دے دے تو حکومت کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس میں تبدیلی یا تخفیف کر سکے۔

یہ ترمیم قرآن وسنت کے واضح ارشادات کے خلاف ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ ما كان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله أمراً ان يكون لهم الخيرة ﴾

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ پھر بھی اس معاملے میں ان کا کوئی اختیار باقی رہے۔ (الاحزاب: آیت 36)

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ مشہور ومعروف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی عورت کے حق میں سفارش کرنے پر جس پر حد کا فیصلہ ہو چکا تھا اپنے محبوب صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب 12، حدیث 6788)

اس بنا پر پوری امت کا اجماع ہے کہ حد کو معاف کرنے اور اس میں تخفیف کا کسی بھی حکومت کو اختیار نہیں ہے۔

لہٰذا بل کا یہ حصہ بھی صراحتاً قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

(2) حدود آرڈیننس کی دفعہ 3 میں کہا گیا تھا کہ اس آرڈیننس کے احکام دوسرے

قوانین پر بالا رہیں گے، یعنی اگر کسی دوسرے قانون اور حدود آرڈیننس میں کہیں کوئی تضاد ہوتو حدود آرڈیننس کے احکام قابل پابندی ہوں گے۔ زیر نظر بل میں اس دفعہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ وہ دفعہ ہے جس سے نہ صرف بہت سی قانونی پیچیدگیاں دور کرنا مقصود تھا، بلکہ ماضی میں بہت سی ستم رسیدہ خواتین کی مظلومیت کا سد باب اسی دفعہ کے ذریعے ہوا تھا۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عائلی قوانین کے تحت اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتی جب تک اس کا نوٹس یونین کونسل کے چیئر مین کو نہ بھیجا جائے، اگرچہ شرعی اعتبار سے طلاق کے بعد عدت گزار کر عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، لیکن عائلی قوانین کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک یونین کونسل کو طلاق کا نوٹس نہ جائے قانوناً وہ طلاق دینے والے شوہر کی بیوی ہے، اور اسے کہیں اور نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اب ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ شوہر نے طلاق کا نوٹس یونین کونسل میں نہیں بھیجا، اور عورت نے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر عدت کے بعد دوسری شادی کر لی۔ اب اس ظالم شوہر نے عورت کے خلاف زنا کا دعویٰ کر دیا کیوں کہ عائلی قوانین کی رو سے وہ ابھی تک اسی کی بیوی تھی۔ جب اس قسم کے بعض مقدمات آئے تو سپریم کورٹ کی شریعت بینچ نے حدود آرڈیننس کے دوسرے امور کے علاوہ اس دفعہ 3 کی بنیاد پر ان خواتین کو رہائی دلوائی اور یہ کہا کہ آرڈیننس چونکہ شریعت کے مطابق بنایا گیا ہے اور شریعت میں اس عورت کا دوسرا نکاح جائز ہے اس لیے اس کے نکاح کے بارے میں عائلی قانون کا اطلاق نہیں ہوگا کیوں کہ یہ قانون دوسرے تمام قوانین پر بالا ہے۔

اب اس دفعہ کو ختم کرنے کے بعد، اور بالخصوص آرڈیننس میں نکاح کی جو تعریف تھی اسے بھی بل کے ذریعے ختم کر دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر خواتین کے لیے یہ دشواری پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

علماء کمیٹی میں ہم نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا اور بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ اس کی جگہ مندرجہ ذیل دفعہ لکھی جائے گی۔

"in the anterpretation and application of this ordinance the injunctions of Islam as laid down in the holy quran and sunnah shall heve effect, not withstanding any thing contained in any other law for the time being in force"

یعنی: اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں بہر صورت مؤثر ہوں گے چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو۔"

لیکن اب جو بل قومی اسمبلی سے منظور کرایا گیا ہے اس میں سے یہ دفعہ بھی غائب ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سے مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(3) قذف آرڈیننس کی دفعہ 14 میں قرآن کریم کے بیان کیے ہوئے لِعان کا طریقہ درج ہے یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو عورت کے مطالبے پر اُسے لِعان کی کارروائی میں قسمیں کھانی ہوں گی اور میاں بیوی کی قسموں کے بعد ان کے درمیان نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے اگر شوہر لِعان کی کارروائی سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے گا جب تک وہ لِعان پر آمادہ نہ ہو، زیر نظر بل میں یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی سے لٹکی رہے گی۔ نہ اپنی بے گناہی لِعان کے ذریعے ثابت کر سکے گی اور نہ نکاح فسخ کرا سکے گی۔ نیز قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لِعان کی کارروائی کے دوران عورت زنا کا اعتراف کر لے تو اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی۔ زیر نظر بل میں یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ اعتراف کر لینے کے بعد سزائے زنا کے جاری نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جبکہ لِعان کی کارروائی عورت کے مطالبے پر ہی شروع ہوتی ہے اور اسے اعتراف کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔

لہٰذا بل کا یہ حصہ بھی قرآن وسنت کے احکام کیخلاف ہے۔

(4) زنا آرڈیننس کی دفعہ 20 میں یہ کہا گیا تھا کہ اگر عدالت کو شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو کر ملزم نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا ہے جو حدود آرڈیننس کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت جرم ہے تو اگر وہ جرم عدالت کے دائرہ اختیار میں ہو تو وہ ملزم کو اس جرم کی سزا دے سکتی ہے یہ دفعہ عدالتی کارروائیوں میں پیچیدگی ختم کرنے کے لیے تھی لیکن زیر نظر بل میں عدالت کے اس اختیار کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چند جزوی خامیوں کو چھوڑ کر جن کا مفصل ذکر پیچھے آ گیا ہے، زیر نظر بل کی اہم خرابیاں یہ ہیں:

(1) زیر نظر بل میں "زنا بالجبر" کی حد کو جس طرح بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے، وہ قرآن و سنت کے احکام کے بالکل خلاف ہے خواتین کے ساتھ پولیس کی زیادتی کا اگر کوئی خطرہ ہو تو اس کا سدباب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کی کارروائی عدالت میں پوری ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار کرنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔

(2) جب ایک مرتبہ زنا کی حد کا فیصلہ ہو جائے تو صوبائی حکومت کو سزا میں کسی قسم کی معافی یا تخفیف کا اختیار دینا قرآن وسنت کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا زیر نظر بل میں زنا آرڈیننس کی دفعہ 20 شق (5) کو حذف کر کے حکومت کو سزا میں تخفیف وغیرہ کا جو اختیار دیا گیا ہے، وہ قرآن وسنت کے منافی ہے۔

(3) "زنا بالرضا موجب حد" اور "فحاشی" کو ناقابل دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر ان جرائم کو جو مختلف تحفظات دیے گئے ہیں، وہ ان جرائم کو عملاً ناقابل سزا بنا دینے کے مترادف ہیں۔

(4) عدالتوں پر یہ پابندی عائد کرنا کہ شہادت کے مطابق مختلف جرائم سامنے آنے پر

وہ دوسرے جرائم میں سزا نہیں دے سکتیں، مجرموں کی حوصلہ افزائی ہے، یا اس کے نتیجے میں مقدمات ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوں گے اور عدالتی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوں گی۔

(5) ''قذف'' آرڈیننس میں ترمیم کر کے مرد کو یہ چھوٹ دینا کہ وہ عورت کے مطالبے کے باوجود لعان کی کارروائی میں شرکت سے انکار کر کے عورت کو معلق چھوڑ دے، قرآن کریم کے حکم کے منافی ہے۔

(6) ''قذف آرڈیننس'' میں یہ ترمیم بھی قرآن وسنت کے منافی ہے کہ عورت کے رضا کارانہ اقرار جرم کے باوجود اسے سزا نہیں دی جا سکے گی۔

ارکان پارلیمنٹ اور ارباب اقتدار سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے بل کی اصلاح کریں اور قوم کو اس مخمصے سے نجات دلائیں جس میں وہ مبتلا ہو گئی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ کراچی: 22، 23 نومبر 2006ء)

حدود بل......علماء کمیٹی کا موقف

مولانا عبدالمالک۔ممبر قومی اسمبلی،صدر جمیعۃ اتحاد العلماء

(1) "ق لیگ" انکے اتحادیوں اور پیپلز پارٹی پارلیمینٹرین نے تحفظ حقوق نسواں کے نام پر جو بل منظور کیا ہے وہ درحقیقت دین میں ترمیم اور خواتین کی عزت وحرمت پامال کرنے، فحاشی اور بدکاری کو فروغ دینے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے زنا اور بدکاری کا تحفظ دینے کا بل ہے۔

(2) زنا کی بعض صورتوں کو واضح طور پر جائز قرار دیکر یہ جرم کرنے والوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

(3) ایک اسلامی حکومت اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ برائی کو مٹائے اور نیکی کو قائم کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج : ٤١)

"یہ وہ لوگ ہیں اگر انہیں زمین میں اقتدار دیں، یہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے اور تمام بھلائیوں کو قائم کرنے کا حکم دیں گے اور تمام برائیوں سے روکیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے تمام کاموں کو انجام۔"

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (الحج : ١١٠)

"تم تمام امتوں سے بہتر امت ہو جسے لوگوں کیلئے نکالا گیا ہے تم تمام بھلائیوں کا حکم کرتے ہو اور تمام برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من رأى منكم منكراً مليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان يستطع فبقلبه و ذلك ضعف الايمان ." "

(ترمذی باب الامر بالعروف والنهی عن المنکر کتاب الفتنعن ابی سعید)

"تم میں سے جو آدمی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ کے ذریعہ بدل دے' اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو زبان کے ذریعہ بدل ڈالے اور اگر اسکی بھی استطاعت نہ رکھے تو دل میں اسے برا جانے۔"

1979ء میں حدود آرڈیننس نافذ ہوا۔ اس میں قرآن پاک کی مذکورہ آیات اور احادیث رسول ﷺ کو عملی جامہ پہنایا گیا' حکومت کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ زنا کاری اور بد کاری کو روکے گی۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں تک عوام رسائی حاصل کر کے زنا کاری کی مختلف شکلوں میں بدکاری کو روک سکتی تھی۔ موجودہ حکومت نے پہلے تو یہ جرم کیا کہ حدود آرڈیننس کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کیا کہ اسکے ذریعہ زنا بالجبر کی شکار خواتین برسوں جیلیں کاٹتی ہیں اور 'زنا' کا پرچہ درج کرانے پر زیادتی اور جبر کے مرتکب مجرموں کی بجائے انہیں یہ پرچہ درج کرانے کے سبب سزا دے دی جاتی ہے حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جن خواتین نے اپنے ساتھ جبری زیادتی کے پرچے درج کرائے وہ اگر گواہ پیش نہ کر سکیں تو مجرموں کو تعزیزی سزائیں ہوئی ہیں' اکثر خواتین کو شبہ کی بنا پر چھوڑ دیا گیا۔ اس جھوٹے پروپیگنڈہ کیلئے امریکہ نے این جی اوز اور میڈیا پر اربوں ڈالر خرچ کئے اور اس پروپیگنڈہ میں جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے پوری طرح شرکت کی۔ وزراء ق لیگ اور اتحادیوں کے کئی اجلاس کئے' بالآخر حدود آرڈیننس میں زنا اور بدکاری روکنے کیلئے حکومتی ذمہ داری کو ختم کر دیا گیا اور اسے ایک نجی برائی اور معاملہ قرار دیدیا گیا جس کیلئے پولیس کے پاس ایف آئی آر درج نہیں کرائی جاسکے گی اور پولیس خود بھی اس جرم کو روکنے کیلئے کوئی مداخلت نہیں کر سکے گی' مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو روکنے کیلئے پولیس کراچی' لاہور' اسلام

آباذ راولپنڈی اور ملک کے چھوٹے بڑے شہروں میں متحرک رہتی ہے۔ علمائے کرام پر اسپیکر کے استعمال پر مقدمے درج کیئے گئے ہیں۔ بعض علماء کو تو جیلوں میں ڈالا گیا ہے لیکن جرم زنا کے مرتکبین کو پولیس کی طرف سے پروٹوکول دیدیا گیا ہے کہ وہ پولیس کی پکڑ دھکڑ سے پوری طرح تحفظ میں ہیں۔ تحفظ حقوق نسواں بل میں زنا اور بدی کو روکنا عوام پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو جرم حد کی صورت میں چار گواہ اور ناجائز جنسی مباشرت کی صورت میں دو عینی گواہ لیکر سیشن عدالت میں جائیں۔ عدالت مطمئن ہوگی تو کیس درج کریگی مطمئن نہ ہوئی تو کیس درج نہ کریگی۔ اور کیس درج کر کے مقدمہ چلانے کی صورت میں اگر جرم حد ثابت نہ ہوسکا تو مستغیث پر کیس چلنے اور ثابت ہونے کی صورت میں ملزم کو پانچ (5) سال قید دس ہزار روپے جرمانہ اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں مدعی کو پانچ سال قید بھگتنا ہوگی۔ اس طرح سے زنا کاری اور بدکاری کا راستہ صاف کر دیا گیا ہے۔ عوام میں اس بات کی سکت نہیں ہے کہ وہ کسی بدکار کو سزا دلانے کیلئے تمام کاموں کو چھوڑ کر مقدمہ بازی میں لگ جائیں۔ اس بل کے اغراض و مقاصد میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس کا مقصد ”غیر محتاط جوڑوں“ کو ہر قسم کے خوف اور خطرے سے آزاد کرنا ہے۔

(4) بل میں سولہ سال سے کم عمر میں بالغ بچی اگر اپنی مرضی سے زنا کرے تو اس کے لئے زنا کوئی قانونی جرم نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اس کیلئے وہی حکم ہے جو مجبور کیلئے ہے۔ آج بھی عام طور پر بچیاں بارہ سال میں بالغ ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ 12 سال سے لیکر 16 سال کی عمر میں پانچ سال تک ایک بچی کو زنا کی کھلی چھوٹ دیدی گئی ہے۔ اس کی اجازت دینا واضح طور پر قرآن پاک کا کفر ہے۔

(5) زنا بالجبر میں چار گواہوں کی صورت میں ”حد“ زنا کو ختم کر کے صرف تعزیزی سزا رکھی گئی ہے۔ حد کو ختم کرنا حکم قرآنی میں ترمیم ہے۔

(6) جرم زنا (نفاذ حدود آرڈیننس 1979ء) میں زنا کے معاون جرائم کی بھی

سزا رکھی گئی تھی اسے ختم کر دیا گیا ہے۔

(7) دفعہ 492بی تعزیرات پاکستان (زنا بالرضا کے متعلق) کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے اور نئے نام سے یہ دفعہ زنا بالرضا کے غیر شادی شدہ مجرموں کیلئے ہوگا شادی شدہ مجرم پر اس کا طلاق نہ ہوگا۔

علماء کمیٹی کے ساتھ ان تمام امور کے بارے میں طے ہوا تھا کہ 'بل' میں زنا بالرضا' زنا بالجبر کی جتنی بھی صورتیں اور شکلیں ہیں' ان کو جرم قرار دیا جائے گا لیکن مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ زنا کی متعدد صورتوں کو روا دکھایا گیا ہے اور جن کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ان کو بھی پولیس کی دست اندازی سے تحفظ دیکر بدکاری کے عادی مجرموں کو آزادی اور کھلی چھوٹ دیدی گئی ہے، اس کے بعد حکومت کے یہ دعوے کہ 'بل' میں قرآن وسنت کیخلاف کوئی شق نہیں واضح جھوٹ اور شرم وحیا کو تار تار کر دینے کا جرم ہے۔اسے اپنے اعلان کے مطابق مستعفی ہو جانا چاہیے۔علماء کمیٹی کیساتھ طے شدہ نکات جنکی بل میں مخالف کی گئی۔

-1 زنا بالجبر اگر حد کی شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

-2 حدود آرڈیننس میں زنا موجب تعزیز کی بجائے ''فحاشی'' کے عنوان سے ایک نئی دفعہ کا تعزیرات پاکستان (PPC) میں اضافہ کیا جائے گا جس کا متن درج ذیل ہے:

Wilfully have sexual inter-course with one another without being married and shall be. punished with imprisoment which may extend to five years and shall also be liable to fine.

-3 زنا آرڈیننس کی دفعہ 3 کی جگہ مندرجہ ذیل دفعہ تحریر کی جائے گی:

In the interpretation and application of this ordinance the injuncntios of Islamas laid down in the Holy Qura'an and with standing any thing containned Sunnah shall have effect not in any other law for the time being in force.

اجلاس میں شریک علماء کرام نے کہا کہ حقوق نسواں بل کے بارے میں قرآن وسنت کے حوالے سے اصولی امور پر اتفاق رائے ہوگیا ہے اور اب اس بل میں اصولی طور پر قرآن وسنت کے منافی کوئی بات باقی نہیں رہی۔

تاہم بعض ذیلی امور پر اگر ہمیں مزید وقت دیا گیا تو تفصیلی سفارشات پیش کر دی جائیں گی۔ اجلاس میں علماء کرام نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں اہم سفارشات پیش کی ہیں جو یہ ہیں:

1- خواتین کو عملاً وراثت میں عام طور پر محروم رکھا جاتا ہے، اس کے سدباب کے لیے مستقل قانون بنایا جائے۔

2- بعض علاقوں میں خواتین کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے اس کی روک تھام کے لیے قانون سازی کی جائے اور اسے قابل تعزیر قرار دیا جائے۔

3- بیک وقت تین طلاقیں دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور ایسی دستاویز لکھنے والے نوٹری پبلک اور وثیقہ نویسوں کو بھی شریک جرم قرار دیا جائے۔

4- قرآن کریم کے ساتھ نکاح کی مذموم رسم کا سدباب کیا جائے۔

5- جبری وٹہ سٹہ یعنی نکاح شغار کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔

6- عورتوں کی خرید وفروخت اور انہیں میراث بنانے کے غیر شرعی رواج اور رسوم کا قانونی سدباب کیا جائے۔

تین متفقہ نکات کو موثر بنانے اور عملاً نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے مزید پانچ ترامیم ''علماء کمیٹی'' نے تجویز کرتے ہوئے حکومت سے مجوزہ بل میں شامل کرنے کی سفارش کی اور راقم الحروف نے ''علماء کمیٹی'' کی طرف سے 17 ستمبر 2006ء کو محترم چوہدری شجاعت حسین صاحب سے اسلام آباد میں بوقتِ ملاقات درج ذیل تحریر پیش کی:

مورخہ 11 ستمبر 2006ء کو علماء کمیٹی نے ''تحفظ حقوق نسواں بل'' کے بارے میں جن

تین بنیادی نکات پر دستخط کیے تھے ان کے آخر میں یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ اصولی طور پر ان نکات پر اتفاق رائے کے بعد کچھ ذیلی امور اور ہیں جن پر اگر کمیٹی کو وقت دیا گیا تو کمیٹی ان پر اپنی رائے ظاہر کرے گی۔ نیز زبانی طور پر یہ طے ہوا تھا کہ ان تین نکات کو مسودے میں سمونے کے لیے بل میں تبدیلیوں کے بعد ہمیں دکھایا جائے گا۔

چنانچہ 13 ستمبر 2006ء کو اس غرض کے لیے جب کمیٹی کو دوبارہ اسلام آباد طلب کیا گیا تو ہم نے نئے مسودے کا جائزہ لے کر یہ محسوس کیا کہ اگرچہ وہ تین نکات اس مسودہ میں شامل کر لیے گئے ہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ ایسے امور کا اضافہ کر دیا گیا ہے جن کے بعد ان تین نکات کے عملاً موثر ہونے میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔

اس سلسلے میں ہم نے اپنی تشویش سے حکومت کے نمائندہ حضرات کو نہ صرف زبانی طور پر آگاہ کر دیا بلکہ ان پر تفصیلی گفتگو بھی ہوئی۔ ہمیں آخر وقت تک یہ امید تھی کہ کم از کم ان میں سے چند اہم نکات پر ہماری تجویز مان لی جائے گی لیکن آخر وقت میں جو مسودہ انتہائی شکل میں لایا گیا اسے دیکھ کر واضح ہوا کہ ان میں سے کوئی بات مسودے میں شامل نہیں کی گئی۔
اگرچہ اس وقت ہم نے زبانی طور پر اپنا یہ تاثر واضح کر دیا تھا لیکن ان نکات کو تحریری طور پر مرتب کرنے کا وقت نہیں مل سکا تھا۔ اب ہم ذیل میں ان نکات کو تحریری شکل میں پیش کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ بل کو با معنی اور موثر بنانے کے لیے ان تجاویز پر عمل کیا جائے گا۔

1- تعزیرات پاکستان میں دفعہ 496-B کا جو اضافہ کیا جا رہا ہے اس کے عنوان اور متن میں Fornication کا لفظ طے شدہ لفظ Lewdness کے بجائے بدل دیا گیا ہے۔ اسے بدل کر Siyahkari کرنا ضروری ہے کیونکہ Fornication صرف غیر شادی شدہ افراد کے "زنا" کو کہتے ہیں اس بات سے زبانی طور پر اتفاق کر لیا گیا تھا مگر آخری مسودے میں اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

-2 کمیٹی نے جب اپنی سابقہ سفارش میں یہ کہا تھا کہ زنا بالجبر پر بھی حد نافذ کی جائے تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ تھا کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 6 میں ''زنا بالجبر'' موجب حد کی جو تعریف اور جو احکام درج ہیں، انہی کو بحال کیا جائے لیکن بل میں اس کے بجائے وہاں دوسری تعریف درج کر دی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں سولہ سال سے کم عمر لڑکی کو نابالغ قرار دے کر اس کی مرضی کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے حالانکہ شرعاً بلوغت کے لیے علامات بلوغ (Puberty) کافی ہیں اور اس کے بعد اس کی رضامندی میں شرعاً معتبر ہے لہٰذا ہمارے نزدیک زنا آرڈیننس کی دفعہ 6 کو جوں کا توں بحال کر دینا ضروری ہے اور اگر موجودہ دفعہ برقرار رہے تو بل کی دفعہ 12A کی ذیلی دفعہ (7) اس طرح بنائی جائے۔

With or without her consent when she is nonadult.

-3 بل کی دفعہ 12-B کے ذریعے جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء میں دفعہ 6-A کا اضافہ کیا گیا ہے جو ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے اور اس سے وہ متفقہ امور غیر موثر ہو جائیں گے جن پر ہماری پہلی نشست میں اتفاق رائے ہوا تھا تمام فوجداری قوانین میں یہ بات مسلم رہی ہے کہ اگر ملزم پر بڑا جرم ثابت نہ ہو سکے تو وہی عدالت ملزم کو کمتر جرم کی سزا دے سکتی ہے، بشرطیکہ وہ کمتر جرم اس پر ثابت ہو جائے لیکن نہ جانے کیوں جرم زنا بالجبر اور زنا بالرضا کو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی خاتون نے ملزم کے خلاف زنا بالجبر موجب حد کا مقدمہ درج کرایا ہو لیکن عدالت کے سامنے موجب حد جرم ثابت نہ ہو سکا تو عدالت اس خاتون کی فریاد رسی کے لیے ملزم کو تعزیری سزا نہیں دے سکتی۔ اس کے لیے اس کو یا دوبارہ مقدمہ دائر کرنا ہوگا یا پھر ظلم پر صبر کر کے بیٹھ جانا ہوگا۔

لہٰذا ہمارے نزدیک بل میں دفعہ 6A کا اضافہ کرنے کی جو تجویز دی گئی ہے وہ قطعی غیر منصفانہ اور غلط ہے اور اسے حذف کرنا ضروری ہے اور اسے حذف کرنے کے نتیجے میں جرم

زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ 20 کی پہلی Proviso کو بحال رکھنا بھی ضروری ہے جسے مجوزہ بل میں حذف کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔

-4 بل کے پیراگراف نمبر 3 میں 203C کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس کی ذیلی دفعہ 2 میں استغاثہ درج کرانے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مستغیث دو عینی گواہ پیش کرے۔ اوّل تو یہ تعزیری جرم ہے اور اس کے لیے مناسب یہ ہوتا کہ اسے قابل دست اندازی پولیس Congnizable قرار دے کر اس کے غلط استعمال سے بچنے کے لیے کم از کم ایس پی کے درجے کے پولیس آفیسر کو تفتیش کا اختیار دیا جاتا اور عدالت کے وارنٹ کے بغیر گرفتاری کو ممنوع کر دیا جاتا لیکن اگر اس وجہ اس کو استغاثہ Complaint ہی کا کیس بنانا ضروری سمجھا جائے تو دو عینی گواہوں کی شہادت پیش کرنا یہاں غیر ضروری ہے کیونکہ تعزیر کے ثبوت کے لیے دو عینی گواہ ضروری نہیں ہوتے بلکہ ایک قابل اعتبار گواہ یا قرائنی شہادت Cirumstantial Evidence بھی کافی ہوتی ہے لہٰذا ہماری نظر میں اس دفعہ میں AT LEAST TWO EYE WITNESSNES کے بجائے Evidence as Available Such لکھنا چاہیے۔ اس تجویز کو بھی نہیں مانا گیا۔

-5 جرم زنا (نفاذِ حدود) آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 7 کو بل سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک جن امور پر اتفاق رائے ہوا تھا ان کے موثر نفاذ کے لیے مندرجہ بالا پانچ ترمیمات نہایت ضروری ہیں اور ان کے بغیر ان متفقہ امور کے غیر موثر ہو جانے کا قوی خدشہ ہے لہٰذا مذکورہ اتفاق رائے کے بعد زیر نظر مسودے سے ہمارا اتفاق ان ترمیمات پر موقوف ہے۔ امید ہے کہ مسودے کو بامعنی بنانے کے لیے یہ ترمیمات مسودے میں شامل کی جائیں گی۔

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت کراچی: 23، 24 نومبر 2006ء)

قرآن وسنت کی روشنی میں ''تحفظ خواتین بل'' کا تجزیہ

مفتی منیب الرحمٰن

پاکستان کی پارلیمنٹ نے جو تحفظ خواتین بل 2006ء منظور کیا ہے، وہ اپنے مقاصد، مابعد مرتب ہونے والے اثرات ونتائج اور متن کے اعتبار سے قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے منافی ہے۔ چونکہ آئین پارلیمنٹ کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہو، لہٰذا یہ اصولی طور پر آئین کے بھی منافی ہے اور قراردادِ مقاصد کے بھی منافی ہے، جسے آئین کا مؤثر حصہ قرار دیا جاچکا ہے۔

ہماری رائے میں جو امور قرآن وسنت اور مقاصدِ شریعت کے منافی ہیں وہ یہ ہیں:

1- قرآن وسنت کی رو سے زنا، ایک سنگین جرم ہے، اس کا مفہوم ہر شخص کے ذہن میں واضح ہے لیکن قانونی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اس کی باقاعدہ قانونی اور شرعی تعریف کردی گئی ہے اور یہ جرم اگر شرعی معیار (یعنی چار عینی گواہ یا مجرم کا اقرار واعترافِ جرم) کے مطابق ثابت ہو جائے تو ''موجبِ حد'' ہے اور اس پر حد شرعی نافذ ہوگی، جو غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ''زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر (حقیقت میں) ایمان لاتے ہو تو تمہیں اللہ کے دین کی خاطر ان دونوں پر (حدِ شرعی نافذ کرنے میں) کسی نرمی (رعایت) کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔'' (سورۃ النور: 2)

اور شادی شدہ کے لیے اس فعل خبیث کی سزا، رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ رجم کی سزا سورۃ المائدۃ: 43 سے اشارۃ النص کے طور پر اور احادیثِ مبارکہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ رجم 53 احادیث مرفوعہ، 14 احادیث مرسلہ، 14 آثار تابعین اور 5 فتاوائے تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، جو حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری

بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک مسلمان شادی شدہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں پر اس نے اعترافی بیان دیا کہ اس نے زنا کیا ہے، پھر اس نے چار بار اپنے اوپر اقرارِ جرم کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے رجم (سنگسار) کر دیا جائے۔"

(صحیح بخاری، کتاب الحدود: 4/253 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ہم اختصار کے پیش نظر تمام احادیث مبارکہ درج نہیں کر رہے۔

اور اس حد کے بارے میں قرآن وسنت میں زنا بالجبر (RAPE) کی کوئی تقسیم نہیں ہے، بلکہ فرق صرف یہ ہوگا کہ زنا بالرضا میں فریقین پر حد جاری ہوگی اور زنا بالجبر کی صورت میں وہ فریق جس کو مجبور کر دیا جانا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اسے باعزت بری کر دیا جائے گا۔ لہٰذا جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ، مزنیہ بالجبر (Raped Victim) کو بھی حدودِ آرڈیننس کے تحت زنا کا مجرم گردانا جاتا تھا، یہ صریح بہتان اور کذب وافتراء ہے، حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، البتہ جبر کو عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔ خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب زنا بالجبر کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے "مزنیہ بالجبر" کو باعزت بری کر دیا، ہم اختصار کی بناء پر حدیث درج نہیں کر رہے۔

جبکہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ "تحفظ خواتین بل" میں زنا بالجبر کو حد سے نکال کر تعزیرات پاکستان کے تحت محض ایک تعزیری جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ امر پارلیمنٹ میں پیش کردہ بل میں ایکٹ نمبر 45، باب 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ نمبر 376، بعنوان "زنا بالجبر کے لیے سزا" میں موجود ہے، جو یہ ہے: "جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے، اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید، جو کم سے کم پانچ سال یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔" (بحوالہ: روزنامہ جنگ، جمعرات 16 نومبر 2006ء)

مذکورہ بالا سزا، قرآن وسنت کے صریح منافی ہے، کیونکہ اس میں زنا بالجبر کو سزا، سزائے موت یا پانچ سے پچیس سال کی قید بمع جرمانہ رکھی گئی ہے، جبکہ قرآن وسنت میں ''زنا بالجبر اگر شرعی معیار کے مطابق ہو جائے تو اس کی سزا شادی شدہ کے لیے متعین طور پر رجم ہے۔ (ملاحظہ ہو، سنن ترمذی: 2/412 رقم الحدیث: 1454، دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، سورۃ النور: 2)

اس سلسلے میں قرآن وسنت کے حوالے سے ہم اپنے موقف کو شروع میں ثابت کر چکے ہیں۔ زنا بالجبر کو مطلقاً حد سے نکال دینا، قرآن وسنت کا صریح انکار ہے۔ جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ زنا بالجبر شدید ترین جرم ہے، لہٰذا اس کی سزا بھی شدید ترین اور عبرت ناک ہونی چاہیے۔ انہوں نے اس موجودہ پاس کردہ بل میں یہ سزا، سزائے موت یا پانچ تا پچیس سال قید بمع جرمانہ رکھ کر اسے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، یعنی اگر جج چاہے تو زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص کو صرف پانچ سال قید اور جرمانہ کی سزا دے کر بری کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے کھلی بغاوت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھے (یعنی مخالفت کرے) تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ: 229)

جب یہ قانون میں زنا بالجبر کی سزا میں لچک رکھ دی گئی ہے اور اسے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے تو دراصل یہ بااثر لوگوں کے لیے ایک رعایت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

پارلیمنٹ کے منظور کردہ اس بل میں زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص سے جرمانہ وصول کرنے کا ذکر بھی سطورِ بالا میں درج ہے، جو کہ قرآن وسنت کی صریح مخالفت ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت خالد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں:

''ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں

آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں، اس کا فریق مخالف کھڑا ہوا اور یہ شخص، پہلے شخص سے زیادہ سمجھ دار تھا، کہنے لگا کہ اس نے سچ کہا، ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں اور مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہو، تو فریق ثانی نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے اہل خانہ میں مزدوری کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا، تو میں نے اس کے فدیہ کے طور پر ان کو سو بکریاں اور ایک غلام دیا، پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں کی سزا اور ایک سال کے لیے جلاوطنی ہے اور اس کی بیوی پر سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور غلام تجھے واپس کر دیئے جائیں گے اور تیرے بیٹے پر سو کوڑوں کی سزا اور جلاوطنی لازم ہے اور (پھر آپ نے ایک قریب بیٹھے صحابی سے فرمایا) اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو، اگر وہ اعتراف جرم کرے تو اسے رجم کر دو۔ (راوی کہتا ہے کہ) اس عورت نے اعتراف جرم کر لیا اور اسے رجم کر دیا گیا۔''

(صحیح بخاری شریف، کتاب الحدود: 4/ 264، رقم الحدیث: 6860,6859،
مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ زنا ''موجب حد'' میں جسمانی سزا ہے مالی جرمانہ نہیں۔

2- قرآن وسنت کی روشنی میں حدِ زنا کے قیام کے لیے چار عینی گواہوں یا اقرار واعتراف کا پایا جانا ضروری ہے جبکہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ خواتین بل میں زنا بالجبر کی سزا میں عینی گواہی کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے، اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کی دفعہ

376 کے متعلق ٹیبل نمبر 4 میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، یہ قرآن وسنت اور اسلام سے کھلی بغاوت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جس نے غیر اسلامی قانون چاہا تو (وہ) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' (سورۃ آل عمران:85)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں۔'' (سورۃ المائدۃ:44)

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں۔'' (سورۃ المائدۃ:47)

ان آیاتِ کریمہ کے مخاطب حکمران ہیں، کیوں کہ احکامِ الٰہی کو نافذ کرنا، فرد کی نہیں اہل اقتدار کی ذمہ داری ہے، چنانچہ ان آیاتِ مبارکہ میں ان حکمرانوں کو جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں، بالترتیب کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ <u>یعنی جو حکمران تساہل کی وجہ سے اللہ کے احکام کو نافذ نہ کریں، وہ فاسق ہیں اور جو تمرد اور سرکشی کے سبب اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ نہ کریں وہ ظالم ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا سرے سے انکار کردیں وہ کافر ہیں۔</u>

3- پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظ خواتین بل کی ترمیم نمبر 14 میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 6 اور 7 کو حذف کیا گیا ہے، چنانچہ منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر 14 میں واضح طور پر موجود ہے کہ ''زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء آرڈیننس نمبر 7، مجریہ 1979ء کی دفعات 6 اور 7 کو حذف کردیا جائے گا۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ: ہفتہ 18 نومبر 2006ء)

اس ترمیم کے مطابق آرڈیننس نمبر 7، 1979ء کی دفعہ 6 کو کلی طور پر منسوخ کردیا گیا

ہے۔حالانکہ آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 6 میں زنا بالجبر کے لیے درج ذیل سزائیں مقرر کی گئی تھیں:

(ا) اگر مرد یا عورت محصن (یعنی شادی شدہ) ہے تو اس کو کسی جائے عام پر رجم (سنگسار) کر کے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(ب) اگر مرد یا عورت محصن نہیں ہے (یعنی غیر شادی شدہ ہے) تو جائے عام پر کوڑوں کی سزا، جس کی تعداد 100 کوڑے ہوگی، دی جائے گی اور کوئی دیگر سزا، جس میں سزائے موت بھی شامل ہے، دی جائے گی جو کہ عدالت، حالاتِ مقدمہ کے مدنظر مناسب سمجھے۔(نیو اسلامک لاز 1979ء صفحہ:61، منصور بک ہاؤس، لاہور)

حدود آرڈیننس کی دفعہ 6 میں موجود ان سزاؤں (یعنی الف اور ب) کو پڑھنے کے بعد ایک باشعور انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس دفعہ کو کلی طور پر منسوخ کرنے کا مقصد اس دفعہ میں موجود حدودِ الٰہی کو ختم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

4- پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں زنا بالرضا ''موجبِ حد'' کو قابل دست اندازی پولیس جرم سے خارج کر دیا گیا ہے۔اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر 8 میں دیکھا جا سکتا ہے۔زنا بالرضا کو قابل دست اندازی پولیس جرم سے خارج کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ملزم کو پکڑ کر عدالت میں لانا، گواہوں کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرنا اور موقع پر موجود قرائن وشواہد کو جمع کرنے کی ذمہ داری سے حکومت دست بردار ہو گئی ہے اور مستغیث پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ وہ مقدمات جو براہِ راست جج کی عدالت میں دائر ہوتے ہیں، ہفتوں اور مہینوں ان کی سماعت کی نوبت نہیں آتی اور اس دوران میں قرائن وواقعات کی شہادت (Circusmtancial Evidence) تلف ہو جائے گی اور کسی بھی درجے میں ثبوت جرم کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔

5- پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل میں زنا بالرضا کی سزا، محصن (یعنی شادی شدہ) ہونے کی صورت میں موت تک سنگسار کرنا اور اگر محصن نہ ہو، تو ایک سو کوڑوں تک کی سزا رکھی گئی ہے، اس امر کو قومی اسمبلی میں منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر 8 میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن وسنت کی رُو سے غیر شادی شدہ زانی کے لیے متعین سزا، سو کوڑے ہے جبکہ بل میں موجود غیر شادی شدہ کی سزا، سو کوڑے نہیں، بلکہ سو کوڑے تک بیان کی گئی ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ جج سو کوڑوں سے کم کی سزا بھی دے سکتا ہے، مثلاً پچاس کوڑے مار کر باعزت بری کر دیا جائے، یہ قرآنی حکم میں صریح تحریف ہے۔

6- پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 3 کو حذف کیا گیا ہے، اس امر کو قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر 12 میں دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہے: ''زنا کے جرم (نفاذِ حدود) آرڈیننس 1979ء آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 3 کو حذف کر دیا جائے گا۔'' (روزنامہ جنگ: 18 نومبر 2006ء)

مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 3 کہ جس کو کلی طور پر حذف کیا گیا ہے وہ یہ ہے: ''آرڈیننس دیگر قوانین پر غالب ہوگا، یعنی آرڈیننس ہذا کے احکام کسی دیگر نافذ الوقت میں درج کسی امر کے باوصف مؤثر ہوں گے۔'' (نیو اسلامک لاز: 1979ء صفحہ 55 منصور بک ہاؤس، لاہور)

یہ دفعہ 3 کہ جس کو حذف کر دیا گیا ہے، اس کے سبب حدود آرڈیننس کو ان جرائم سے متعلق دوسرے کسی بھی قانون پر بالادستی (Over Ridingeffect) دی گئی تھی، اس کو ختم کر دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں حدودِ الٰہی کی قانونی حیثیت (Legal Status) عام تعزیری قوانین کے برابر ہو جائے گی۔ علماء کمیٹی نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ مجوزہ بل میں مندرجہ ذیل دفعہ شامل کر دی جائے:

"اس قانون کی تعبیر وتشریح سے متعلق کسی بھی دوسرے قانون کے مقابلے میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہوگی۔" اسے شامل نہیں کیا گیا۔

7- پارلیمنٹ کے منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 4 میں لفظ "جائز" کو حذف کیا گیا ہے، اس امر کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر 13 میں دیکھا جا سکتا ہے، جو یہ ہے: "زنا کا جرم (نفاذِ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) میں دفعہ 4 میں لفظ "جائز طور پر" اور مذکورہ دفعہ کے آخر میں تشریح کو حذف کر دیا جائے گا۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ: ہفتہ 18 نومبر 2006ء)

حدود آرڈیننس کی مذکورہ دفعہ 4 جس سے لفظ "جائز" کو ختم کیا گیا ہے، وہ یہ ہے: "ایک مرد اور ایک عورت زنا کے مرتکب کہلائیں گے۔ اگر وہ باہمی جائز شادی کے بغیر بالارادہ مباشرت کریں۔" (نیو اسلامک لاز: 1979ء صفحہ 55 منصور بک ہاؤس، لاہور)

مذکورہ بالا دفعہ میں لفظ شادی کے ساتھ لفظ جائز ہے اور اس مقام پر جائز شادی سے مراد وہ نکاح ہے جو شرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔ جب اس سے لفظ جائز کو ختم کر دیا جائے گا تو مطلق دعوائے نکاح ہی سزا سے بچنے کے لیے کافی ہوگا، چاہے وہ دعوائے نکاح شریعت کے معیار کے مطابق جائز ثابت نہ ہو، زبانی دعویٰ یا جعلی کاغذی کارروائی کی بناء پر بھی مجرم چھوٹ جائے گا۔

8- پارلیمنٹ کے منظور کردہ خواتین بل میں موجودا یکٹ 45، بابت 1860ء میں نئی دفعہ شمولیت کے تحت دفعہ 375، بعنوان زنا بالجبر کی شق پنجم میں یہ درج ہے کہ "اس کی رضامندی سے یا اس کے بغیر جبکہ وہ سولہ سال سے کم عمر کی ہو۔" (بحوالہ روزنامہ جنگ: بروزِ جمعرات 16 نومبر 2006ء)

مذکورہ دفعہ کے تحت سولہ برس سے کم عمر (مثلاً 15 سال، 11 ماہ، 29 دن) کی عاقلہ بالغہ خاتون کے ساتھ اس کی رضامندی سے زنا کیا گیا ہو تو مرد کو زنا بالجبر کا مرتکب قرار دے

کر سزا دی جائے گی اور اپنی مرضی سے زنا کرنے والی عاقلہ بالغہ عورت کو ارتکاب و ثبوت جرم کے باوجود باعزت بری کر دیا جائے گا اور وہ سزا سے مکمل طور پر محفوظ رہے گی، یہ قرآن وسنت اور شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے اور اس سے فحاشی کو فروغ ملے گا، یہ وہی قانونی پوزیشن ہے جو اس وقت امریکا اور یورپ میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ترجمہ: ''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی (قائم کردہ) حدود سے تجاوز کرے تو اللہ تعالیٰ اسے (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا، جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔'' (سورۃ النساء:14)

9- حدودِ آرڈیننس کے تحت اگر کسی شخص کے خلاف زنا ''موجبِ حد'' کا الزام ہو اور مقدمے میں حد کی شرائط پوری نہ ہوں، لیکن فی الجملہ جرم ثابت ہو جائے تو اسے دفعہ 10(3) کے تحت تعزیری سزا دی جا سکتی تھی، لیکن منظور کردہ بل کی رو سے ضابطہ فوجداری میں دفعہ 203 کا جو اضافہ کیا گیا ہے، اس کی شق نمبر 6 میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو زنا ''موجبِ حد'' کے الزام سے بری ہو گیا ہو، اس کے خلاف فحاشی کا کوئی مقدمہ درج نہیں کرایا جا سکتا۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ کسی شخص کے خلاف عورت نے زنا بالجبر کا الزام عائد کیا ہو اور جبر کے ثبوت میں شک رہ جائے تو ملزم بری ہو جائے گا اور اس کے خلاف فحاشی کی دفعہ کے تحت بھی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکے گی۔

''اب یہاں یہ بات تو ثابت ہے کہ جرم ہوا ہے اور مستغیثہ نے پولیس کے پاس زنا بالجبر کے مقدمے کا اندراج کرایا ہے لیکن جبر ثابت نہیں ہو سکا، اس کی وجوہ دو ہو سکتی ہیں:

(1) مجرم بااثر تھا اور اس نے موقع اور قرائن کی شہادتوں کو اپنی طاقت واثر سے تلف کر دیا، ضائع کرا دیا، پولیس نے بااثر شخص کے خوف سے حقائق کو تلف کر دیا یا چھپا دیا یا مجرم اتنا جابر اور طاقت ور ہے کہ اس کے خوف سے کوئی گواہ عدالت میں گواہی دینے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا، لہٰذا مندرجہ بالا شق کی رو سے وہ زنا بالجبر کے الزام سے تو باعزت بری ہو

جائے گا اور پھر اس کے خلاف فحاشی کا مقدمہ بھی درج نہیں ہو سکے گا تا کہ اسے قطعاً کوئی سزا نہ مل سکے، ہماری پارلیمنٹ کے فاضل ممبران کی اس دانش مندی سے عورت کو "مثالی تحفظ" ملے گا، کسی نے سچ کہا ہے:

ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(2) ابتداءِ جرم تو باہمی رضا مندی سے ہوا تھا، لیکن عزت بچانے کے لیے RAPE کا دعویٰ کر دیا، اب چونکہ عورت کو ہر قسم کی سزا سے بچانا مقصود ہے، لہٰذا اس کی خاطر مرد کو بھی باعزت بری کر دیا گیا اور فحاشی (Lewdness) کے الزام میں جو کم تر سزا مجرمین کو مل سکتی تھی، اس قانون نے اس کے امکانات کو ختم کر دیا۔ اب اس سے فحاشی کو فروغ ملے گا۔

-10 قذف آرڈیننس کی دفعہ 14 میں قرآن کریم کے بیان کیے ہوئے لعان، یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو عورت کے مطالبے پر اسے لعان کی کارروائی میں قسمیں کھانی ہوں گی اور میاں بیوی کی قسموں کے بعد ان کے درمیان فسخ نکاح کر دیا جائے گا۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر شوہر لعان کی کارروائی سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے گا، جب تک وہ لعان پر آمادہ نہ ہو، منظور کردہ بل میں یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی سے لٹکی رہے گی۔ نہ ہی اپنی بے گناہی لعان کے ذریعے ثابت کر سکے گی اور نہ نکاح فسخ کرا سکے گی۔

یہ دفعہ اس لیے شامل کی گئی کہ سیکولر فلسفہ قانون میں کسی شخص کو کسی جرم کے اقرار یا انکار پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، وہ عدالت کو کسی سوال کے جواب میں نہ "ہاں" اور نہ ہی "نہ" بلکہ کہہ دے کر No Comments تو عدالت اسے کچھ نہیں کہے گی، اس سیکولر فلسفہ قانون کو اسلام کے قانون لعان پر بالادستی Over Ridingeffect بالادستی عطا کر دی گئی ہے۔

نیز قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لعان کی کارروائی کے دوران عورت زنا کا اعتراف کرلے تو اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی۔ منظور کردہ بل میں یہ حصہ بھی حذف کردیا گیا ہے۔ حالانکہ اعتراف کرلینے کے بعد سزائے زنا کے جاری نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جبکہ لعان کی کارروائی عورت کے مطالبے پر ہی شروع ہوتی ہے اور اسے اعتراف کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔

تحفظ خواتین بل کے اثرات ونتائج:

1- اگر یہ بل تمام مراحل طے کرکے خدانخواستہ قانون کا درجہ حاصل کرلیتا ہے تو اسے "قانون تحفظ خواتین" کے بجائے "قانون برائے فروغ فحاشی" کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

2- عملاً پاکستان قرآن وسنت کے صریح احکام اور پاکیزہ سماجی اقدار کے ماحول سے نکل کر مغرب کے بے غیرتی اور بے حمیتی اور فروغ فحاشی کے ماحول میں چلا جائے گا۔

3- جب قانون، زنا اور فحاشی کو روکنے میں ناکام رہے گا، بلکہ قانون کا علامتی خوف بھی اٹھ جائے گا، تو پاکستان میں کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل اور ماورائے عدالت انتقامی کارروائیوں کو فروغ ملے گا، کیونکہ پاکستانی معاشرہ بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس بے غیرتی کو ہضم نہیں کرپائیں گے۔

4- غیر شادی شدہ جوڑے، مغرب کی طرح اکٹھے رہنا چاہیں یا ہوٹل میں کمرہ بک کرکے سیاہ کاری کرنا چاہیں تو انہیں قانون کا کوئی ڈر نہیں رہے گا۔

5- صدر امریکا جارج واکر بش اور وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر نے برملا اس قانون کی تحسین کی ہے، اسے روشن خیالی، آزادروی اور جدت پسندی کا مظہر قرار دیا ہے۔

ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جس قانون کی

تعریف و تحسین یہود و نصاریٰ کریں، امتِ مسلمہ پر ہر سو آگ برسانے والے بش اور ٹونی بلیئر کریں، کیا وہ قرآن و سنت کے مطابق ہو سکتا ہے؟ ان کی تحسین اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مقاصدِ کفر کو پورا کر رہا ہے اور اس کے برعکس دین کا درد رکھنے والے تمام مسلمان اور علماء غمزدہ ہیں، رنجیدہ ہیں اور اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

ہماری رائے میں پارلیمنٹ کے منظور کردہ بل کو "تحفظ خواتین بل" کا نام دینا، صریح مذاق ہے، اس میں خواتین کو غیر محفوظ تو کر دیا گیا ہے، ان کو تحفظ عطا نہیں کیا گیا، یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کالے حبشی کا نام "شمس الزمان" یا "نور الزمان" رکھ دیں۔

ایک ٹیکنیکل اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ 1973ء کا دستور اسلامی ہے، اس پر علماء نے دستخط کیے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کیا، جب کہ حدود آرڈیننس 1979ء میں آیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ 1973ء کے آئین میں دو واضح تحدیدات (Bindings) تھیں:

(1) یہ کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

(2) یہ کہ تمام موجودہ قوانین کو دس سال کے اندر اسلام کے مطابق ڈھال لیا جائے گا۔

تو اگر 1973ء کے آئین پر لفظاً اور معنیً عمل کیا گیا ہوتو بھی 1983ء سے پہلے پہلے قوانین حدود اور قوانین قصاص کا نافذ کرنا لازمی، قانونی تقاضہ تھا۔

علماء کی تجویز:

تحفظ خواتین بل کے لیے ہم نے حکومت کو جو تجاویز پیش کی تھیں، وہ یہ ہیں:

1- خواتین کو وراثت سے محروم کرنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے؛ جاگیردار معاشرے میں اگر کسی خاتون کے لیے خاندان کے اندر متوازی رشتہ موجود نہ ہوتو اس کی "قرآن سے شادی" کر دی جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے اسے غیر شادی شدہ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے وراثت خاندان سے باہر نہ جائے۔

2- یہ کہ عاقلہ بالغہ عورت کی، اس کی مرضی کے خلاف جبراً شادی کرانے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے۔

3- یہ کہ زمانہ جاہلیت کی طرح ''نکاح شغار'' جسے آج کل ''وٹہ سٹہ'' کہا جاتا ہے اگر اس میں کسی بھی جانب سے عورت کی رضا مندی ہو یا ان کا مہر مقرر نہ کیا جائے بلکہ ایک شخص اپنی بہن کا نکاح اپنی بیوی کے بدل مہر میں کر دے، اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے۔

4- یہ کہ ایک وقت میں تین طلاق (طلاقِ مغلظ) دینے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے تا کہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور اس سلسلے میں شوہر کے ساتھ وثیقہ نویس، اوتھ کمشنر، نوٹری پبلک اور گواہوں کو بھی شریک جرم سمجھا جائے۔

5- یہ کہ ونی کی رسم کو تعزیری جرم قرار دیا جائے، جس میں قصاص کے مالی بدل کے طور پر قاتل کے خاندان کی چھوٹی بچیوں کا نکاح مقتول کے خاندان کے مردوں سے کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات عمروں میں بے انتہاء تفاوت ہوتا ہے، اس سے اسلام اور پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔

6- کارو کاری، غیرت کے نام پر قتل اور ماورائے عدالت قتل و دیگر جرائم کا خاتمہ مقصود ہے تو قانون میں متاثرین جرائم اور مظلومین کو تحفظ دیا جائے، عدل کو یقینی بنایا جائے اور قانون کی حکمرانی قائم کی جائے، ورنہ محض وعظ، تذکیر یا اسمبلیوں میں تقاریر سے ان جرائم کو روکا نہیں جا سکے گا اور موجودہ قانون نے ان جرائم کے امکانات میں اضافہ کر دیا ہے۔

نوٹ: پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانون کے بارے میں ہماری یہ رائے خالص دینی اصولوں پر مبنی ہے، اس سے سیاست کا کوئی تعلق نہیں ہے، نہ ہماری کسی جماعت سے سیاسی وابستگی ہے اور نہ ہی حال یا مستقبل میں کوئی سیاسی مقاصد ہیں۔ کوئی دلائل کی بنیاد پر ہماری

کسی رائے سے اختلاف کرے تو یہ اس کا حق ہے لیکن جس طرح ہر شعبہ زندگی میں اس شعبے کے ماہرین رائے دینے کا حق رکھتے ہیں اور انہی کی رائے کو قابل توجہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح دین کو اتنا مظلوم نہ بنا دیا جائے کہ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے ماہرانہ علم کے بغیر ہر شخص اسلام پر اتھارٹی بننے کا دعویٰ کرے اور اپنی رائے کو حرف آخر سمجھے۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ کراچی: 26، 27 نومبر 2006ء)

خواتین کی آزادی نہیں بدکاری کے لیے منظور کیا گیا بل

قاضی حسین احمد، امیر جماعتِ اسلامی، صدر متحدہ مجلس عمل

(انٹرویو: قاضی جاوید)

سوال: حقوقِ نسواں بل کی منظوری سے ملک میں خواتین کو حقیقی آزادی حاصل ہوگی؟

جواب: اس بل کا حقوقِ نسواں اور خواتین کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف ان چند خواتین کو تحفظ فراہم کرتا ہے جو اپنی مرضی سے بدکاری کی مرتکب ہوں۔ اسلامی نظام میں فحاشی اور عریانی اور بے حیائی و بدکاری کو حکومت روکنے کی ذمہ داری ہے لیکن پرویز مشرف امریکہ کو بتانا چاہتا ہے کہ میں پاکستان کے اسلامی معاشرے کو تمہارے مرضی کے مطابق ڈھالنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ جن حدود کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین ہیں اور جو بڑی جدوجہد اور مطالبات کے بعد ان کے نفاذ میں کامیاب ہوئے، میں ان کو بھی تبدیل کرنے کی ہمت رکھتا ہوں اور میں ہی تمہارا اصل خدمت گار ہوں۔ حدود قوانین کی تبدیلی میں امریکی دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا پر عسکری اور معاشی غلبے کے بعد اسلامی تہذیب وثقافت اور ہماری معاشرت کو تبدیل کر کے پوری دنیا پر تہذیبی غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کی تہذیب وتمدن اور اس کی اقدار اور معیارات مثالی سمجھے جانے لگیں۔ اس کے لیے وہ خواتین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اسلامی قوانین میں ان کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے۔ ان کی یہ بھی کوشش ہے کہ ہمارے خاندانی نظام میں رخنہ ڈال کر ہماری نسل کو جنسی بے راہ روی پر ڈال دیں۔ بدکاری اور زنا مغربی تہذیب میں کوئی برائی نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ برائی اس وقت بنتی ہے جب اس میں زبردستی کی جائے۔ اس کے پس منظر میں ان کا یہ تصور ہے کہ زنا بذاتِ خود کوئی برائی نہیں ہے، اگر اس

میں جبر ہو تو وہ برائی ہے۔ انہوں نے تو مردوں کی مردوں اور عورتوں کی عورتوں کے ساتھ شادی کی اجازت دے دی ہے اور ہمارے معاشرے کو بھی اس راستے پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ حدودِ الٰہی مقدس اور نا قابل تغییر ہیں اور ان سے باہر نکلنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔'' (المائدۃ:44)

اور علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

تقدیر کے پابند نباتات اور جمادات
مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

لیکن پرویز مشرف اور ان کا قبلہ کہتا ہے کہ کوئی پابندی قبول نہیں ہے، ہم اپنی مرضی کے مطابق چلیں گے۔ قرآن مجید میں دو طرح کے لوگ بتائے گئے ہیں، ایک متقی و پرہیز گار اور دوسرے اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والے۔ مؤمن خواہشات نفس پر قابو رکھتا ہے اور انہیں احکامِ الٰہی کا پابند بناتا ہے جبکہ پرویز مشرف کی اصطلاح میں جو لبرل ہوتا ہے وہ خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے اور کسی چیز کو مقدس اور مستقل نہیں سمجھتا۔ یہ بل مغرب کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ہم کسی چیز کو مقدس نہیں سمجھتے اور قرآنی احکام کی پابندی کرنے کی بجائے مغربی اقدار کو اپنائیں گے۔ یہ مغرب کی نظروں میں اپنی آمریت کو قابل قبول بنانے کا اقدام ہے جسے پرویز مشرف روشن خیالی قرار دیتے ہیں۔ روشن خیالی صرف یہ سمجھا گیا ہے کہ یہ حدود اللہ کے خلاف قوانین بنائے جائیں۔ یہ صورتِ حال جنرل مشرف کو روشن خیال بنا سکتی ہے لیکن پاکستان کے عوام اس کو قبول نہیں کریں گے۔

سوال: کیا اس بل کے ذریعے قراردادِ مقاصد کی خلاف ورزی کی گئی ہے؟

جواب: اسلامی نظام میں جن مفادات کا تعین اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

کر دیا ہے، ہم ان کے پابند ہیں، قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''اے محمد! تمہارے رب کی قسم، یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔ (النساء:65)

قراردادِ مقاصد میں ہم نے یہ طے کر دیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہیں اور قرآن و سنت کے دائرے اور حدود میں رہ کر تمام معاملات کا فیصلہ کریں گے۔ یہ بل اس سے بغاوت ہے اور اس بات کا کھلا اظہار ہے کہ ہم کسی چیز کے پابند نہیں ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثابت کرو کہ یہ اسلام کے خلاف ہے اور کیسے ثابت کیا جائے کہ چوہدری شجاعت حسین نے خود جنہوں نے علما کی کمیٹی بنائی تھی ان علماء نے متفقہ طور پر کہہ دیا ہے کہ یہ اسلام اور قرآن و سنت کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اب یا تو ہم پرویز مشرف اور چوہدری شجاعت حسین کو علمائے دین تسلیم کر لیں کہ اسلام اور غیر اسلام کا فیصلہ انہوں نے کرنا ہے یا جو ہمارے دستور میں واضح طور پر موجود ہے کہ اسلامی معاملات میں علمائے کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ جس طرح ہر چیز کے قانونی ماہرین سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو اس میں ہم علمائے کرام سے رہنمائی حاصل کریں گے اور ہر طبقہ فکر کے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔

سوال: کیا اس بل سے ملک کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور اب پاکستان کا مستقبل سیکولرازم کے ساتھ وابستہ ہے؟

جواب: پرویز مشرف نے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ ہم اپنے ملک اور اس کے نظام کو سیکولر بنا کر مغرب کے لیے قابل قبول بنا دیں۔ اس کے لیے یہاں کے قوانین میں مغرب کی خواہشات کے مطابق ترامیم لائی جا رہی ہیں تا کہ یہاں مرد و زن کے اختلاط اور بدکاری کی آزادی ہو اور رقص و سرود اور شراب و

موسیقی کی محفلیں جمائی جا سکیں۔اسی وجہ سے یہ حسبہ بل پر واویلا مچا رہے ہیں جس میں اسلامی شعائر کی پابندی کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا راستہ اختیار کیا گیا۔قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ:''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخش دیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے،نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔''(الحج:41)

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اقامت صلوٰۃ،ایتائے زکوٰۃ،اور معروف کو پھیلانے اور منکر کو روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ہمارے حکمران اس کے بالکل برعکس منکر کو پھیلاتے ہیں اور اسلامی احکام اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ہم نے اس مسئلے پر قومی اسمبلی سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور مستعفی ہونے کے بعد ہم گھروں میں بیٹھنے کی بجائے لوگوں کے پاس جائیں گے اور مکمل اسلامی انقلاب کے لیے تحریک چلائیں گے پاکستان کا مستقبل اسلام کے ساتھ وابستہ ہے،یہاں کے عوام اسلام پسند ہیں اور وہ اس تحریک میں ہمارا ساتھ دیں گے۔

سوال:اس بل کی منظوری کے بعد کیا دنیا پاکستان کو روشن خیال اسلامی ملک تسلیم کر لے گی؟

جواب:بدکاری کی کھلی اجازت دینا کون سی روشن خیالی ہے؟ اصل میں پرویز مشرف کی خواہش ہے کہ ہم امریکہ اور یورپ کے معیار کے مطابق ہوں لیکن پاکستان کے مسلمان اپنے آپ کو قرآن وسنت کے معیار کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔پاکستانیوں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ امریکہ یا مغرب ان کو اچھا سمجھتے ہیں یا برا۔وہ چاہتے ہیں کہ ان کا معاشرہ اس طرح بنے جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں۔اس سے ہم دنیا میں بھی ترقی کر سکتے ہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اخلاقی لحاظ سے پستی کا شکار ہے اور مزید روبہ انحطاط ہے۔ان کا معاشرتی نظام تباہ ہو چکا ہے اور ان کے گھر کی زندگی برباد ہے اور وہاں سے خوشی غائب ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ

دنیا کو ایک نئے حیات بخش پیغام کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے پاس ہے۔ ہمیں تو دنیا کو پیغام دینے کا سبق دیا گیا ہے نہ یہ کہ ہم اپنے آپ کو دنیا کے مطابق ڈھال لیں اور مغربی اقوام کو خوش کرنے کے لیے اپنی بنیادی اقدار سے ہٹ جائیں۔

سوال: اس بل کی منظور سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو کیا خطرہ لاحق ہوگا؟

جواب: پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس بنیاد پر وجود میں آیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے درمیان وجہ اتحاد اسلامی نظریہ حیات ہے۔ علامہ اقبال نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

ہم نے دین اور عقیدے کی بنیاد پر ایک وطن کو توڑا تھا اور کٹ کے رہا ہے ہندوستان، بن کے رہا ہے پاکستان اور ہماری قومیت کی بنیاد اسلام اور عقیدے پر ہے۔ اس عقیدے کو کمزور کیا جائے گا تو ملک کی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہوں گے کیونکہ یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ یہ ایک قوم کا ملک نہیں بلکہ مختلف قومیتوں کا ملک ہے۔ وہ تو پہلے ہی اس کوشش میں ہیں کہ مشترک بنیاد اور اساس کو کمزور کر دیا جائے تا کہ وہ اپنا راستہ الگ کر سکیں۔ جبر سے ہم لوگوں کو اکٹھا نہیں رکھ سکتے۔ پاکستانی عقیدے کے سوا کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ ایک ہے اس لیے ہم ایک ملک میں اکٹھے ہیں اور اسی بنیاد پر اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ اس راستے کے سوا تمام راستے تباہی و بربادی کی طرف جاتے ہیں۔ اس لیے ان راستوں سے بچنا چاہیے۔

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت کراچی: 28 نومبر 2006ء)

سرکاری بل کی تائید کرنے والوں کی خدمت میں

مولانا محمد ازہر

درج ذیل سطور ان تمام حضرات کی خدمت میں ایک دردمندانہ درخواست کے طور پر پیش ہیں جو کسی بھی وجہ سے قومی اسمبلی میں منظور کیے جانے والے "تحفظ حقوق نسواں بل" کی حمایت کر رہے ہیں، یہ حضرات مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کی حالت ہی میں دنیا سے جانے کے طلب گار ہیں تا کہ حق تعالیٰ شانہ کے حضور سرخروئی حاصل کر سکیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اوّلین فرض اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر جھکانا ہے خواہ ہمیں ان کی علت وحکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

ان سطور کا راقم آئین ودستور کی قانونی موشگافیوں کا زیادہ علم رکھتا ہے نہ شریعت مطہرہ کے احکام وحِکم پر گہری نظر۔ ایک مسلمان کی طرح وہ بھی شریعت کے ضروری ضروری احکام کا اجمالی سا علم رکھتا ہے، اس کے علم کے مطابق زنا ایک برائی ہے جس کی شناعت پر قدیم ترین زمانے سے آج تک کے تمام انسانی معاشرے متفق رہے ہیں۔ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی طور پر اس متفق علیہ برائی کے حق میں صرف ان لوگوں نے آواز بلند کی جنہوں نے اپنی عقل کو اپنی نفس پرستی کے تابع کر دیا۔ نفس پرستی کی یہ بھوک آگے چل کر ایسی بیماری اور پاگل پن کی شکل اختیار کر گئی کہ ماں، بہن اور بیٹی جیسے مقدس رشتے بھی اس کی بھینٹ چڑھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اس سطح پر اتر آئے تو اس میں اور دیگر حیوانات میں شکل وشباہت کے علاوہ کوئی اور مابہ الامتیاز نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں زنا کو ایک سخت عیب ایک بڑی بداخلاقی اور مذہبی اصطلاح میں گناہ کبیرہ کہا گیا ہے اور ہر زمانے کے انسانی معاشروں نے اس برائی کے سدّ باب کے لیے کوششیں کی ہیں۔

موجودہ زمانے کے مغربی قوانین کی رو سے زنا صرف اس وقت جرم ہے جب وہ بالجبر ہو

یعنی فریقِ ثانی کی مرضی کے خلاف اس سے جنسی تعلق قائم کیا جائے جبکہ اسلامی قانون اس تصور کے برعکس زنا کو بجائے خود قابلِ سزا جرم قرار دیتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اگر اس فعل کی آزادی دے دی جائے تو اس کا مطلب نوعِ انسانی اور تمدّنِ انسانی کو ملیا میٹ کرنا ہے کیونکہ گھر اور خاندان کی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالے بغیر جن لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی تسکین کے مواقع مہیا ہوں گے ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ انہی خواہشات کی تسکین کے لیے بھاری عائلی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے آمادہ ہوں جس کے نتیجے میں نوع انسانی کا بقاء اور انسانی تمدن کا قیام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے ایک مسلم معاشرہ میں نہ بالجبر کسی عورت کی عصمت دری کی گنجائش ہے نہ فریقین کی رضامندی کے ساتھ اس گناہ کی اجازت، بلکہ دونوں صورتوں میں زنا ایک قانونی جرم اور قابلِ دست اندازیٔ سرکار ہے۔ البتہ بالجبر اس کا ارتکاب جرم کی شدت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے برضا و رغبت اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی سخت سزا سنائی ہے تاکہ وہ جان لیں کہ مسلم معاشرہ بدکاروں کی تفریح گاہ نہیں ہے جس میں وہ اخلاقی قیود سے آزاد ہو کر جو چاہیں کرتے پھریں۔

قرآن کریم نے بدکاری کے مرتکب مرد و عورت کے لیے کیا سزا مقرر فرمائی ہے اور متنازع بل میں انہیں کیا سزا دی گئی ہے دونوں کو سامنے رکھ کر ایک عام مسلمان بآسانی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ متنازع بل قرآن وسنت کے مطابق ہے یا اس کے خلاف، موجودہ بل میں حدود آرڈیننس کی شق نمبر 7 میں دفعہ 496 الف کے بعد مندرجہ ذیل نئی دفعہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

''496 ب فحاشی، ایسے مرد و عورت جو ایک دوسرے سے شادی شدہ نہ ہوں اگر جان بوجھ کو باہمی جنسی مباشرت کرتے ہیں تو وہ فحاشی کے مرتکب ہوں گے۔

(۳) جو کوئی فحاشی کا ارتکاب کرے گا اسے 5 سال تک سزا اور 10,000 روپے تک جرمانے کی سزا دی جائے گی۔

496 ج، فحاشی کے جھوٹے الزام کی سزا، جو کوئی کسی شخص کے خلاف فحاشی کی جھوٹی

تہمت لائے گا یا گھڑے گا یا دے گا اسے 5 سال تک کی مدت کی سزا دی جائے گی اور 10,000 تک جرمانہ بھی کیا جائے گا۔"

مذکورہ بل میں جن دو جرائم پر (زنا اور قذف۔ اور بل کی زبان میں فحاشی اور فحاشی کے جھوٹے الزام کی سزا) 5 سال قید اور 10,000 روپے جرمانہ تجویز کی گئی۔ یہ وہ جرائم ہیں جن کی سزائیں قرآن کریم میں احکم الحاکمین نے خود نازل کی ہیں اور ان پر عمل کو ایمان و اسلام کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے (ترجمہ) "زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔" (سورۂ نور: آیت:2)

کس قدر صریح الفاظ ہیں اور کتنا تاکیدی حکم ہے یعنی یہ محض "سفارش" نہیں کہ آپ کا جی چاہے تو اس پر عمل کریں نہ چاہے تو نہ کریں بلکہ یہ قطعی احکام ہیں جن کی پیروی کرنا لازم ہے اگر مؤمن اور مسلم ہو تو تمہارا فرض ہے کہ ان کے مطابق عمل کرو۔ بعض اوقات کسی مجرم کو سزا دیتے وقت انسانی ہمدردی کے جذبات ابھر آتے ہیں اور دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو کر سزا میں تخفیف کا تقاضا کرنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس انسانی کمزوری سے باخبر ہیں اس لیے آیت کریمہ میں تنبیہ فرمائی کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں مجرم کے لیے رحمت اور شفقت کا جذبہ تمہارا ہاتھ نہ پکڑے۔ اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں مزید وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ فرمایا: "قیامت کے روز ایک حاکم لایا جائے گا جس نے حد میں سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا یہ حرکت تو نے کیوں کی تھی؟ وہ عرض کرے گا آپ کے بندوں پر رحم کھا کر، ارشاد ہو گا اچھا تو ان کے حق میں مجھ سے زیادہ رحیم ہے، پھر حکم ہو گا اسے دوزخ میں لے جاؤ، ایک اور حاکم لایا جائے گا

جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا تھا۔ پوچھا جائے گا تو نے یہ کس لیے کیا تھا وہ کہے گا تا کہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا اچھا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے زیادہ حکیم تھا پھر حکم ہوگا لے جاؤ اسے دوزخ میں۔'' (تفسیر کبیر ص:225، ج:6)

اس سے معلوم ہوا کہ بدکاری کے مرتکب مرد اور عورت کی سزا میں کسی بڑے سے بڑے حاکم کو معمولی کمی بیشی کا بھی اختیار نہیں مزید براں یہ مراد بھی ہے کہ زانی کو وہی سزا دی جائے جو اللہ نے تجویز فرمائی ہے اسے کسی اور سزا سے نہ بدل دیا جائے۔ کوڑوں کی بجائے کوئی اور سزا دینا اگر رحم و شفقت کی بناء پر ہو تو شدید ترین معصیت ہے اور اگر اس خیال کی بناء پر ہو کہ کوڑوں کی سزا ایک وحشیانہ سزا ہے تو یہ قطعی کفر ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان کے ساتھ ایک سینے میں جمع نہیں ہو سکتا۔

بقول ایک عالمِ دین ''خدا کو خدا بھی ماننا اور اس کو معاذ اللہ وحشی بھی کہنا صرف انہی لوگوں کے لیے ممکن ہے جو ذلیل ترین قسم کے منافق ہیں۔''

ہماری دلی دعا ہے کہ خدا کرے پاکستان کی قومی اسمبلی میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ سمجھتا ہو کہ کم از کم اس کا ایمان و اسلام محفوظ رہے۔ لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ جن ممبرانِ اسمبلی نے زانی مرد اور عورت کی سزا 5 سال قید تجویز کی ہے انہوں نے قرآن کریم کے ایک صریح حکم کو بدل ڈالا ہے اور اپنی مزعومہ مصلحتوں اور مفادات کی خاطر احکم الحاکمین کے حکم کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

اسی طرح فحاشی کے جھوٹے الزام کی جو سزا متنازع بل میں تجویز کی گئی ہے وہ بھی قرآن حکیم کی نص قطعی سے متصادم ہے۔ ارشاد باری ہے۔ (ترجمہ) ''اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں تو ان کو 80 کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔'' (سورۂ نور: آیت:4)

شریعت مطہرہ نے جہاں زنا کا جرم ثابت ہونے پر سخت ترین سزا دی ہے وہاں بے

گناہ شخص (مرد وعورت) پر بلاثبوتِ شرعی زنا کی تہمت لگانے کے لیے بھی عبرتناک سزا مقرر کی ہے تا کہ آیندہ کبھی وہ اپنی زبان سے ایسی بات بلاثبوت نکالنے کی جرأت نہ کرے۔ زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کو قاذف اور جس پر لگائی جائے اسے مقذوف کہا جاتا ہے۔ ان شرائط کے پائے جانے کی صورت ہی میں حدّ قذف (80 کوڑے) لگائی جاتی ہے تاہم آیت کریمہ سے قاذف کی سزا بالکل واضح ہے اس قرآنی حکم کو بدلنے کا اختیار کسی حاکم یا پارلیمنٹ کو نہیں ہے۔

متنازع بل کے حامیوں نے عورتوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے زنا بالجبر کے مسئلہ کو بھی خوب اچھالا ہے اور عورتوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی مرد زبردستی کسی عورت کی عصمت دری کرے تو بھی عورت کو سو کوڑوں کی سزا برداشت کرنا ہوگی۔

یہ صریحاً مغالطہ آفرینی ہے۔ جبر واکراہ سے اگر کسی شخص کو اس فعل کے ارتکاب پر مجبور کیا گیا ہے تو وہ نہ مجرم ہے نہ سزا کا مستحق، خود قرآن کریم نے سورۂ نور میں ان عورتوں کی معافی کا اعلان کیا ہے جن کو بدکاری پر مجبور کیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں ترمذی وابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے اندھیرے میں ایک عورت کو پکڑ لیا اور اس سے بدکاری کا ارتکاب کیا عورت کے شور مچانے پر لوگ آئے اور زانی پکڑا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرایا اور عورت کو چھوڑ دیا۔ بہرحال ان معروضات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ متنازع بل کی بعض دفعات قرآن کریم کے احکام سے صریحاً متصادم ہیں۔ ہم اپنی نحیف آواز میں پارلیمنٹ کے ارکان سے ملتمس ہیں کہ ٹھنڈے دل سے اس بل کا مطالعہ کریں اگر ان کا ضمیر اس بات کی شہادت دے کہ اس بل اور قرآن کریم میں بدکاری کے مرتکب فرد کی سزا ایک دوسرے سے متصادم ہیں تو اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے اس کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ یہی درخواست ان دانشوروں اور فنکاروں سے ہے جو جید اور مستند علماء کرام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ مذکورہ بل قرآن وسنت کے مطابق ہے۔

عورت......آزادی اور اقبالؒ

اعجاز منگی

بڑے ادیب، بہت گہری چوٹ کرتے ہیں۔ایسی ہی ایک چوٹ روس کے عظیم ناول نگار میخائل شولوخوف کے ناول "Vergin soll upturn" میں ہے۔شولوخوف نے لکھا ہے: ''انقلاب کے بعد جب ہر قسم کی پراپرٹی قومیائی گئی تب کسانوں کے بیل بھی قومی ملکیت میں لیے گئے، ان کسانوں میں سے کچھ کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ سرکاری فارم میں موجود بیلوں کو چارہ کھلائیں۔ایسے حالات میں گاؤں کے باقی کسان چھپ کر دیکھتے تھے تو انہیں نظر آتا تھا کہ سرکاری کام پر مامور کسان دوسرے کسانوں کے بیلوں کو کم اور اپنے بیلوں کو زیادہ چارہ کھلا رہے ہیں۔''

شاید شولوخوف کے اس منظر سے حاصل مطلب اخذ کرتے ہوئے سولزی نٹسن نے یہ لکھا تھا'' وہ قوانین تاریخ کے کباڑ خانے میں جمع ہو جاتے ہیں، جو انسانی فطرت سے تال میل نہیں رکھتے'' موجودہ حکومت مغرب کی نظر میں مہذب اقدار کی حامل بننے کی کوشش میں بہت کام کر رہی ہے۔مگر ہر کام کے مقدر میں کامیابی نہیں ہوتی۔حکومت نے ''کاروکاری'' کے خلاف قانون پاس کیا مگر اس قانون کے کاغذات ان زندگیوں کی زرہ نہیں بن سکے جو موسم سرما کے سست رفتار دریاؤں اور کینالوں میں لاشوں کی صورت بہت دھیمے انداز سے بہتی نظر آتی ہیں، کیا کوئی قانون اس کوے کو سزا دے سکتا ہے جو مقتول عورت کی لاوراث لاش کی بوٹیاں نوچتا ہے۔قانون اپنے محدود اختیاراتی دائرے کے قیدی بھی ہوتے ہیں۔ مانا کہ ہم ترقی کی طرف رواں دواں قوم ہیں مگر ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ دیہات کے مقابلے میں شہر زیادہ قانون شکن ہوتے ہیں۔حالانکہ وہاں قانون نافذ کرنیوالے اداروں کی کوئی کمی نہیں ہوتی پھر بھی مجرموں کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے پولیس کے پاؤں تھک جاتے

ہیں۔ جبکہ دور دراز کے دیہات میں جیل تو کیا کوئی تھانہ تک نہیں ہوتا لیکن اس سرزمین میں جرم کو داخل ہونے کی جراٴت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں ہر شخص اپنے قبائلی قوانین کا خود تحفظ کرتا ہے۔

مغرب بھلے اس حقیقت کا اعتراف نہ کرے لیکن پولیس کو زیادہ موٴثر بنانے کے لیے مغرب کا جدید معاشرتی پولیسنگ (Community Policing) کا تصور اس قبائلی نظام کا دھندلا عکس ہے جہاں قانون راستے میں رکاوٹ نہیں بلکہ رگوں میں رواں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے کتنی اچھی بات کہی ہے:

ایک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
آزادیٔ نسواں کا محافظ ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد!

شام کا زرد سورج وان گوگ کی پینٹنگ میں بہت پیارا نظر آتا ہے مگر وہ زندگی کا ہم رکاب نہیں بن سکتا۔ کھیتوں، کھلیانوں، مہکتے پھولوں اور چہکتے ہوئے بچوں کے لیے دن کا وہ سورج درکار ہے جس سے سورج مکھی کے علاوہ کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا۔

عورت کی آزادی کے لیے قانون سازی کا عمل مغرب کے سیاسی اسٹیج پر تو داد حاصل کر سکتا ہے مگر ہمارے معاشرے میں اس کا عملی نفاذ ممکن نہیں۔ کیونکہ اس معاشرے میں ابھی تک غیرت زندگی سے اہم سمجھی جاتی ہے اور کوئی بھی غیرت مند انسان اپنی عورت کو قانون کے حوالے نہیں کر سکتا۔ کاش مغرب کو یہ سچائی سمجھ میں آجاتی کہ ”عورت مرد کی عزت اور مرد

عورت کی محبت ہوتا ہے۔"

اردو کے مشہور ترقی پسند شاعر ن م راشد نے اپنے آپ کو تین ٹکڑوں کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

میں سہ نیم، میری زندگی سہ نیم

دوست داری، عشق بازی، روزگاری!

ممکن ہے کہ اردو ادب کے معتبر مگر مغرب زدہ شاعر کی اس نظم پر پکاسو کے "کیوب ازم" کا اثر ہو مگر ایک زاویئے سے دیکھا جائے تو عورت کی محبت تین حصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کی پہلی محبت اس کا باپ، اس کی دوسری محبت اس کے بچوں کا باپ اور اس کی تیسری محبت اس کے پوتوں کا باپ ہوتا ہے اور عورت کی نظر میں محبت تحفظ فراہم کرنے کا وہ غیر مشروط کردار ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایک بیٹی اپنے باپ، ایک بیوی اپنے خاوند اور ایک ماں اپنے بیٹے پر کس طرح شک کر سکتی ہے کہ وہ اسے خطرے میں تنہا چھوڑ دے گا اور اس کی حفاظت نہیں کرے گا؟

اقبال فطرت کے شارح شاعر تھے۔ انہوں نے جب یہ لکھا تھا کہ عورت کی آزادی کا محافظ صرف مرد ہے تو اس میں کوئی میل شاوٗنزم نہیں بلکہ یہ فطرتِ انسانی کی بے حد سادہ سی حقیقت ہے۔

علامہ اقبال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ مغرب نے آزادی کے نام پر عورت کو مرد سے چھین کر معاشرے کے حوالے کر دیا ہے اور وہ اس عمل کو عورت کے خلاف بہت بڑی سازش سمجھ رہے تھے۔ اس لیے اقبال نے اپنے عہد کے مغرب زادوں کے معتوب بننے کی پروا کیے بغیر آزادی کے نام پر عورت کے قومیائے جانے کی سختی سے مخالفت کی۔

اقبال بہت دانا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو چیز سب کی ہوتی ہے وہ دراصل کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے اقبال عورت کو معاشرے کے حوالے کرنے کے بجائے اسے کسی مرد

کے سپرد کیے جانے کے حق میں تھے۔اور علامہ اقبال کو معلوم تھا کہ عورت اپنی مخصوص فطرت کے حوالے سے یہی چاہتی ہے کہ وہ کسی ایک کی بن کر رہے۔

اقبال اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ مغربی تہذیب عورتوں کو آزادی دینے کی آڑ میں دراصل مرد کو عورت کے تحفظ سے بری الذمہ بنا رہی ہے۔ علامہ اقبال شاعر تھے۔اس لیے وہ عورتوں کے خلاف افکار کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے!!!اور بنیادی بات کہ وہ ذہانت کی عظیم بلندی پر بسنے والے انسان تھے۔وہ کوئی غیر ذمہ دار بات کس طرح کہہ سکتے تھے؟ اس لیے عورت کی آزادی کے بارے میں تصور اقبال کو اگر اجاگر کیا جائے تو شاید ہمارا متضاد معاشرہ اپنے منجمد بحران سے نکل کر متلاطم سمندر میں تبدیل ہو جائے۔

علامہ اقبال کا ادراک ایک اور سچائی سے بھی آشنا تھا، وہ سچائی خالص پنے کی تھی۔ اقبال نہ صرف اشیاء کے حوالے سے بلکہ افکار کے حوالے سے بھی ملاوٹ کے مخالف تھے۔ اس لیے انہوں نے ہدایت کی ہے کہ مشرق اور مغرب کی ملاوٹ نہ کی جائے۔اقبال مشرق کے عظیم محافظ تھے۔انہیں معلوم تھا کہ سائنسی ترقی کی وجہ سے مغرب میں مادی حوالے سے اتنی توانائی بھر گئی ہے کہ جب بھی مشرق اس کے قریب آئے گا تو مغرب اس پر غالب آ کر اسے اپنے رنگ میں رنگ دے گا۔اس لیے اقبال نے مشرقی اقدار کو مغربی یلغار سے بچانے کی عظیم کوشش کی۔علامہ اقبال کو بہت سارے مباحثے بہت فضول محسوس ہوتے تھے۔شاعر مشرق نے ہمارے ذہنوں کو اس علم کی ضیاء سے روشن کرنا چاہا کہ عورت اور مرد میں کون کمتر اور کون معتبر قرار دینے والا مباحثہ انتہائی گمراہ کن ہے۔ایک بیٹا اپنی ماں سے کبھی معتبر نہیں بن سکتا اور نہ ایک بیٹی یہ گوار کر سکتی ہے کہ اس کے والد کو اس سے کمتر مانا جائے۔

عورت اور مرد میں بات کمتری اور معتبری کی نہیں۔عورت اور مرد قدرت کی دو مختلف اور منفرد تخلیق ہیں۔ان کے لیے قواعد اور ضوابط بھی الگ ہونے چاہئیں اور جہاں تک

پردے کا سوال ہے تو عورت کا وجود اس بیج کی طرح ہے جس سے یہ معاشرہ پھلتا پھولتا ہے۔اس لیے قدرت نے عورت کو اس فطری قربانی کے لیے منتخب کیا ہے کہ وہ معاشرتی بیج بن کر اپنی ہستی کو مٹا دے تا کہ معاشرہ گل وگلزار بن جائے۔

عورت بیج اور مرد درخت ہے۔بیج کا چھپنا اور درخت کی نمو کے لیے بنیادی شرط ہے۔ درخت کا کردار معاشرتی ہے جبکہ بیج معاشرتی بن کر نہ تو محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ ان کا کوئی پیداواری کردار ممکن ہوسکتا ہے۔علامہ اقبال اس آزادی کی حمایت نہیں کر سکتے کہ معاشرتی زندگی کے بیج زمانے کی ہواؤں کے دوش پر اڑتے نظر آئیں۔زمانے کی ہوائیں درختوں کی شاخوں سے کھیلتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔

مرد کے معاشرتی اور عورت کے خاندانی کردار سے ہی معاشرہ متوازن رہ سکتا ہے۔یہ توازن فطری ہے۔مگر ہمارے حکمران ایک اور توازن کی کوشش کرتے رہے ہیں وہ ہے مغرب اور مشرق کا توازن۔یہ توازن ممکن نہیں! جس طرح شراب کے پیگ کو آبِ زَم زَم کا پانی پاک نہیں کرسکتا۔اسی طرح مغربی اقدار مشرقی ثقافت سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں۔

شاید! علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں یہ سادہ سی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کوشش جس کو ہم ناکام کرنے پر تلے ہوئے ہیں!

(بشکریہ: روزنامہ امت کراچی: 18 نومبر 2006ء)

قابل احترام جرم

اوریا مقبول جان

لندن شہر کے بیچوں بیچ پکاڈلی سرکس کے ساتھ ایک علاقہ ہے جس کا نام ہو ہو ہے۔ یہ علاقہ صدیوں سے عیش پرستوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک رہا ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جس میں ایک زمانے میں غربت وافلاس کے ہاتھوں تنگ آ کر کارل مارکس نے رہائش اختیار کی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ شرفاء اس جگہ رہنا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے مکان سستے کرائے پر مل جاتا تھا۔ اسی بازار کی گلیوں میں دنیا کا پہلا سیریل قاتل ''جیک دی رپر'' عصمت فروش عورتوں کو تسکین کے لیے قتل کیا کرتا تھا۔ اس علاقے کے ٹیلی فون بوتھ تک ایسی عورتوں کے اشتہاروں سے بھرے ملتے تھے جو جسم فروشی کا کاروبار کرتی ہیں۔

لیکن برطانیہ میں 80ء کی دہائی میں ایک سخت گیر خاتون ''مارگریٹ تھیچر'' برسرِ اقتدار آئی۔ یہ علاقہ اس دوران چاروں اور پھیلتا جا رہا تھا۔ ادھر انسانی حقوق کے علمبردار اور حقوق نسواں کے پرچارک اس سب کی حمایت اس لیے کر رہے تھے کہ وہ اسے لوگوں کا ذاتی مسئلہ اور کاروبار سمجھتے تھے۔ ادھر شرفاء اس کے قرب وجوار کو بھی چھوڑنے پر مجبور تھے۔ ایسے میں مارگریٹ تھیچر نے اس علاقہ کی صفائی کا اعلان کر دیا۔ پولیس کے کارندے دندناتے ہوئے وہاں گئے اور عورت کی آزادی، حرمت اور کاروبار کے نام پر پناہ حاصل کیے ہوئے اس کاروبار کو ختم کر دیا۔ نہ وہ دکانیں وہاں رہیں اور نہ ہی چار دیواری کے اندر کام کرنے والی دیویاں۔

نیویارک شہر ایسے ہی کاروبار کی وجہ سے دنیا بھر میں بدنام تھا۔ جرم کا پودا اسی کاروبار کے گرد پھیلتا پھولتا ہے۔ براڈوے نیویارک کا ایک ایسا مقام تھا بلکہ ہے، جہاں عیش و عشرت کے پروانے منڈلاتے تھے۔ اس علاقے سے چاروں طرف جانے والی سڑکوں،

زیر زمین ریلوے سٹیشنوں اور دور تک پھیلی ریلوے لائن کے ساتھ لگے کھمبوں کے ساتھ خواتین ہوتیں اور یہ پروانے انہیں گاڑیوں میں بٹھا بٹھا کر لے جاتے۔ انسانی حقوق کے ترجمانوں کے لیے یہ بالکل دو لوگوں کے درمیان ایک ذاتی فعل تھا۔ ان کے ہاں بالرضا اس جرم کی سزا تو جبر کا ایک روپ ہے۔ یہ لوگ آج تک 26 جولائی والے دن نیو یارک میں ہونے والے ہم جنسوں پر تشدد کا دن مناتے ہیں اور اسے ایک بالرضا فعل قرار دیتے ہیں۔

ایسے میں 90ء کی دہائی میں ایک شخص ''روڈی جولیانی'' نیو یارک کا میئر منتخب ہوا۔ اسے احساس ہوا کہ تمام جرائم کی جڑ یہ بالرضا جرم ہے۔ سارے قتل، سارے اغواء، ڈکیتیاں اور منشیات سب کا ماخذ یہی ہے۔ اس نے پولیس چیف کو بلایا اور کارروائی کا آغاز کر دیا۔ پولیس بڑے بڑے ٹرک لے کر جاتی اور ان علاقوں سے ایسی خواتین کو بھرتی اور دور دراز ویرانوں میں چھوڑ آتی۔ روتی پیٹتی یہ خواتین واپس آتیں تو دوبارہ ایسا ہی ہوتا۔ نہ کسی کے چہرے پر لکھا ہوتا تھا کہ یہ فاحشہ ہے اور نہ ہی گواہوں کی موجودگی میں اس فعل کا ارتکاب ہو رہا ہے تھا، لیکن ایک یقین تھا کہ برائی کے تانے بانے کہاں سے پھوٹتے ہیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ نیو یارک شہر دنیا کے جرم کے نقشے سے غائب ہو گیا۔

ان دونوں شہروں کی داستان ذہن میں لا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر مارگریٹ تھیچر یا روڈی جولینی کے ہاتھ زنا بالرضا کے قانون نے باندھ دیئے ہوتے، اسے ایسے افراد کے خلاف ایکشن لینے کے لیے پہلے گواہوں کو اکٹھا کرنا پڑتا اور پھر درخواست لے کر جج کی عدالت میں جانا پڑتا اور اگر جج اس درخواست کو خارج کر دیتا تو یہ دونوں اپنا سا منہ لے کر واپس آجاتے اور وہ خاتون عزت و توقیر کے ساتھ کیمروں کی روشنی میں پارسائی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتی۔ لیکن شاید دنیا بھر کے ممالک میں ہم وہ پہلے ''مہذب'' اور انسانی حقوق کے علمبردار ملک ہیں۔ جہاں کسی ایسی خاتون کے بارے میں اطلاع فراہم کرنے، اس کے خلاف درخواست دینے یا اسے ایسی حرکات و سکنات سے باز رکھنے کے لیے پولیس کا دروازہ

نہیں کھٹکھٹایا جا سکتا۔

حیرت کی بات ہے کہ چوری، ڈاکہ، رہزنی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی حتیٰ کہ جیب کترنے جیسے معمولی جرم پر بھی پولیس کارروائی کر سکتی ہے لیکن زنا بالرضا ایک ایسا ''مقدس و محترم'' اور ''باعزت جرم'' ہے کہ جس کے لیے صرف اور صرف عدالت کے جج کے پاس گواہوں سمیت جائیں ورنہ کس تھانیدار کی کیا جرأت اور کیا اوقات کہ ایسے محترم لوگوں کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھے۔

اب اندازہ کیجئے ایک ایسے محلے میں جہاں چند باعزت اور شریف لوگ سکون سے زندگی گزار رہے ہوں، وہاں ایک عورت گھر لے لیتی ہے، وہ کوئی کاروبار یا دھندا نہیں کرتی، نہ اس کے پاس ایسی لڑکیاں ہیں، جنہیں ان مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکے، لیکن اس کے گھر میں بڑی بڑی گاڑیوں، صاحب اثر لوگوں اور گن مینوں سے مسلح افراد کی آمدورفت شروع ہو جاتی ہے۔ گھر راتوں کو آباد اور دن کو ویران ہو جاتا ہے۔ لوگ سہمے ہوئے، دبکے ہوئے، اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل پاتے۔ بچیاں دروازوں سے باہر جھانکتے ہوئے ڈرتی ہیں، اگر کوئی خوف کا مارا کسی تھانیدار کے پاس جائے گا بھی تو وہ اسے گواہ جمع کرنے اور جج کے پاس جانے کا قیمتی مشورہ عنایت کرے گا اور اگر اس عورت کو علم ہو گیا کہ اس شخص نے اس کے خلاف رپورٹ کرنے کی کوشش کی ہے، تو وہ قانون کی نئی دفعہ 496 الف کے تحت پولیس میں رپورٹ درج کرا سکے گی کہ یہ ''شریف انسان'' اندر سے ایک شیطان ہے اور مجھے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ بس پھر کیا ہے، دندناتی ہوئی پولیس آئے گی، اسے ناقابل ضمانت جرم میں گرفتار کر کے لے جائے گی۔ جب تک مقدمہ چلتا رہے گا وہ جیل میں سڑتا رہے گا اور پھر یا تو سات سال سزا ہو جائے گی یا دو تین سال بعد ''باعزت'' بری ہو جائے گی۔

میں اس ''مقدس، محترم اور باعزت'' جرم کے بارے میں اپنے اردگرد پھیلے ہزاروں

معاشرتی ''مصلحین'' اور این جی اوز کی جذباتی وابستگی دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ جس ملک میں ایک گھنٹے میں سو سے زیادہ عورتیں زچگی کے دوران مرتی ہوں، فاقوں سے خودکشی کرتی ہوں، سب سے زیادہ ٹی بی کی شکار ہوں، جنہیں صحت، تعلیم، خوراک اور چھت تک میسر نہ ہو، آج تک کوئی ہسپتال کے دروازے پر دم توڑتی عورت کے لیے بینرز لے کر باہر نہ آیا لیکن جس عورت کے تحفظ کے لیے دنیا بھر کے ممالک کی بے پناہ امداد اپنے منظور نظر کارکنان تک پہنچی اور فتح ان کا مقدر بنی، اب اس کا یہ ''جرم'' معتزز محترم اور مکرم ہو گیا ہے۔

ڈرتا ہوں اس دن سے جب ہر محلے کے گھروں کے درمیان ایک ایسی عورت آ کر آباد ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟ ایسے شرفاء اگر ہجرت بھی کر گئے تو انہیں پناہ دینے والا بھی شاید میسر نہ آ سکے۔

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر بات ختم کرتا ہوں، فرمایا:

''جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جائے، وہاں وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔''

صاف پانیوں اور ستھری گھاس پر پلنے والا ڈینگی وائرس کا مچھر تو ایک آغاز ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت کراچی: 25 نومبر 2006ء)

نسواں بل بازارِ حسن میں

عبدالقادر حسن

تحفظ حقوق نسواں بل پر اگرچہ پوری حکومت، ساری حکومتی پارٹی اور تمام کی تمام اپوزیشن مسلسل بول رہی ہے لیکن یہ بل میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس میں سے نسواں کا کون سا تحفظ برآمد ہوا ہے؟ وراثت کے قانون کی بات ہوتی، قرآن کے ساتھ شادی کی بات ہوتی، وٹہ سٹہ کی بات ہوتی تو کچھ سمجھ میں آتا کہ ہماری نسواں کے فلاں حق اور فلاں مفاد کی حفاظت کا سامان کیا گیا ہے لیکن زنا بالرضا کے تحفظ کے مسئلے کا صرف نسواں سے کیا تعلق ہے اس مسئلے سے تو مرد کا بھی برابر کا تعلق ہوتا ہے کیونکہ یہ اکیلے میں نہ عورت کر سکتی ہے نہ مرد، اس لیے اس قانون کا نام تحفظ نسواں و مرداں ہونا چاہیے، اس بل میں کئی الجھنیں اور کئی تشنگیاں تھیں، اسی لیے یہ بل پوری طرح اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں شکر گزار ہوں ایک مقامی اخبار کے رپورٹر کا جس نے اس بل کے اصل مصداق اور فیض یاب ہونے والوں سے ملاقات کی اور انہوں نے وضاحت کی کہ اس بل سے ان کی زندگی سنور گئی ہے اور اس بل کا اصلی مقصد کیا ہے؟ اب میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بل کے اسرار و رموز سے واقف ہو گیا ہوں اور میری جہالت میں نمایاں کمی آ گئی ہے۔ ورنہ اتنے بڑے مسئلے سے ناواقفی نہ صرف روشن خیالی اور اعتدال پسندی بلکہ عقل کے بھی خلاف اور جہالت کا ایک سبب تھی۔ اب وہ خبر ملاحظہ فرمایئے جس نے تمام الجھنیں دور کر دی ہیں اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا ہے۔ خبر یوں ہے کہ حقوق نسواں بل منظور ہونے سے پولیس چار دیواری میں داخل ہونے پر جو پابندی لگ گئی ہے اس کی خوشی میں بازار حسن میں طوائفوں نے مٹھائی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہوئے کہتی رہیں کہ کوئی تو بل ایسا بھی آیا ہے جس نے پولیس کو لگام دی ہے۔ اس بل کے منظور

ہونے کے دوسرے روز بازارِ حسن یعنی ہیرا منڈی میں وہاں کے دکاندار کوٹھے خالی کر کے چلے جانے والی بعض عورتوں اور مردوں کی واپسی پر خوشی کا اظہار کرتے رہے، یہاں کے لوگوں میں سارا دن یہ موضوع زیر بحث رہا کہ اس بازار میں جو کچھ بھی ہوتا ہے فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے لہٰذا ان لوگوں کو زنا بالرضا کے تحت اب سزا نہیں ہوگی، اس لیے اس بازار کے جو کوٹھے کئی برسوں سے ویران پڑے ہیں وہ پھر سے آباد ہو جائیں گے۔ اخبار کے سروے میں بتایا گیا ہے کہ ایک پان فروش کی دکان پر کھڑی ہوئی سلمیٰ بائی نے گفتگو کرتے ہوئے کہ کہ ہم پولیس کے اہلکاروں کو جو ماہانہ یعنی منتھلی ادا کرتے ہیں۔ اب اس سے جان چھوٹ جائے گی، مزید برآں پولیس کے اہلکاروں کے تنگ کرنے کی وجہ سے جو لوگ اس بازار سے نقل مکانی کر گئے تھے اور مجبوراً دوسرے مقامات پر چلے گئے تھے اب ان کی واپسی رفتہ رفتہ شروع ہو جائے گی اور یہ دھندا بڑی حد تک ایک جگہ جمع ہو کر شہر بھر میں نہیں پھیلے گا، اس طرح یہ تاریخی بازار پھر سے آباد ہو جائے گا، اس طرح یہ بل بھی واقعی تاریخی بن جائے گا۔

لاہور کی ہیرا منڈی کی گرمی بازار کا تو جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا اس وقت تو اصل پیچیدہ مسئلہ اس بل کے صحیح مفہوم اور اس کے نفع نقصان کا تھا، اس قانون کی جو تفسیر اور تشریح یہاں کے مکینوں نے بڑے سادہ انداز میں عملاً بیان کر دی ہے، اس نے تمام ابہام، الجھنیں اور گومگو کی کیفیت ختم کر دی ہے، بہت مناسب ہوگا اگر ہمارے حکمران خصوصاً ان کے حامی ق لیگ والے اس عملی وضاحت کو پلے باندھ لیں اور ایم ایم اے والوں کے منہ بند کر دیں، معلوم ہوا کہ یہ بل اسمبلیاں اجاڑنے کے لیے اور بازار بسانے کے لیے لایا گیا ہے، کسی ایک مشکوک بل کے لیے دور استعفوں تک جانے کی کیا ضرورت ہے؟

نجی زندگی میں عدم مداخلت اسلام کا پہلا اصول ہے اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مشہور واقعہ آپ نے بھی سنا ہوگا کہ ایک رات حضرت عمرؓ نے گلی سے

گزرتے ہوئے سنا کہ گھر کے اندر گانا بجانا ہورہا ہے چنانچہ وہ سخت ناراض ہوکر گھر کے اندر کود گئے اور لوگوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا، ان لوگوں کو بھی اسلام کے قوانین اور تعلیمات کا علم تھا چنانچہ ایک صاحب نے خلیفہ سے پوچھا کہ آپ کو کسی کے گھر کے اندر اس طرح بلا اطلاع داخل ہونے کی اجازت کس نے دی؟ یہ تو قانون کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

آپ کسی کے گھر کے اندر اس طرح داخل نہیں ہوسکتے یہ سن کر حضرت عمرؓ لاجواب ہوگئے اور معذرت کر کے باہر نکل گئے، اس لیے کسی گھر کے اندر خواہ وہاں کچھ بھی ہورہا ہو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ یو این او کے چارٹر کا پہلا جملہ ہی پرائیویسی کی حفاظت پر مشتمل ہے۔ لاہور کے بازارِ حسن کی طوائفوں اور ان کے لواحقین نے نہ صرف اس بل کو صحیح معنوں میں سمجھا ہے بلکہ اس کے مطابق اپنے مستقبل کے فیصلے اور منصوبے بھی شروع کردیے ہیں۔

یہ بل زنا بالرضا اور زنا بالجبر تک محدود ہے اور اس بارے میں قوانین کو وضع کرتا ہے جہاں تک زنا بالرضا کا تعلق ہے اس کی وضاحت تو بازار حسن کے ''مفتیوں'' نے کردی ہے۔ زنا بالجبر کے انتہائی مکروہ فعل کے بارے میں جس قدر سختی ممکن ہو کرنی چاہیے اس فعل کے دو یا چار اچھی شہرت رکھنے والے گواہوں کے عدد کا فیصلہ بھی کردیا گیا ہے لیکن ایک ضمنی سا سوال یہ بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اتنے گواہوں نے جب یہ فعل ہوتے دیکھا تو انہوں نے اسے روکا کیوں نہیں؟ صرف گواہ بننے کے لیے اس کا بغور معائنہ کیوں کرتے رہے، ان لوگوں کے لیے بھی سزا مقرر ہونی چاہیے۔ اس بل کے سلسلے میں ایک اور بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ کیا یہ اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ اس پر اس قدر ہنگامہ کھڑا کیا جائے اور عوام کے اصل مسئلے یعنی فوجی حکومت کو جانے دیا جائے جو عوام کے تمام مسائل کی جڑ ہے، اس جڑ کو سلامت رکھ کر شاخ تراشی کا کیا فائدہ؟ آخر ہمارے علماء ''تحفظ حقوق عوام'' کے کسی بل کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ کسی ایک بل کے لیے وہ استعفے دیں گے تو پوری قوم ان کے ساتھ ہوگی۔ (بشکریہ: روزنامہ ایکسپریس کراچی: 21 نومبر 2006ء)

تحفظ نسواں بل کی منظوری، آگے آگے دیکھئے

سر راہے

ایک انگریزی معاصر میں تصویر چھپی ہے جس میں دو امریکی سپر اسٹار ٹام اور اس کی منگیتر کیٹی کو دکھایا گیا ہے جس نے ٹام سے ہونے والی نومولود بچی اٹھا رکھی ہے۔ کہا گیا ہے کہ دونوں اس ہفتے کے آخر میں شادی کرلیں گے۔

بالعموم قاعدہ قانون تو یہ ہے کہ پہلے آیئے پہلے پایئے مگر امریکہ میں پہلے پایئے، بعد میں آیئے کا دستور رائج ہے۔ لہٰذا ہماری خانقاہِ روشن خیالاں کے مجاوروں کو نوید ہو کہ آج نہیں تو کل ہمارے مستقبل کی بھی ایسی تصویریں دکھائی دے جائیں گی، جن میں سود پہلے ادا ہوگا اور اصل زر بعد میں۔ امریکہ جو پا چکا ہے، وہ ہماری منزل ہے اور جو ہماری منزل تھی، وہ امریکہ کسی کو پانے نہیں دیتا۔ ابھی تو صرف ''تحفظِ نسواں بل' ہی بل میں سے نکلا ہے، آگے آگے دیکھئے کہ اس میں سے کیا کیا نکلتا ہے، کیونکہ ہر قدم آگے اور آگے اٹھ رہا ہے۔ ہماری چشمِ تماشہ کے ہاتھ مفلوج ہیں، کوئی روک نہیں، کوئی ٹوک نہیں، نیزۂ مؤمن کی کوئی نوک نہیں۔

امریکہ ہو یا اس کے حواری مغربی ممالک، سبھی میں شادی کی ترتیب الٹ چکی ہے۔

مغربی تہذیب چڑیل ہے، جس کے الٹے پاؤں ہیں، یہاں بھی اس چڑیل کے عشاق کا راج ہے۔ ہر رسم میں ہر رواج میں، ہر کل میں، ہر آج میں خیال کی روشنی پھونکی جا رہی ہے۔ طوائفوں کی لٹیں کنگھی کرنے والے تصوف کی گتھیاں سلجھانے پر لگا دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ ہمارے لیے مقرر کردہ منزل ہماری بنیاد پرستی کے باعث ابھی دور ہے مگر یہی اک گونہ بے خودی برقرار رہی تو جس تصویر کا ذکر ہم نے شروع میں کیا، وہ ہماری بھی ہو جائے گی، البتہ آسمان سے تو یہ صدا آتی رہے گی کہ: ؏

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

اور بے وفاؤں کی امت اک دن پھر سے اہل وفا میں شامل ہوگی: ع

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت کراچی: 19 نومبر 2006ء)

تحفظِ نسواں بل کا تمغہ

ایک اخباری اطلاع کے مطابق ایم پی اے صبا صادق نے کہا ہے: خواتین کو وہ تحفہ ملا ہے جو کسی بھی دور میں حکومت نہیں دیا۔ انہوں نے جو عزت دی وہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔

حقوقِ نسواں بل منظور ہونے کی صرصر کیا چلی ہے کہ صبا بھی چل نکلی ہے۔ پنجاب اسمبلی کی غلام گردشوں میں تو بنتِ حوا ہمیشہ آزادانہ محوِ خرام رہی ہے پھر یہ نیا اور انوکھا تحفہ کیا ہے جواب ملا ہے۔ باقی جہاں تک کسی دورِ حکومت کا تعلق ہے تو ہر دور میں اربابِ بست و کشاد تحفے دیتے رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ وصول کرنے والیاں بدلتی رہیں۔ یہ ریکارڈ قابل فخر ہے کہ ہمارے اس وطن پاک کی ہر حکومت خواتین پر مہربان رہی ہے پھر بھی اگر حدود بل میں ترمیم کر کے ایک نیا بل لانے کی ضرورت پڑ گئی تو اس کا مطلب ہے کہ حکومت کچھ مزید مہربان ہونا چاہتی ہے چاہے اس کے نتیجے میں خدا ہی نامہربان ہو جائے۔ یہ جو صبا صادق صاحبہ کو نیا تحفہ ملا ہے اور وہ بھی قرآن و سنت کے مطابق تو اس میں حرج کیا ہے، ہمارے ہاں سب کا کام قرآن و سنت ہی کے ذریعے تو چلتا ہے۔ ان کا بھی چلنے دیں۔

(بشکریہ: روزنامہ نوائے وقت کراچی: 20 نومبر 2006ء)

کتاب دوست پبلیکیشنز

اردو بازار لاہور۔ فون پی پی: 042-7313392

کتاب دوست پبلیکیشنز
اردو بازار لاہور۔ فون پی پی: 042-7313392